



نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور



۴۸۶
۹۲

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر ✦ بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

الحمد للہ کہ کتاب لاجواب نافع شیخ وشاب مفیدِ عاقل موقظِ غافل

مسمّٰی بہ

جآء الحق وزہق الباطل

المعروف

فیصلہ مسائل

سنہ ۱۳۷۴ھ کے اضافاتِ جدیدہ وضمیمہ عجیبہ کے ساتھ

جس میں موجودہ زمانہ کے عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت محققانہ مدلل فیصلہ کر دیا گیا ہے

مصنفہ

مولانا المفتی الحاج احمد یار خاں صاحب اوجھانوی بدایونی مدظلہ

مدرس مدرسہ خدام الرسول گجرات پنجاب

ناشر

حضرت ذوالامر تبت سید الحاج شاہ محمد معصوم جیلانی قادری نوری سجادہ نشین و چک شریف گجرات

ملنے کا پتہ:۔ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور

ساتویں بار — تعداد ایک ہزار — ہدیہ ...

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ، خَالِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ : اَجْمَلِ الْاَجْمَلِیْنَ : اَکْمَلِ الْاَکْمَلِیْنَ : سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط



دین اسلام کو دنیا میں تشریف لائے ہوئے آج تقریباً پونے چودہ سو برس گذرے۔ اس عرصہ میں اس پاک دین نے ہزار ہا بلاؤں سے مقابلہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس لہلہاتے ہوئے چمن پر بہت سی تیز آندھیاں آئیں اور اپنا اپنا زور دکھا کر چلی گئیں۔ مگر الحمد للہ کہ یہ چمن اسی طرح سرسبز و شاداب رہا۔ اس آفتاب پر بارہا تاریک بادل اور غبار آئے۔ مگر یہ آفتاب اُسی طرح چمکتا دمکتا رہا۔ اور کیوں نہ ہو تا کہ رب تعالیٰ خود اس دین کا حافظ و ناصر ہے۔ خود فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم نے ہی قرآن اُتارا۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۔

کبھی اس پر یزیدی بادل آئے۔ اور کبھی حجاجی غبار۔ کبھی مامونی طاقت نے اس کے سامنے آنے کی جرأت کی۔ اور کبھی تاتاری قوتیں اس سے ٹکرائیں۔ کبھی خارجی شورش نے اس سے مقابلہ کیا اور کبھی رفض کی طاقت نے اس کو زیر کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ سب کی سب اس پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔ اور یہ پہاڑ اسی طرح اپنی جگہ مضبوطی سے قائم رہا۔ وَاَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا اللہ تعالیٰ اس کو دائم قائم رکھے ۔

مگر ان تمام فتنوں میں زبردست فتنہ اور تمام مصیبتوں میں خطرناک مصیبت وہابیوں نجدیوں کا فتنہ تھا جس کی خبر مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی۔ اور طرح طرح سے اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب ذکر الیمن والشام میں بخاری کے حوالہ سے روایت ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریائے رحمت

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جوش میں ہے. بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی جارہی ہے اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِی شَامِنَا اے اللہ ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت دے. اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِی یَمَنِنَا اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے. حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا وَفِی نَجْدِنَا یارسول اللہ دعا فرمائیں. کہ ہمارے نجد میں برکت دے. پھر حضور علیہ السلام نے وہ ہی دعا فرمائی. شام اور یمن کا ذکر فرمایا. مگر نجد کا نام نہ لیا. انہوں نے پھر توجہ دلائی. کہ وَفِی نَجْدِنَا حضور یہ بھی دعا فرمائیں. کہ نجد میں برکت ہو. غرض تین بار یمن اور شام کے لئے دعائیں فرمائیں. بار بار توجہ دلانے پر نجد کو دعا نہ فرمائی. بلکہ آخر میں فرمایا هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطٰنِ میں اس ازلی محروم خطہ کو دعا کس طرح فرماؤں. وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے. اور وہاں شیطانی گروہ پیدا ہوگا. اس سے معلوم ہوا. کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک میں دجّال کے فتنہ کے بعد نجد کا فتنہ تھا. جس سے اس طرح خبر دے دی ؞

اسی طرح مشکوٰۃ جلد اوّل کتاب القصاص باب قتل اہل الردّۃ میں بحوالہ نسائی حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے. کہ حضور علیہ السلام ایک بار کچھ مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے ہیں. ایک شخص نے پیچھے سے عرض کیا یا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہ کیا. حضور علیہ السلام نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ ہمارے بعد تم کو ہم سے بڑھ کر کوئی عادل نہ ملیگا. پھر فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم اس سے پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا. اور اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے. پھر فرمایا سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ لَا يَزَالُوْنَ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَخْرُجَ اٰخِرُهُمْ مَعَ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ یعنی اُن کی پہچان سر منڈانا ہے یہ نکلتے ہی رہیں گے. یہاں تک کہ اُن کی آخری جماعت دجّال کے ساتھ ہوگی. اگر تم اُن سے ملو تو جان لو کہ وہ تمام خلقت میں بدتر ہیں. اس میں ان کی پہچان فرمائی گئی. سر منڈانا آج بھی وہابی اس سے خالی مشکل ہی سے ملیں گے. کہیں فرمایا کہ بت پرستوں کو چھوڑیں گے. اور مسلمانوں کو قتل کریں گے. دیکھو بخاری جلد اوّل کتاب الانبیاء متصل قصّہ یاجوج و ماجوج. و مسلم اور مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اوّل. اسی جگہ مشکوٰۃ میں یہ بھی ہے لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ اگر انہیں ہم پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل فرمادیتے آج بھی دیوبندی عام طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں. مگر نفرت کرتے ہیں. تو مسلمانوں سے اور اُن کے ہمیشہ حملے مسلمانوں پر خاص کر اہل حرمین پر ہی ہوئے ؞

اس فرمان عالی کے مطابق بارھویں صدی میں نجد سے محمد ابن عبد الوہاب پیدا ہوا۔ اس نے کیا کیا اہلِ حرمین و دیگر مسلمانوں پر ظلم کیے۔ اس کی داستان تو سیف الجبار اور بوارق محمدیہ علی ارغامات النجدیہ وغیرہ کتب تواریخ میں دیکھو۔ ان کے کچھ ظلم علامہ شامی نے اپنی کتاب ردّ المحتار جلد سوم باب البغات کے شروع میں اس طرح بیان فرمائے ہیں کَمَا وَقَعَ فِیْ زَمَانِنَا فِیْ اَتْبَاعِ عَبْدِ الْوَهَّابِ الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوْا عَلَی الْحَرَمَیْنِ وَکَانُوْا یَنْتَحِلُوْنَ اِلَی الْحَنَابِلَةِ لٰکِنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَاَنَّ مَنْ خَالَفَ اِعْتِقَادَهُمْ مُشْرِکُوْنَ وَاَسْتَبَاحُوْا بِذٰلِكَ قَتْلَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَقَتْلَ عُلَمَائِهِمْ حَتّٰی کَسَرَ اللّٰهُ شَوْکَتَهُمْ وَخَرَّبَ بِلَادَهُمْ وَظَفَرَ بِهِمْ عَسَاکِرَ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِیْنَ وَمِائَتَیْنِ وَاَلْفٍ جیسے کہ ہمارے زمانہ میں عبد الوہاب کے ماننے والوں کا واقعہ ہوا۔ کہ یہ لوگ نجد سے نکلے اور مکّہ و مدینہ شریف پر انہوں نے غلبہ کر لیا۔ اپنے کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں۔ اور جو ہمارے عقیدے کے خلاف ہے وہ مشرک ہے۔ اس لئے انہوں نے اہل سنّت والجماعت کا قتل جائز سمجھا اور ان کے علماء کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے وہابیوں کی بیوں کی شوکت توڑی اور ان کے شہروں کو ویران کر دیا۔ اور اسلامی لشکروں کو ان پر فتح دی۔ یہ واقعہ ۱۲۳۳ھ ہجری میں ہوا۔

سیف الجبار وغیرہ میں ان کے مظالم بے شمار بیان فرمائے۔ کہ مکّہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں بے گناہوں کو بے دریغ قتل کیا۔ اور حرمین شریفین کے رہنے والوں کی عورتوں اور لڑکیوں سے زنا کیا۔ ان کو غلام بنایا ان کی عورتوں کو اپنی لونڈیاں۔ سادات کرام کو بہت قتل و غارت کیا۔ مسجد نبوی شریف کے تمام قالین اور جھاڑ و فانوس اٹھا کر نجد لے گئے۔ تمام صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی قبروں کو گرا کر زمین سے ملا دیا یہاں تک کہ یہ بھی ارادہ کیا کہ خاص گنبدِ خضرا جس کے گرد روزانہ صبح و شام ملائکہ صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اس کو بھی گرا دیا جائے۔ مگر جو شخص اس بُری نیت سے روضۂ پاک پر گیا۔ اس پر خدائے پاک نے ایک سانپ مقرر فرما دیا جس نے اس کو ہلاک کیا۔ اور رب العالمین نے اپنے نبی کی اس آخری آرامگاہ کو ان سے محفوظ رکھا۔ غرضکہ ان کے مظالم بے حد تکلیف دہ ہیں۔ جن کے بیان سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یزید نے اہل بیت کی دشمنی ان کی زندگی میں ہی کی۔ مگر تیرہ سو برس کے بعد صحابہ کرام اور اہلِ بیت عظام کو ان کی قبروں میں ستانا ان وہابیوں ہی کے ہاتھ سے ہوا۔ اب بھی جو کچھ ابن سعود نے حرمین شریفین میں کیا۔ وہ ہر حاجی پر روشن

ہے. مکہ مکرمہ میں مَیں نے خود اپنی آنکھوں . . . . سے دیکھا کہ کسی صحابی کی قبر شریف کا نشان بھی نہیں ملتا کہ کوئی فاتحہ بھی پڑھ لے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جائے ولادت میں مَیں نے ایک شامیانہ لگا ہؤا دیکھا جہاں کہ کتے اور گدھے بے تکلف پھر رہے تھے. اس جگہ پہلے ایک قبہ بنا ہؤا تھا جہاں لوگ جا کر نمازیں پڑھتے تھے. اور اُس کی زیارت کرتے تھے. یہ حضرت آمنہ خاتون کا مکان تھا. اور اسی جگہ اسلام کا آفتاب چمکا. مگر اب اُس کی یہ بے حرمتی کی گئی فالی اللہ المشتکیٰ ؀

یہ تو تھے عرب کے واقعات. لیکن ہم کو اس وقت ہندوستان سے گفتگو کرنی ہے. دہلی میں ایک شخص پیدا ہؤا جس کا نام تھا مولوی اسمٰعیل. اس نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا اُردو میں خلاصہ کیا. جس کا نام رکھا تقویۃ الایمان اور اُس کی ہندوستان میں اشاعت کی. وہابی انہیں شہید کہتے ہیں. کیونکہ یہ حضرت اِسی تقویۃ الایمان کی بدولت سرحدی پٹھانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے. دیکھو انوار آفتاب صداقت. مگر مشہور کیا کہ سکھوں کے ہاتھوں مرے. اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا ؀ وہ شہید لیلئے نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

اگر سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہوتے تو امرتسر یا مشرقی پنجاب کے کسی اور شہر میں مارے جاتے. کیونکہ یہ ہی جگہ سکھوں کا مرکز تھا. سرحد تو پٹھانوں کا ملک ہے وہاں یہ مارے گئے. معلوم ہؤا کہ انہیں مسلمانوں نے قتل کیا اور ان کی لاش بھی غائب کر دی. اسی لئے ان کی قبر ہی نہیں ؀

اسمٰعیل کے معتقدین دو گروہ بنے. ایک تو وہ جنہوں نے اماموں کی تقلید کا انکار کیا. جو غیر مقلد یا وہابی کہلاتے ہیں. دوسرے وہ جنہوں نے دیکھا کہ اس طرح اپنے کو ظاہر کرنے سے مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں. انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا. نماز و روزے میں ہماری طرح ہمارے سامنے آئے. اُن کو کہتے ہیں گلابی وہابی یا دیوبندی. بھلا میرے آقا و مولیٰ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تو دیکھو. کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہاں سے قَرْنُ الشَّیْطٰنِ یعنی شیطانی گروہ نکلے گا اُردو میں قَرْنُ الشَّیْطٰنِ کا ترجمہ ہے دیوبند. اُردو میں دیو کہتے ہیں شیطان کو اور بند بمعنی گروہ تابعدار. یا یہ اضافت مقلوبی ہے یعنی بندِ دیو شیطان کی جگہ یعنی . . . . لیکن ان دونوں فرقوں کے عقیدے بالکل ایک ہیں. اعمال میں کچھ ظاہری اختلاف ہے دونوں محمد ابن عبدالوہاب کو اچھا جانتے ہیں. اُس کے عقائد کے حامی. چنانچہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب التقلید صفحہ ۱۱۹ میں لکھتے ہیں:-

محمد ابن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی۔ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے اُن میں فساد آگیا ہے۔ اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی حنبلی ہے۔ رشید احمد

لیکن موجودہ زمانہ میں بمقابلہ غیر مقلدین کے زیادہ خطرناک دیوبندی ہیں۔ کیونکہ عام مسلمان ان کو پہچان نہیں سکتے۔ اِن لوگوں نے اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کی ایسی توہینیں کیں کہ کوئی کھلا ہوا مشرک بھی نہیں کر سکتا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کے پیشوا بنتے ہیں۔ اور اسلام کے اکیلے ٹھیکیدار ۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حفظ الایمان میں حضور علیہ السلام کے علم کو جانوروں کے علم کی طرح بتایا۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کا علم حضور حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتایا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے نمازیں حضور علیہ السلام کے خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر لکھا۔ مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ حضور علیہ السلام کے بعد اگر اور بھی نبی آجائیں تب بھی خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ خاتم کے معنی ہیں اصلی نبی۔ دیگر نبی ہیں نبی عارضی۔ یہ ہی مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا۔ کہ میں بروزی نبی ہوں۔ غرضکہ مرزا غلام احمد اس مسئلہ میں اُن کا شاگرد رشید ہوا ۔

اِن صاحبوں کے یہاں توحید کے معنی ہیں انبیاء کی توہین۔ جیسے کہ روافض کے یہاں حبّ علی کے معنی ہیں بغض صحابہ کرام۔ حالانکہ یہ توحید تو شیطانی توحید ہے۔ اُس نے حضرت آدم کی عظمت سے انکار کیا غیر خدا کے سامنے نہ جھکا۔ پھر جو اُس کا حشر ہوا وہ آج تک لوگ دیکھ رہے ہیں کہ ہر جگہ اُس کی لَاحَوْل سے تواضع کی جاتی ہے اسلامی توحید ہے اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا، اُس کے محبوبوں کی عزت و عظمت کرنا جس کی تعلیم ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پہلے جزو میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ دوسرے میں عظمت مصطفےٰ کا اظہار۔ آج کل جس جگہ بھی دیکھا گیا مسلمانوں میں اہل سنت اور دیوبندیوں میں جھگڑے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ خانہ جنگی ہے ہر کار خیر کو روکنے کی کوشش۔ کہیں علم غیب پر بحث ہے تو کہیں حضور علیہ السلام کے حاضر و ناظر ہونے پر تکرار۔ کہیں محفل میلاد و فاتحہ پر بحث کہیں مزارات اولیاء اللہ پر قبہ بنانے پر مناظرہ۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک مسائل میں اہل سنت نے اعلیٰ درجہ کی تصانیف شائع فرمائیں جیسے مسئلہ تقلید میں انتصار الحق

مصنفہ حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ علم غیب میں الکلمۃ العلیا مصنفہ حضرت صدر الافاضل استادی مرشدی مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی مدظلہٗ، تیجہ فاتحہ وغیرہ میں انوار ساطعہ مصنفہ حضرت مولانا عبد السمیع صاحب بیدل رامپوری اور مسئلہ حاضر و ناظر عرس و زیارت قبور و تمام مسائل میں تصنیفات اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ العزیز وغیرہ وغیرہ۔ مگر خیال یہ تھا کہ کوئی کتاب ایسی لکھی جائے جو کہ ان تمام بحثوں کی جامع ہو۔ جس کے پاس وہ کتاب ہو۔ وہ تقریباً ہر مسئلہ میں مخالف سے گفتگو کر سکے۔ اور مسلمانوں کے عقائد کو ان لوگوں سے بچا سکے۔ اس لئے میں نے حَسْبَۃً لِلّٰہِ اِس کام کی ہمت کی۔ ہمت تو کر دی مگر اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا مجھ کو پورا پورا احساس ہے۔ شروع کرنا میرا کام ہے اور اس کو اختتام پر پہنچانا میرے رب کے کرم پر موقوف ہے

میں اپنے محترم دوست جناب منشی احمد دین صاحب سیکرٹری انجمن خدام الصوفیہ گجرات کا تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے کہ اس کام میں میری پوری پوری امداد فرمائی۔ کہ اس کے چھپوانے کا انتظام فرما دیا۔ خدا تعالیٰ اُن کے مال و اولاد و ایمان میں برکتیں دے۔

اس کتاب میں ہر مسئلہ پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے۔ جن اصحاب کو زیادہ تفصیل منظور ہو تو وہ مسئلہ علم غیب میں الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں کہ ایسی کتاب اس مسئلہ میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ اسی طرح دیگر مباحث میں اعلیحضرت بریلوی قدس سرہٗ العزیز کی تصنیفات کا مطالعہ کریں۔

ھدایات

اِس کتاب میں حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے :-

(۱) اپنے دعویٰ کی وضاحت۔

(۲) اُس کے دلائل قرآن و حدیث اور بزرگان دین، محدثین و مفسرین کے اقوال سے۔

(۳) اُس کی تائید مخالفین کی کتابوں سے۔

(۴) مخالفین کے اعتراضات آیات قرآنیہ اور احادیث و اقوال فقہاء سے۔

(۵) اعتراضات کے جوابات قرآن و احادیث و اقوالِ علماء کی روشنی میں۔

(۶) اپنے دعوے کے عقلی دلائل۔

(۷) مخالفین کے عقلی اعتراضات۔

(۸) اُن کے عقلی جوابات ۔

(۹) اِس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ حتّی الامکان کتابوں کا صفحہ نہ نقل کیا جائے کیونکہ صفحے بدل جاتے ہیں بلکہ باب اور فصل۔ اور اگر تفسیر کا حوالہ ہو تو پارہ، سورۃ اور آیت ۔

ناظرین اگر غور سے اِس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو اِن شآءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اس کو ایک سمندر پائیں گے جس سے بیش قیمت موتی حاصل ہوں گے۔ اِس کتاب میں سخت الفاظی اور کج بحثی سے پرہیز کیا گیا ہے اہلِ انصاف سے اُمّید ہے کہ حق قبول کریں اور باطل سے بچیں۔ کہ اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ۔

اِس کتاب کا نام حضرت قبلہ عالم امیرِ ملّت شیخ المشائخ قطب الوقت عالمِ ربّانی پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری مدظلہٗ العالی دوامت برکاتہم القدسیہ نے جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ تجویز فرمایا ہے۔ مَیں نہایت فخر سے اس کتاب کو اسی نام سے موسوم کرتا ہوں اور اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو اسم بامسمّٰے فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے۔ میرے لئے کفارۂ سیّات بنائے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین ۔

نوٹ ضروری۔ مسلمانوں کا اصرار ہُوا کہ اس کتاب میں تین مباحث اور زیادہ کیے جائیں:۔ سلطنتِ[۱] مصطفٰے، عصمتِ[۲] انبیاء، بیس رکعت[۳] تراویح۔ چنانچہ اس سے پہلے ایڈیشن میں یہ تین بحثیں بڑھادی گئیں۔ اور بھی دلائل کی زیادتی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ۔

ناچیز احمد یار خاں اوجھانوی بدایونی

مدرس مدرسہ خدام الرسول گجرات پنجاب

۳ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ روز ایمان افروز شنبہ مبارکہ

اِس ایڈیشن میں مضامین اور دلائل بہت سے زیادہ کیے گئے اور ایک رسالہ تلافی الادلۃ فی حکم الطلاق الثلٰثہ بڑھایا گیا۔ جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہونگی نہ کہ ایک۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے ۔

احمد یار خاں نعیمی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ



چونکہ اس کتاب میں ہر مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات پیش کی جاویں گی۔ اور ان آیات کی تفسیر بھی بیان ہو گی۔ اس لئے تفسیر قرآن کے متعلق حسب ذیل باتیں لحاظ میں رکھنا ضروری ہیں :-

ایک تو ہے قرآن کی تفسیر۔ دوسری قرآن کی تاویل۔ تیسری قرآن کی تحریف۔ ان کی علیحدہ علیحدہ تعریفیں ہیں اور علیحدہ علیحدہ احکام ؞

(۱) قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے۔ بلکہ اس کے لئے نقل کی ضرورت ہے۔ قرآن کی جائز تاویل اپنے علم و معرفت سے کرنا جائز اور باعث ثواب ہے۔ قرآن پاک کی تحریف کرنا کفر ہے ؞

تفسیر اُسے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے وہ احوال بیان کرنا جو کہ عقل سے معلوم نہ ہو سکیں۔ نقل کی اُن میں ضرورت ہو۔ جیسے آیات کا شان نزول یا آیات کا ناسخ و منسوخ ہونا۔ اگر کوئی شخص بغیر حوالہ نقل اپنی رائے سے کہدے کہ فلاں آیت منسوخ ہے یا فلاں آیت کا یہ شان نزول ہے تو یہ معتبر نہیں۔ اور کہنے والا گنہگار ہے ؞

(۱) مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں ہے مَنۡ قَالَ فِی الۡقُرۡاٰنِ بِرَاۡیِهٖ فَلۡیَتَبَوَّءۡ مَقۡعَدَهٗ مِنَ النَّارِ جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنائے۔ مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے مَنۡ قَالَ فِی الۡقُرۡاٰنِ بِرَاۡیِهٖ فَاَصَابَ فَقَدۡ اَخۡطَاَ جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا پس صحیح کہہ گیا تو بھی اس نے غلطی کی ؞

اب تفسیر قرآن کے چند مرتبے ہیں۔ تفسیر قرآن بالقرآن۔ یہ سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد تفسیر قرآن بالاحادیث۔ کیونکہ حضور علیہ السلام صاحب قرآن ہیں۔ ان کی تفسیر قرآن نہایت ہی اعلیٰ۔ پھر قرآن کی تفسیر صحابہ کرام کے قول سے خصوصاً فقہاء صحابہ اور خلفائے راشدین کی تفسیر ؞

رہی تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین کے قول سے۔ یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر ماخذ از اعلاء کلمۃ اللہ العلامہ گولڑوی قدس سرہٗ ؞

(۲) تاویلِ قرآن یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے مضامین اور اس کی باریکیاں بیان کرے اور صرفی و نحوی قواعد سے اس میں طرح طرح سے نکات نکالے۔ یہ اہلِ علم کے لئے جائز ہے۔ ان میں نقل کی ضرورت نہیں۔ اس کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ و اقوالِ فقہا سے ہے ؛

رب کریم فرماتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۵ پارہ ۵ سورۃ نساء۔ تو کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اگر یہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے ؛

تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ماتحت یَتَدَبَّرُوْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں یَتَاَمَّلُوْنَ وَ یَتَبَصَّرُوْنَ مَا فِیْہِ یعنی کیوں نہیں غور کرتے اس کے معنے میں اور کیوں نہیں عقل سے دیکھتے۔ اُن خوبیوں کو جو قرآن میں ہیں ؛

مشکوٰۃ کتاب القصاص فصل اوّل میں ہے کہ کسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے سوا کچھ اور بھی عطیۂ مصطفٰے ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ تو فرمایا کہ مَا عِنْدَنَا اِلَّا مَا فِی الْقُرْاٰنِ اِلَّا فَہْمًا یُعْطٰی رَجُلٌ فِیْ کِتَابِہٖ ہمارے پاس اس قرآن کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہاں وہ علم و فہم ہے جو کسی کو کتاب الٰہی کے متعلق عطا کر دی جاتی ہے ؛

اسی حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے وَالْمُرَادُ مِنْہُ مَا یُسْتَنْبَطُ بِہِ الْمَعَانِیْ وَیُدْرَکُ بِہِ الْاِشَارَاتُ وَالْعُلُوْمُ الْخَفِیَّۃُ اس فہم سے مراد وہ علم ہے جس سے قرآن کے معنے مستنبط کئے جائیں اور جس سے اشارات معلوم ہوں اور چھپے ہوئے علوم کا پتہ لگے ؛

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآنی معنے میں غور کرنا اور علم و عقل سے کام لینا اس سے مسائل کا استنباط کرنا جائز ہے۔ ہر جگہ نقل کی ضرورت نہیں ؛

جمل حاشیہ جلالین میں ہے اَصْلُ التَّفْسِیْرِ الْکَشْفُ وَاَصْلُ التَّاوِیْلِ الرُّجُوْعُ وَعِلْمُ التَّفْسِیْرِ عِلْمٌ عَنْ اَحْوَالِ الْقُرْاٰنِ مِنْ حَیْثُ دَلَالَتِہٖ عَلٰی مُرَادِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِحَسْبِ الطَّاقَۃِ الْبَشَرِیَّۃِ ثُمَّ ھُوَ قِسْمَانِ تَفْسِیْرٌ وَھُوَ مَا لَا یُدْرَکُ اِلَّا بِالنَّقْلِ کَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَتَاوِیْلٌ وَھُوَ مَا یُمْکِنُ اِدْرَاکُہٗ بِالْقَوَاعِدِ الْعَرَبِیَّۃِ فَھُوَ مِمَّا یَتَعَلَّقُ بِالدِّرَایَۃِ وَالسِّرُّ فِیْ جَوَازِ التَّاوِیْلِ بِالرَّاْیِ بِشُرُوْطِہٖ دُوْنَ التَّفْسِیْرِ اَنَّ التَّفْسِیْرَ کَشَھَادَۃٍ عَلَی اللّٰہِ قَطْعٌ بِاَنَّہٗ

عَنّٰى بِهٰذَا اللَّفْظِ هٰذَا الْمَعْنٰى وَلَا يَجُوْزُ اِلَّا بِتَوْقِيْفٍ وَلِذَا جَزَمَ الْحَاكِمُ بِاَنَّ تَفْسِيْرَ الصَّحَابِىِّ فِىْ حُكْمِ الْمَرْفُوْعِ وَالتَّاوِيْلُ تَرْجِيْحٌ لِاَحَدِ الْمُحْتَمَلَاتِ بِلَا قَطْعٍ تفسیر کے لغوی معنے ہیں ظاہر کرنا اور تاویل کے معنے ہیں لوٹنا اور علم تفسیر قرآن پاک کے اُن حالات کا جاننا ہے جو اللہ کی مراد کو بتائیں۔ طاقت انسانی کے مطابق۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو تفسیر اور تفسیر وہ ہے جو نقل کے بغیر نہ معلوم ہو سکے۔ اور ایک تاویل۔ اور تاویل وہ ہے جس کو عربی قاعدوں سے معلوم کر سکیں۔ پس تاویل کا تعلق فہم سے ہے۔ اور تاویل کے رائے سے جائز ہونے میں اور تفسیر کے رائے سے ناجائز ہونے میں راز یہ ہے۔ کہ تفسیر تو خدائے پاک پر گواہی دینا ہے۔ اور اُس کا یقین کرنا ہے۔ کہ رب تعالےٰ نے اِس کلمہ سے یہ ہی معنے مراد لئے ہیں۔ اور یہ بغیر بتائے جائز نہیں۔ اسی لئے حاکم نے فیصلہ کر دیا کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ اور تاویل چند احتمالات میں سے بعض کو ترجیح دے دینے کا نام ہے۔ وہ بھی بلا یقین ؁

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں مَنْ قَالَ فِى الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ کے ماتحت فرماتے ہیں اَىْ تَكَلَّمَ فِىْ مَعْنَاهُ اَوْ فِىْ قِرَاءَتِهٖ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ مِنْ غَيْرِ تَتَبُّعِ اَقْوَالِ الْاَئِمَّةِ مِنْ اَهْلِ اللُّغَةِ وَالْعَرَبِيَّةِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ بَلْ بِحَسْبِ مَا يَقْتَضِيْهِ عَقْلُهٗ وَهُوَ مِمَّا يَتَوَقَّفُ عَلَى النَّقْلِ كَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَالنَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے۔ کہ قرآن کے معنے یا اس کی قرأت میں اپنی طرف سے کلام کرے۔ لغت اور زبان جاننے والے اماموں کے قول کی تلاش نہ کرے، شرعی قاعدوں کا لحاظ نہ رکھے بلکہ اس طرح کہدے جس کو اُس کی عقل چاہے حالانکہ یہ معنے ایسے ہوں کہ جن کا سمجھنا نقل پر موقوف ہو۔ جیسے کہ شان نزول اور ناسخ و منسوخ ؁

ترمذی جلد دوم کتاب التفسیر کے شروع میں ہے وَهٰكَذَا رُوِىَ عَنْ بَعْضِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِىِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَغَيْرِهِمْ اَنَّهُمْ شَدَّدُوْا فِىْ هٰذَا فِىْ اَنْ يُّفَسَّرَ الْقُرْاٰنُ بِغَيْرِ عِلْمٍ بعض اہل علم صحابہ کرام وغیرہ سے یہی روایت ہے کہ وہ حضرات اس میں بہت سختی کرتے تھے کہ قرآن کی تفسیر بغیر علم کی جائے ؁

اِس حدیث کے حاشیہ میں مجمع البحار سے نقل فرمایا لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّرَادَ اَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ اَحَدٌ فِى الْقُرْاٰنِ اِلَّا بِمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّ الصَّحَابَةَ قَدْ فَسَّرُوْا وَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ عَلٰى وُجُوْهٍ وَلَيْسَ كُلُّ مَا قَالُوْهُ سَمِعُوْهُ مِنْهُ وَلِاَنَّهٗ لَا يُفِيْدُ حِ دُعَاءَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِىْ

الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاوِیْلَ یہ تو جائز نہیں. کہ اِس عبارت کی یہ مراد ہو. کہ کوئی بھی قرآن میں بغیر سُنے ہوئے کچھ کلام الٰہی نہ کرے. کیونکہ صحابہ کرام نے قرآن کی تفسیریں کیں اور آپس میں بہت طرح اُن میں اختلاف رہا. اور اُن کی ہر بات تو سُنی ہوئی نہ تھی. نیز پھر حضور علیہ السلام کا یہ دعا فرمانا بیکار ہوگا. کہ اے اللہ ان کو دینی فقہ دے. اور ان کو تاویل سکھادے۔

نیز حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم باب ہشتم میں فصل چہارم اس مقصد کے لئے مقرر کی ہے کہ قرآن کا سمجھنا بغیر نقل بھی جائز ہے. وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے ایک ظاہری معنے ہیں اور ایک باطنی علماء ظاہری معنے کی تحقیق کرتے ہیں اور صوفیائے کرام باطنی کی. حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مَیں چاہوں تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ۷۰ اُونٹ بھر دوں. نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص قرآن سمجھ لیتا ہے وہ تمامی علوم کو بیان کر سکتا ہے. پھر جو حدیث میں یہ آیا. کہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن میں کہے وہ خطا کار ہے. اس کا مطلب یہ ہی ہے. کہ جن باتوں کا علم بغیر نقل نہیں ہو سکتا. اُن کو رائے سے بیان کرنا حرام ہے. دیکھو اس کی پوری بحث احیاء العلوم شریف کے اسی باب اسی فصل میں

نیز آئمہ دین کا قرآنی آیات میں بڑا اختلاف رہتا ہے. ایک صاحب کسی جگہ وقف کرتے ہیں. تو دوسرے اور جگہ. ایک صاحب اُسی ایک آیت سے ایک مسئلہ نکالتے ہیں. دوسرے صاحب اُس کے خلاف. جیسے کہ تہمتِ زنا لگانے والے کی گواہی، تشابہات کا علم وغیرہ. تو اگر آپ اپنے علم سے کلام الٰہی میں بالکل کلام نہیں کر سکتے. ہر ہر بات کے لئے نقل کی ضرورت ہے تو یہ اختلاف کیسا؟

(۳) تحریف یہ ہے کہ قرآن کے ایسے معنے یا مطلب بیان کرے جو کہ اجماعِ اُمّت یا عقیدہ اسلامیہ یا اجماعِ مفسّرین کے خلاف ہو. یا خود تفسیر قرآن کے خلاف ہو. اور کہے کہ اس آیت کے وہ معنی نہیں ہیں بلکہ یہ معنے ہیں کہ جو مَیں نے کہے. یہ صریح کفر ہے. جیسے کہ آیاتِ قرآنیہ اور قرأت متواترہ کا انکار کفر ہے ایسے ہی قرآن کے متواتر معنے کا انکار کفر. جیسے کہ مولوی قاسم صاحب نے خاتم النبیین کے معنے کئے اصلی نبی. اور معنی آخری نبی کو خیالِ عوام یعنی غلط کہا. اور نبوت کی دو قسمیں کر ڈالیں. اصلی اور عارضی. حالانکہ اُمّت کا اجماع اور احادیث کا اتفاق اس پر ہے. کہ خاتم النبیین کے معنے ہیں آخری نبی. اور حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یا بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا. یہ تحریف ہے. اسی طرح قرآن کی جن آیتوں میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت کی گئی ہے. وہاں مفسّرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد غیر خدا کو پوجنا ہے

جیسے وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ خدا کے سوا ان کو نہ پکارو جو نفع نقصان نہ پہنچا سکیں۔

نیز قرآن کریم خود اس کی تفسیر فرماتا ہے وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ جو شخص خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے۔

اب اس تفسیر اور اجماع مفسرین کے ہوتے ہوئے جو کہے کہ غیر اللہ کو پکارنا منع ہے وہ قرآن میں تحریف کرتا ہے۔ اس بحث کو خوب اچھی طرح خیال میں رکھنا چاہئے بہت فائدہ مند ہے اور آئندہ کام آئے گی۔

تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں۔ (۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں۔ (۲) تقلید کونسی ضروری ہے اور کونسی منع (۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں (۴) تقلید کے واجب ہونیکے دلائل (۵) تقلید پر اعتراضات اور ان کے مکمل جوابات۔ اسلئے اس بحث کے پانچ باب کئے جاتے ہیں

باب اوّل تقلید کے معنی اور اس کے اقسام میں

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی۔ دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں قلادہ در گردن بستن گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنے یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب متابعت رسول اللہ علیہ السلام میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المنار سے نقل کیا اَلتَّقْلِیْدُ اِتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَیْرَہٗ فِیْمَا سَمِعَہٗ یَقُوْلُ اَوْ فِیْ فِعْلِہٖ عَلٰی زَعْمِ اَنَّہٗ مُحِقٌّ بِلَا نَظْرٍ فِی الدَّلِیْلِ یہ ہی عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔ تقلید کے معنے ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اس کو کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے بغیر دلیل میں نظر کئے ہوئے۔ نیز امام غزالی کتاب المستصفٰی جلد دوم صفحہ ۳۸۷ میں فرماتے ہیں اَلتَّقْلِیْدُ ھُوَ قَبُوْلُ قَوْلٍ بِلَا حُجَّۃٍ۔ مسلم الثبوت میں ہے اَلتَّقْلِیْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَیْرِ مِنْ غَیْرِ حُجَّۃٍ ترجمہ وہ ہی جو اوپر

بیان ہوا۔ اِس تعریف سے معلوم ہوا۔ کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے۔ تقلید میں ہوتا ہے دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہٰذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُمتی کہلائیں گے نہ کہ مقلّد۔ اسی طرح صحابہ کرام و آئمہ دین حضور علیہ السلام کے اُمتی ہیں نہ کہ مقلّد۔ اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اُس کو بھی تقلید نہ کہا جائیگا کیونکہ کوئی بھی اِن عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر اُن کی بات مانتا ہے۔ کہ یہ مولوی آدمی ہیں۔ کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہونگے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا، کتاب کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابوحنیفہ کے۔ کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماعِ اُمّت کو دیکھ کر مسئلہ فرمادیں تو بھی قبول۔ اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا۔ یہ فرق ضرور یاد رہے!

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے نماز حج زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں آئمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اور تقلید غیر شرعی ہے دنیادی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا۔ جیسے طبیب لوگ علمِ طب میں بوعلی سینا کی اور شاعر لوگ داغ امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی وصرفی لوگ سیبویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں۔ اِسی طرح ہر پیشہ ور اپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیادی ہے*

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں تقلید نہیں۔ ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے*

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اور اگر خلافِ اسلام نہ ہو تو جائز ہے۔ بوڑھی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی غمی کی اُن رسموں کی پابندی کریں جو خلافِ شریعت ہیں تو حرام ہے۔ اور طبیب لوگ جو طبّی مسائل میں بوعلی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالفِ اسلام نہ ہوں تو جائز ہے۔ اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے۔ اور ایسی تقلید کرنیوالوں کی برائی فرماتا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا اور اُس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا۔ اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا۔ اور اُس کا کام حد سے گذر گیا۔ وَاِنْ

جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرا، اس کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ اور جب ان سے کہا جاوے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانیں اور نہ راہ پر ہوں وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اتارے ہوئے پر چلو تو کہیں گے بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ۔

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے۔ جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ دادوں کے حرام کاموں میں کی جاوے۔ کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کرینگے۔ چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز ۔ رہی شرعی تقلید اور آئمہ دین کی اطاعت۔ اس سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں۔ ان آیتوں سے تقلید آئمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بے دینی ہے۔ اس کا بہت خیال رہے ۔



کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے۔ شرعی مسائل تین طرح کے ہیں (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحۃً قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں۔ اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں ۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آخر سورۂ ہود زیر آیت نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ میں ہے وَفِي الْاٰيَةِ ذَمُّ التَّقْلِيْدِ وَهُوَ قَبُوْلُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيْلٍ وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْفُرُوْعِ وَالْعَمَلِيَاتِ وَلَا يَجُوْزُ فِيْ اُصُوْلِ الدِّيْنِ وَالْاِعْتِقَادِيَاتِ بَلْ لَا بُدَّ مِنَ النَّظْرِ وَالْاِسْتِدْلَالِ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی۔ تو یہ نہ کہا جاویگا کہ حضرت امام ابو حنیفہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمانے سے یا کہ فقہ اکبر سے بلکہ دلائل توحید و رسالت سے کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ شامی بحث تقلید المفضول مع الافضل میں ہے (عَنْ مُعْتَقَدِنَا) اَیْ عَمَّا نَعْتَقِدُہٗ مِنْ غَیْرِ الْمَسَائِلِ الْفَرْعِیَّۃِ مِمَّا یَجِبُ اِعْتِقَادُہٗ عَلٰی کُلِّ مُکَلَّفٍ بِلَا تَقْلِیْدٍ لِاَحَدٍ وَّ ھُوَ مَا عَلَیْہِ اَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ وَھُمُ الْاَشَاعِرَۃُ وَالْمَاتُرِیْدِیَّۃُ یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں فرعی مسائل کے علاوہ کہ جن کا اعتقاد رکھنا ہر مکلف پر بغیر کسی کی تقلید کے واجب ہے وہ عقائد وہ ہی ہیں جن پر اہل سنت والجماعت ہیں۔ وہ اہل سنت اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں۔ نیز تفسیر کبیر پارہ دس زیر آیت فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ میں ہے ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ التَّقْلِیْدَ غَیْرُ کَافٍ فِی الدِّیْنِ وَاَنَّہٗ لَابُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالْاِسْتِدْلَالِ ۰ صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں، نماز کی رکعتیں، تیس روزے روزے میں کھانا پینا حرام ہونا۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحۃً ہے۔ اس لئے یہ نہ کہا جائیگا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں یا روزے ایک ماہ کے اس لئے ہیں کہ فقہ اکبر میں لکھا ہے یا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ بلکہ اس کے لئے قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے :

جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع اُمت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔ مسائل کی جو ہم نے تقسیم کر دی اور بتا دیا کہ کون سے مسائل تقلیدیہ ہیں اور کون سے نہیں۔ اس کا بہت لحاظ رہے۔ بعض موقعہ پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق نہیں ہوتا کہ دلائل سے مسائل نکالے۔ پھر تم لوگ نماز و روزے کے لئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب بھی اس امر میں آ گیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے احکام خبر وغیرہ میں تقلید نہ ہو گی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر یزید وغیرہ۔ نیز قیاسی مسائل میں فقہا کا قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کے لئے ہوتا ہے۔ وہ مسائل پہلے ہی سے قول امام سے ملنے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں۔ بلکہ یہ کہ دلائل سے مسائل حل نہ کرے :

تیسرا باب

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مکلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد۔ دوسرے غیر مجتہد مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر

علمی لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز سمجھ سکے۔ اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے۔ اس سے مسائل نکال سکے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و نحو و بلاغت وغیرہ میں اس کو پوری مہارت حاصل ہو۔ احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو۔ دیکھو تفسیرات احمدیہ وغیرہ۔ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں۔ (۱) مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد فی المذہب۔ مجتہد فی المسائل (۴) اصحاب التخریج (۵) اصحاب الترجیح (۶) اصحاب التمیز (مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)

(۱) مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابوحنیفہ۔ شافعی۔ مالک۔ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین

(۲) مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں۔ اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف و محمد و ابن مبارک رحمہم اللہ اجمعین۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد

(۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن کے متعلق آئمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام طحاوی اور قاضی خان، شمس الائمہ سرخسی وغیرہم

(۴) اصحاب تخریج وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے۔ ہاں آئمہ میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں۔ جیسے امام کرخی وغیرہ

(۵) اصحاب ترجیح وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں سے کس کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو۔ تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہٰذا اولیٰ یا ہٰذا اصح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ

(۶) اصحاب تمیز وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقوی میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور

معتبر قول کو لیں. جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب دُرِّ مختار وغیرہ ٭

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں. وہ مقلّد محض ہیں. جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے. کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتا دیں ٭

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے. تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب جس درجہ کے مجتہد ہوں گے وہ اس درجہ میں کسی کی تقلید نہ کرینگے. اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے. جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ. کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مقلّد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں. اس لئے ان میں مقلّد نہیں ٭

ہماری اس تقریر سے غیر مقلّدوں کا یہ سوال بھی اُٹھ گیا. کہ جب امام ابو یوسف و محمد علیہما الرحمتہ حنفی ہیں اور مقلّد ہیں. تو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں. تو یہ ہی کہا جاویگا کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلّد ہیں. اُس میں مخالفت نہیں کرتے. اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں. اُس میں خود مجتہد ہیں. وہ کسی کے مقلّد نہیں ٭

یہ سوال بھی اُٹھ گیا. کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو. اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب آگیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کو اُن فقہاء کا ترجیح دیا ہوا جو قول ملا اُس پر فتویٰ دیا گیا ٭

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو. یوسفی یا محمدّی یا ابن مبارکی کہو؟ کیونکہ بہت سی جگہ تم اُن کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابو حنیفہ کا قول چھوڑ کر. جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد و ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابو حنیفہ علیہ الرحمتہ کے اصول اور قوانین پر مبنے ہیں. لہٰذا اُن میں سے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے. جیسے حدیث پر عمل در حقیقت قرآن پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے. مثلاً امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاوے. تو وہ ہی میرا مذہب ہے. اب اگر کوئی مجتہد فی المذہب کوئی صحیح حدیث پا کر اُس پر عمل کرے تو وہ اُس سے غیر مقلّد نہ ہوگا بلکہ حنفی ہی رہیگا. کیونکہ اُس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا. یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شامی مطلب صَحَّ عَنِ الْاِمَامِ اِذَا صَحَّ

اَلْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب بنی یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں مَیں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے. تب اُسے اختیار کیا. چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی تھی. مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا ؛

اگر یہ مختصر سی تقریر خیال میں رکھی گئی. تو بہت مشکلوں کو انشاء اللہ حل کر دیگی اور بہت کام آدیگی

بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے لہٰذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے. اس کے لئے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں. صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لئے کس قدر علم کی ضرورت ہے. اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں ؛

حضرت امام رازی، امام غزالی وغیرہ امام ترمذی و امام داؤد وغیرہ حضور غوث پاک. حضرت بایزید بسطامی، شاہ بہاء الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گذرے کہ ان پر اہل اسلام جس قدر بھی فخر کریں کم ہے مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے. خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں یا امام ابو حنیفہ کے رضی اللہ عنہم اجمعین. زمانہ موجودہ میں کون اُن کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہد بننے کے لئے کافی نہ ہوا. تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں ؛

ایک صاحب نے دعوئی اجتہاد کیا تھا. مَیں نے اُن سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۂ تکاثر سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں. اور اس میں حقیقت، مجاز، صریح و کنایہ ظاہر و نص کتنے ہیں. اُن بے چارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سُنے تھے ؛



چوتھا باب

تقلید واجب ہونے کے دلائل میں

اِس باب میں ہم دو فصلیں لکھتے ہیں. پہلی فصل میں تو مطلق تقلید کے دلائل ہیں. دوسری میں تقلید شخصی کے دلائل.

فصل اوّل. تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور عملِ اُمت اور اقوال مفسرین

سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے ؛

(۱) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سورہ فاتحہ۔ ہم کو سیدھا راستہ چلا، اُن کا راستہ جن پر تُو نے احسان کیا ؛

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں۔ اور تمام مفسّرین محدثین، فقہاء، اولیاء اللہ، غوث و قطب و ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلّد گذرے لہٰذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدّث و مفسّر، ولی غیر مقلّد نہ گذرا۔ غیر مقلّد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔ پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو کر تقلید نہ کرے وہ غیر مقلّد نہیں۔ کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے ؛

(۲) لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا سورہ بقر، اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اُس کی طاقت بھر۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اُس سے تقلید نہ کرانا اور اُس سے استنباط کرانا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے۔ جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں۔ تو بے علم پر مسائل استنباط کرنا کیونکر ضروری ہوگا ؛

(۳) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اور سب میں اگلے پچھلے مہاجر و انصار اور جو بھلائی کے ساتھ اُن کے پیرو ہوئے اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ؛

معلوم ہوا کہ اللہ اُن سے راضی ہے جو مہاجرین اور انصار کی اتباع یعنی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بھی تقلید ہوئی ۰

(۴) اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں ؛

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن) رسول علیہ السلام کی (احادیث) امر والوں کی (فقہ و استنباط کے علماء) مگر کلمہ اطیعوا دو جگہ لایا گیا۔ اللہ کے لئے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لئے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اُس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائیگی نہ کہ اُس کے فعل میں اور نہ اُس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روزی دیتا ہے کبھی اُن کو ظاہری فتح

دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں. مگر اُن کو فوراً عذاب نہیں بھیجتا. ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں بخلاف نبی علیہ السلام و امام مجتہد کے. کہ اُن کا ہر حکم اُن کا ہر کام اور اُن کا کسی کو کچھ کام کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا. تینوں چیزوں میں پیروی کی جاوے گی. اس فرق کی وجہ سے دو جگہ اَطِیْعُوْا بولا. اگر کوئی کہے. کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے. تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاوے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں. اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا. حکم تو اصل میں فقیہ کا ہوتا ہے. اسلامی سلطان محض اُس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے. تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم عالم مجتہد لہٰذا نتیجہ وہ ہی نکلا. کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوئے. اور اگر بادشاہ اسلامی بھی مراد لو. جب بھی تقلید تو ثابت ہو ہی گئی. عالم کی نہ ہوئی. بادشاہ کی ہوئی ؂

یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے ؂

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں صراحۃً قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جاوے تو اُس کی عدت چار ماہ دس دن ہے. اُن کے لئے حکم ہوا اَطِیْعُوا اللّٰہَ دوسرے وہ جو صراحۃً حدیث سے ثابت ہیں. جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لئے فرمایا گیا وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ. تیسرے وہ جو نہ تو صراحۃً قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ عورت سے اغلام کرنے کی حرمت قطعی اسکے لئے فرمایا گیا اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ تین طرح کے احکام اور تین حکم ؂

(۵) فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ اہل علم سے دریافت کرے. وہ اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو مجتہدین سے دریافت کئے جائیں گے. بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں. اس لئے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں. اور پوچھنے کی وجہ سے نہ جاننا. تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں. اُس کا پوچھنا لازم ہے ؂

(۶) وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ اور اُس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا ؂

اِس آیت سے بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے۔ یہ حکم بھی عام ہے۔ کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں ٭

(۷) وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا ٭

اِس آیت کی تفسیر میں تفسیر معالم التنزیل میں ہے فَنَقْتَدِیْ بِالْمُتَّقِیْنَ وَیَقْتَدِیْ بِنَا الْمُتَّقُوْنَ ۝ ہم پرہیزگاروں کی پیروی کریں اور پرہیزگار ہماری پیروی کریں ٭

اِس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور اُن کی تقلید ضروری ہے ٭

(۸) فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ طَائِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ ۝ تو کیوں نہ ہوا کہ اُن کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔ اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اِس امید پر کہ وہ بچیں ٭

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر مجتہد بننا ضروری نہیں۔ بلکہ بعض تو فقیہ بنیں اور بعض دوسروں کی تقلید کریں ٭

(۹) وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ اور اگر اس میں رسول اور امر والے لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور اُن میں سے اُس کی حقیقت جان لیتے وہ جو استنباط کرتے ہیں ٭

اِس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ احادیث اور اخبار اور قرآنی آیات کو پہلے استنباط کرنے والے علماء کے سامنے پیش کرے۔ پھر جس طرح وہ فرمادیں اُس پر عمل کرے۔ خبر سے بڑھ کر قرآن و حدیث ہے۔ لہٰذا اس کا مجتہد پر پیش کرنا ضروری ہے ٭

(۱۰) یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ جس دن ہر جماعت کو اُس کے امام کے ساتھ بلائیں گے اس کی تفسیر میں تفسیر روح البیان میں ہے اَوْ مُقَدَّمٍ فِی الدِّیْنِ فَیُقَالُ یَا حَنَفِیُّ یَا شَافِعِیُّ یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاویگا کہ اے حنفی اے شافعی ! ٭

اِس سے معلوم ہوا۔ کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اُس کے امام کے ساتھ بلایا جاوے گا۔ یوں کہا

جاویگا کہ اے حنفیو اے شافعیو اے مالکیو چلو! تو جس نے امام ہی نہ پکڑا۔ اُس کو کس کے ساتھ بلایا جائیگا اس کے بارے میں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی امام نہیں۔ اُس کا امام شیطان ہے ؏

(۱۱) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ یعنی جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسا یہ مخلص مومن ایمان لائے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لائے ؏

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہ ہی معتبر ہے جو صالحین کا سا ہو۔ تو مذہب بھی وہ ہی ٹھیک ہے جو نیک بندوں کی طرح ہو۔ اور وہ تقلید ہے ؏

اقوال مفسرین و محدثین

دارمی باب الاقتداء بالعلماء میں ہے أَخْبَرَنَا يَعْلَى قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ وَ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ قَالُوا أُولُوا الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ خبر دی ہم کو یعلیٰ نے انہوں نے کہا کہ مجھ سے کہا عبد المالک نے اُنہوں نے عطا سے روایت کی کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی۔ فرمایا عطا نے کہ اولو الامر علم اور فقہ والے حضرات ہیں ؏

تفسیر خازن زیر آیت فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ فَاسْئَلُوا الْمُؤْمِنِينَ الْعٰلِمِينَ مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ تم ان سے پوچھو جو مومن ہیں اور قرآن جاننے والے علماء ہیں ؏

تفسیر درمنثور میں اسی آیت فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ کی تفسیر میں ہے أَخْرَجَ ابْنُ مَرْدُوَيْهِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الرَّجُلَ يُصَلِّي وَيَصُومُ وَ يَحُجُّ وَيَغْزُو وَإِنَّهُ لَمُنَافِقٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ بِمَاذَا دَخَلَ عَلَيْهِ النِّفَاقُ قَالَ لِطَعْنِهِ عَلَى إِمَامِهِ وَإِمَامُهُ مَنْ قَالَ قَالَ اللهُ فِي كِتَابِهِ فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سُنا کہ فرماتے تھے کہ بعض شخص نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج اور جہاد کرتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہوتے ہیں عرض کی کہ یا رسول اللہ کس وجہ سے اُن میں نفاق آگیا۔ فرمایا کہ اپنے امام پر طعنہ کرنے کی وجہ سے۔ امام کون ہے۔ فرمایا کہ رب نے فرمایا فَاسْئَلُوا الآیۃ ؏

تفسیر صاوی سورہ کہف وَاذْکُرْ رَبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ کی تفسیر میں ہے وَلَا یَجُوْزُ تَقْلِیْدُ مَاعَدَ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَلَوْ وَافَقَ قَوْلَ الصَّحَابَةِ وَالْحَدِیْثَ الصَّحِیْحَ وَالْاٰیَةَ فَالْخَارِجُ عَنِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ ضَالٌّ مُضِلٌّ وَرُبَّمَا اَدَّاهُ ذٰلِکَ لِلْکُفْرِ لِاَنَّ الْاَخْذَ بِظَوَاهِرِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ اُصُوْلِ الْکُفْرِ یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں. اگرچہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو. جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے. کیونکہ حدیث و قرآن کے محض ظاہری معنے لینا کفر کی جڑ ہے ؛

احادیث - مسلم جلد اول صفحہ ۵۴ باب بیان اِنَّ الدِّیْنَ النَّصِیْحَةُ میں ہے عَنْ تَمِیْمِ الدَّارِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِکِتَابِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِهِمْ تمیم داری سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے اماموں کی اور عام مومنین کی ؛

اس حدیث کی شرح میں نووی میں ہے وَقَدْ یَتَنَاوَلُ ذٰلِکَ عَلَی الْاَئِمَّةِ الَّذِیْنَ هُمْ عُلَمَاءُ الدِّیْنِ وَاِنَّ مِنْ نَصِیْحَتِهِمْ قَبُوْلُ مَا رَوَوْهُ وَتَقْلِیْدُهُمْ فِی الْاَحْکَامِ وَاِحْسَانُ الظَّنِّ بِهِمْ یہ حدیث ان اماموں کو بھی شامل ہے جو علمائے دین ہیں اور علماء کی خیر خواہی سے ہے. ان کی روایت کی ہوئی احادیث کا قبول کرنا اور ان کے احکام میں تقلید کرنا اور ان کے ساتھ نیک گمان کرنا ؛

دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ میں بحوالہ مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ اَتَاکُمْ وَ اَمْرُکُمْ جَمِیْعٌ عَلٰی رَجُلٍ وَّاحِدٍ یُرِیْدُ اَنْ یَّشُقَّ عَصَاکُمْ وَیُفَرِّقَ جَمَاعَتَکُمْ فَاقْتُلُوْهُ. جو تمہارے پاس آوے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو وہ چاہتا ہو کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اس کو قتل کر دو ؛

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی نہیں ہیں. کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں ہے ؛

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا بَابُ وُجُوْبِ طَاعَةِ الْاُمَرَاءِ فِی غَیْرِ مَعْصِیَةٍ یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب البیوع باب الفرائض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابوموسےٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے بارے میں فرمایا لَا تَسْئَلُوْنِیْ مَادَامَ هٰذَا الْحِبْرُ فِیْكُمْ جب تک کہ یہ علامہ تم میں رہیں۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا۔ کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے۔ اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔

فتح القدیر میں ہے مَنْ تَوَلّٰی اَمْرَ الْمُسْلِمِیْنَ شَیْئًا فَاسْتَعْمَلَ عَلَیْهِمْ رَجُلًا وَّیَعْلَمُ اَنَّ فِیْهِمْ مَنْ هُوَ اَوْلٰی بِذٰلِكَ وَاَعْلَمُ مِنْهُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَجَمَاعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مالک ہو پھر ان پر کسی کو حاکم بنائے حالانکہ جانتا ہو کہ مسلمانوں میں اس سے زیادہ مستحق اور قرآن وحدیث کا جاننے والا ہے اور اس نے اللہ ورسول علیہ السلام اور عام مسلمانوں کی خیانت کی۔ مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اول میں ہے۔ مَنْ مَّاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَیْعَةٌ مَّاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً جو مر جائے حالانکہ اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ ہو۔ وہ جہالت کی موت مرا۔ اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں۔ ورنہ بتاؤ فی زمانہ ہندوستانی وہابی کس سلطان کی بیعت میں ہیں؟

یہ تو چند آیات واحادیث تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر قناعت کی گئی۔ اب اُمت کا عمل دیکھو تو تبع تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری اُمتِ مرحومہ اسی تقلید کی عامل ہے۔ کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے۔ اور اجماعِ اُمت پر عمل کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا۔ اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راستہ چلے۔ ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے۔ اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔ اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

جس سے معلوم ہُوا۔ کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اُس کو اختیار کرنا فرض ہے۔ اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے ؛

مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنت میں ہے اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو جماعت مسلمین سے علیحدہ رہا وہ علیحدہ کر کے جہنم میں بھیجا جاوے گا۔ نیز حدیث میں آیا ہے مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے۔ اور مقلد ہی ہوئے۔ آج بھی عرب وعجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں۔ اور جو غیر مقلد ہُوا وہ اجماع کا منکر ہوا۔ اگر اجماع کا اعتبار نہ کرو تو خلافت صدیقی وفاروقی کس طرح ثابت کرو گے۔ وہ بھی تو اجماع امت سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں خلافتوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ۔ اسی طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا ؛

تفسیر خازن زیر آیت وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار سے فرمایا۔ کہ قرآن شریف نے مہاجرین کو صادقین کہا اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ اور پھر فرمایا وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ سچوں کے ساتھ رہو۔ لہٰذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو۔ ایسے ہی میں غیر مقلدوں سے کہتا ہوں۔ کہ سچوں نے تقلید کی ہے تم بھی اُن کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو ؛

عقلی دلیل۔ دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہو گی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے۔ کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہ ہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے۔ کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے۔ قرآن کے اعراب، آیات سب میں تقلید ہی تو ہے۔ نماز میں جب جماعت ہوتی ہے تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں۔ حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں غرضکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے۔ اور

خیال رہے کہ ان سب صورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ نماز کے امام دو نہیں۔ بادشاہ اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے؟

مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب آداب السفر میں ہے اِذَا کَانَ ثَلٰثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ جبکہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۔

پانچواں باب

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

مسئلہ تقلید پر مخالفین کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک واہیات طعنے اور تمسخر۔ اُن کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین دھوکا کھا لیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:-

سوال (۱) اگر تقلید ضروری تھی۔ تو صحابہ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟

جواب۔ صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ آئمہ دین امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ (مشکوٰۃ یہی باب) تم لازم پکڑو میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو۔ یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ ہم کسی کے اُمتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ السلام کسی کے اُمتی نہ تھے۔ تو اُمتی نہ ہونا سُنّتِ رسول اللہ ہے۔ اُس سے یہ ہی کہا جاویگا۔ کہ حضور علیہ السلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی اُمت ہیں۔ وہ کس کے اُمتی ہوتے۔ ہم کو اُمتی ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی صحابہ کرام تمام کے امام ہیں۔ اُن کا کون مسلمان امام ہوتا۔

نہر سے پانی اُس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دُور ہو۔ مکبّرین کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھے گا جو امام سے دُور ہو۔ لبِ دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صفِ اول کے مقتدیوں کو مکبّرین کی ضرورت نہیں صحابہ کرام صفِ اول کے مقتدی ہیں۔ وہ بلا واسطہ سینۂ پاک مصطفٰے علیہ السلام سے فیض لینے والے

ہیں۔ ہم چونکہ اُس بحر سے دُور ہیں۔ لہٰذا کسی نہر کے حاجتمند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزارہا دریا جاری ہوتے ہیں جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے۔ مگر ان سب کے نام اور راستے جُدا ہیں۔ کوئی گنگا کہلاتا ہے کوئی جمنا۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام۔ آپ رحمت کے سمندر ہیں۔ اُس سینہ میں سے جو نہر امام ابو حنیفہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی۔ اُسے حنفی کہا گیا۔ جو امام مالک کے سینہ سے آئی۔ وہ مذہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام جُداگانہ۔ اور ان نہروں کی ہمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو۔ جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لئے ہے صحابہ کرام کے لئے نہیں۔

سوال (۲) رہبری کے لئے قرآن وحدیث کافی ہیں۔ ان میں کیا نہیں جو کہ فقہ سے حاصل کریں قرآن فرماتا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ اور نہ ہے کوئی تر اور خشک چیز جو ایک روشن کتاب میں لکھی نہ ہو۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ اور بیشک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لئے آسان فرما دیا تو ہے۔ کوئی یاد کرنے والا۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن میں سب ہے اور قرآن سب کے لئے آسان بھی ہے۔ پھر کس لئے مجتہد کے پاس جاویں؟

جواب۔ قرآن وحدیث بیشک راہبری کے لئے کافی ہیں اور اُن میں سب کچھ ہے مگر اُن سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونا چاہیئے۔ سمندر میں موتی ہیں۔ مگر اُن کو نکالنے کے لئے غوطہ خور کی ضرورت ہے۔ آئمہ دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرانا ضروری ہے۔ آئمہ دین طبیب ہیں وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لئے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اُس سے مسائل استنباط کرنے کے لئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں۔ تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے۔ قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لئے نبی کیوں آئے۔ قرآن میں ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور وہ نبی اُن کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن وحدیث روحانی دوائیں ہیں امام روحانی طبیب

سوال (۳) قرآن کریم نے تقلید کرنے والوں کی بُرائیاں فرمائی ہیں۔ فرماتا ہے اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ

بِکُمۡ اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور راہیں نہ چلو۔ کہ تم کو اس کی راہ سے جدا کر دینگی۔ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا تو کہیں گے بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ اِن آیات اور ان جیسی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ و رسول کے حکم کے سامنے اماموں کی بات ماننا طریقۂ کفار ہے۔ اور سیدھا راستہ ایک ہی ہے۔ چار راستہ حنفی، شافعی وغیرہ ٹیڑھے راستہ ہیں وغیرہ وغیرہ ؞

جواب۔ جس تقلید کی قرآن کریم نے برائی فرمائی ہے اس کو ہم پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ میں یہودیت یا نصرانیت وغیرہ خلافِ اسلام راستے مراد ہیں۔ حنفی شافعی وغیرہ چند راستے نہیں۔ بلکہ ایک سٹیشن کی چار سڑکیں یا ایک دریا کی چار نہریں ہیں۔ ورنہ پھر تو غیر مقلدین کی جماعتیں ثنائی اور غزنوی کا کیا حکم ہے۔ چند راستے ہوتے ہیں عقائد بدلنے سے۔ چاروں مذہب کے عقائد یکساں ہیں۔ صرف اعمال میں فروعی اختلاف ہے۔ جیسا کہ خود صحابہ کرام میں اختلاف رہا ؞

سوال (۴) ہوتے ہوئے مصطفٰے کی گفتار ؞ مت مان کسی کا قول و کردار
دین حق را چار مذہب ساختند ؞ فتنہ در دینِ نبی انداختند

جواب۔ یہ شعر اصل میں چکڑالویوں کا ہے ؎
ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار ؞ مت مان نبی کا قول و کردار

دوسرا شعر بھی اس طرح ہے ؎
مسجد دو خشت علیحدہ ساختند ؞ فتنہ در دینِ نبی انداختند

چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے ؎
چار رسل چار فرشتے چار کتب ہیں دین چار ؞ سلسلے دو نوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے ثبات ؞ چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کتابیں بھی چار بھیجیں اور دین بھی چار ہی بنائے۔ انسان کا خمیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو پھر وہاں پہنچنا ناممکن۔ کیونکہ راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے ارد گرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رُخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حضور علیہ السلام تو کعبہ ایمان ہیں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لئے۔ دہاں کس راستہ

سے وہاں پہنچیں گے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے

مذہب چار چوں چار راہ اللہ ٭ بہر منت جو جادہ پیمائی
خود یکے بینی از چہار طرف ٭ کعبہ را چوں تو سجدہ بنمائی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت ہے۔ فقہ قرآن و حدیث کی تفسیر ہے۔ اور جو حکم کہ ہم کو نہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں۔ اس کو فقہ ہی بیان فرماتا ہے ٭

سوال (۵) تقلید میں غیر خدا کو اپنا حکم بنانا ہے۔ اور یہ شرک ہے۔ لہٰذا تقلید شخصی شرک ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ نہیں ہے حکم مگر اللہ کا ٭

جواب۔ اگر غیر خدا کو حکم یا پنچ بنانا شرک ہے۔ تو حدیث ماننا بھی شرک ہوا۔ نیز سارے محدثین و مفسرین مشرک ہو گئے۔ کیونکہ ترمذی ابو داؤد و مسلم وغیرہ حضرات تو مقلد ہیں۔ اور امام بخاری وغیرہ مقلدوں کے شاگرد۔ دیکھو عینی شرح بخاری۔ ہم نے دیوانِ سالک میں اس سوال کا یہ جواب دیا ہے

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سارے ہوتے مشرک ٭ بخاری مسلم ابن ماجہ امام اعظم ابو حنیفہ
کہ جتنے فقہا محدثین ہیں تمہارے خرمن سے خوشہ چیں ہیں ٭ ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابو حنیفہ

جس روایت میں ایک فاسق راوی آجاوے۔ وہ روایت ضعیف یا موضوع ہے۔ تو جس روایت میں کوئی مقلد آجاوے تو مشرک آگیا۔ لہٰذا وہ بھی باطل۔ پھر ترمذی و ابو داؤد تو خود مقلد ہیں۔ مشرک ہوئے۔ ان کی روایات ختم ہو گئیں۔ بخاری وغیرہ پہلے ہی ختم ہو چکے۔ کہ وہ مشرکوں کے شاگرد ہیں۔ اب حدیث کہاں سے لاؤ گے۔ قرآن پاک فرماتا ہے وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک حکم مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے بھیجو ٭

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے جنگ صفین میں حکم بنایا۔ خود حضور علیہ السلام نے بنی قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا۔ آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ حقیقی حکم خدائے پاک ہی کا ہے اور جو اس کے سواء کے احکام ہیں۔ علماء فقہاء اور مشائخ کے اسی طرح احکام حدیث یہ تمام بالواسطہ خدائے تعالیٰ ہی کے حکم ہیں۔ اگر یہ معنیٰ ہوں کہ کسی کا حکم سوائے خدا کے ماننا شرک ہے۔ تو

آج تمام دنیا ج کا فیصلہ کچہریوں کے مقدمات کو مانتی ہے۔ سب ہی مشرک ہو گئے ۔

سوال (۶) قیاس مجتہد ظن ہے۔ اور ظن کرنا گناہ ہے۔ قرآن میں اس سے ممانعت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو۔ بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور عیب نہ ڈھونڈو۔ اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ لہٰذا دین میں صرف کتاب وسنت پر عمل چاہیئے ؎

اصل دیں آمد کتاب اللہ مقدم داشتن ٭ پس حدیث مصطفےٰ از جان مسلم داشتن

جواب۔ اس کا جواب خاتمہ میں آویگا۔ کہ قیاس کسے کہتے ہیں اور اس کے احکام کیا ہیں ۔

سوال (۷) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو جاوے وہ ہی میرا مذہب ہے۔ لہٰذا ہم نے ان کے قول حدیث کے خلاف پاکر چھوڑ دیئے۔ انشاء اللہ غیر مقلدوں کو اس سے زیادہ دلائل نہ ملیں گے۔ ان ہی کو بنا بگاڑ کر یا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں ۔

جواب۔ بیشک امام صاحب کا یہ حکم ہے۔ کہ اگر میرا قول کسی حدیث صحیح کے مقابل واقعہ ہو جائے تو حدیث پر عمل کرنا میرے مذہب پر عمل کرنا ہے۔ یہ تو امام صاحب کا انتہائی تقویٰ ہے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے۔ کہ قیاس مجتہد وہاں ہوتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اس زمانہ میں دنیا میں ایسا کون محدث ہے جو احادیث کا اس قدر وسیع علم رکھتا ہو۔ کہ تمام احادیث پھر اس کی تمام اسنادوں پر اطلاع رکھتا ہو۔ اور یہ بھی جانتا ہو کہ امام صاحب نے یہ حکم کس حدیث سے لیا ہے۔ ہم لوگوں کی نظر صحاح ستہ سے آگے نہیں ہوتی۔ پھر کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ امام کا یہ فرمان کسی حدیث سے ماخوذ نہیں۔ یوں تو حدیث میں بھی آتا ہے کہ اِذَا بَلَغَكُمْ مِّنِّیْ حَدِیْثٌ فَاعْرِضُوْهُ عَلٰی كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ وَافَقَهٗ فَاقْبَلُوْهُ وَاِلَّا فَرُدُّوْهُ (مقدمہ تفسیرات احمدیہ صفحہ ۴) جب تم کو میری کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو قبول کر لو ورنہ رد کر دو ٭ تو اگر کوئی چکڑالوی کہے کہ بہت حدیث چونکہ خلاف قرآن ہیں۔ اس لئے ہم حدیث کو چھوڑتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ میراث تقسیم کرو۔ حدیث میں ہے۔ کہ نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ جس طرح یہ کلام مردود ہے تمہارا قول بھی رد ہے ۔

سوال (۸) امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان کی روایات بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ

سب ضعیف۔

جواب۔ امام اعظم بہت بڑے محدث تھے۔ بغیر حدیث دانی اس قدر مسائل کیسے استنباط ہو سکتے تھے۔ اُن کی کتاب مسندِ ابو حنیفہ اور امام محمد کی کتاب مؤطا امام محمد سے اُن کی حدیث دانی معلوم ہوتی ہے حضرت صدیق اکبرؓ کی روایات بہت کم ملتی ہیں۔ تو کیا وہ محدث نہ تھے۔ کمی روایت احتیاط کی وجہ سے ہے۔ امام صاحب کی تمام روایات صحیح ہیں۔ کیونکہ اُن کا زمانہ حضور سے بہت قریب ہے۔ بعد میں بعض روایات میں ضعف پیدا ہوا۔ بعد کا ضعف حضرت امام کو مضر نہیں جس قدر اسناد بڑھی ضعف بھی پیدا ہوا۔

لطیفہ: بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ چاروں مذہب حق ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ حق تو صرف ایک ہی ہوگا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ واجب ہے۔ تو یا تو واجب ہوگی یا مکروہ۔ دونوں مسئلے صحیح کس طرح ہو سکتے ہیں۔ **جواب۔** یہ ہے کہ حق کے معنی یہاں صحیح یا کہ واقعہ کے موافق نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاروں مذہب میں سے کسی کی پیروی کرلو خدا کے یہاں پکڑ نہ ہوگی۔ کیونکہ مجتہد کی خطا بھی معاف ہے۔ امیر معاویہ اور مولیٰ علی اسی طرح عائشہ صدیقہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین میں جنگ بھی ہوئی۔ اور حق پر ایک ہی صاحب تھے۔ مگر دونوں کو حق پر کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی پکڑ عند اللہ نہیں ہوگی۔ جنگل میں ایک شخص کو خبر نہیں کہ قبلہ کدھر ہے۔ اس نے اپنی رائے سے چار رکعت چار طرف پڑھیں۔ کیونکہ رائے بدلتی رہی۔ یہ بھی منہ پھیرتا رہا۔ قبلہ تو ایک ہی طرف تھا۔ مگر نماز صحیح ہوگئی۔ چاروں قبلہ درست ہیں بلکہ مجتہد خطا بھی کرے تو بھی ایک ثواب پاتا ہے۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہادی خطا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی درستی رائے بیان فرمائی۔ مگر کسی پر عتاب نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا کُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب العمل فی القضاء میں ہے اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَهَدَ وَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَکَمَ فَاجْتَهَدَ فَاَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ (متفق علیہ) جبکہ حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے اور صحیح کرے تو اس کو دو ثواب ہیں۔ اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے اور خطا کرے تو اس کو ایک ثواب ہے۔ اس سے یہ اعتراض بھی اُٹھ گیا۔ کہ اگر شافعی رفع یدین کرے تو ٹھیک ہے اور اگر غیر مقلد کرے تو جرم ہے۔ کیونکہ شافعی حاکم شرع مجتہد سے فیصلہ کرا کر رفع یدین کر رہا ہے۔ اگر غلطی کرتا ہے تو بھی معاف ہے۔ اور چونکہ غیر مقلد نے کسی مجتہد سے فیصلہ نہ کرایا۔ لہٰذا اگر صحیح بھی

کرتا ہے. تو بھی خطا کار ہے. جیسے کہ آج حاکم کے بغیر فیصلہ کوئی شخص خود ہی قانون کو ہاتھ میں لے کر کوئی کام کرتا ہے مجرم ہے. لیکن اگر حاکم کچہری سے فیصلہ کرا کر وہ ہی کام کیا تو اس پر جرم نہیں. حاکم جوابدہ ہے اگر حاکم نے غلطی کی ہے. تو بھی اس کی پکڑ نہیں. دیکھو حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں سے محض قیاس پر فدیہ لیا. پھر آیت اس کے خلاف آئی. معلوم ہوا کہ اس قیاس سے رب راضی نہیں. مگر وہ فدیہ کا روپیہ واپس نہ کرایا گیا. بلکہ ارشاد ہوا فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وہ مال کھالو حلال طیب. معلوم ہوا کہ خطاء اجتہادی پر کوئی پکڑ نہیں ؂

خاتمہ قیاس کی بحث میں شریعت کے دلائل چار ہیں. قرآن، حدیث اجماع امت اور قیاس. اجماع کے دلائل تو ہم بیان کر چکے. کہ قرآن کا بھی حکم ہے اور حدیث کا بھی. کہ عام جماعت مسلمین کے ساتھ رہو. جو اس سے علیحدہ ہوا وہ جہنمی ہے ؂

قیاس کے معنیٰ لغت میں اندازہ لگانا اور شریعت میں کسی فرعی مسئلہ کو اصل مسئلہ سے علت اور حکم میں ملا دینا یعنی ایک مسئلہ ایسا درپیش آگیا. جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ملتا تو اس کی مثل کوئی وہ مسئلہ لیا جو قرآن وحدیث میں ہے. اس کے حکم کی علت معلوم کر کے یہ کہا کہ چونکہ وہ علت یہاں بھی ہے لہٰذا اس کا یہ حکم ہے. جیسے کسی نے پوچھا کہ عورت کے ساتھ اغلام کرنا کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ حالت حیض میں عورت سے جماع حرام ہے کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے. اور اس میں بھی پلیدی ہے. لہٰذا یہ بھی حرام ہے. کسی نے پوچھا کہ جس عورت سے کسی کے باپ نے زنا کیا. وہ اس کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ جس عورت سے کسی کا باپ نکاح کرے وہ بیٹے کو حرام ہے. وطی یا جزئیّت کی وجہ سے. لہٰذا یہ عورت بھی حرام ہے. اس کو قیاس کہتے ہیں. مگر شرط یہ ہے کہ قیاس کرنیوالا مجتہد ہو. ہر کس و ناکس کا قیاس معتبر نہیں. قیاس اصل میں حکم شریعت کو ظاہر کرنے والا ہے. خود مستقل حکم نہیں. یعنی قرآن وحدیث کا ہی حکم ہوتا ہے. مگر قیاس کو یہاں ظاہر کرتا ہے. قیاس کا ثبوت قرآن وحدیث وافعال صحابہ سے ہے. قرآن فرماتا ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ تو عبرت لو اے نگاہ والو. یعنی کفار کے حال پر اپنے کو قیاس کرو. کہ اگر تم نے ایسی حرکات کیں تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا ؂

نیز قرآن نے قیامت کے ہونے کو نیند پر. اسی طرح کھیتی کے خشک ہو کر سرسبز ہونے پر قیاس فرما کر بتایا ہے. اول سے آخر تک کفار کی مثالیں بیان فرمائی ہیں یہ بھی قیاس ہے. بخاری کتاب الاعتصام

میں ایک باب باندھا بَابُ مَنْ شَبَّهَ اَصْلًا مَعْلُوْمًا بِاَصْلٍ مُّبِيْنٍ قَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ حُكْمَهَا لِيُفْهِمَ بِهِ السَّائِلُ جو کسی قاعدہ معلومہ کو ایسے قاعدے سے تشبیہ دے جس کا حکم خدا نے بیان فرما دیا ہے تاکہ سائل اس سے سمجھ لے ؛

اس میں ایک حدیث نقل کی جس میں حضور علیہ السلام نے ایک عورت کو قیاس سے حکم فرمایا اِنَّ اِمْرَأَةً جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ اُمِّيْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ اَفَاَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّيْ عَنْهَا اَرَءَيْتِ لَوْكَانَ عَلٰى اُمِّكِ دَيْنٌ اَكُنْتِ تَقْضِيْنَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اِقْضُوا الَّذِيْ لَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ اَحَقُّ بِالْقَضَاءِ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں ؟ فرمایا ہاں حج کرو۔ کہا اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتیں۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا وہ قرض بھی ادا کرو جو اللہ کا ہے۔ کیونکہ اللہ ادائے قرض کا زیادہ مستحق ہے ؛

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ماعلی الولاۃ اور ترمذی جلد اوّل شروع ابواب الاحکام اور دارمی میں ہے کہ جب حضرت معاذ ابن جبل کو حضور علیہ السلام نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے ؟ عرض کیا کتاب اللہ سے۔ فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ۔ تو عرض کیا کہ اس کے رسول کی سنت سے۔ فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ۔ تو عرض کیا کہ اَجْتَهِدُ بِرَاْيِيْ وَلَا اٰلُوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَدْرِهٖ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ راوی نے فرمایا کہ پس حضور علیہ السلام نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس کی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛

اس سے قیاس کا پُر زور ثبوت ہوا۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں اجماع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اجماع کا ذکر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نہ کیا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے بہت سے احکام اپنے قیاس سے دیئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قیاس فرما کر مہر مثل دلوایا جو بغیر مہر نکاح میں آئی۔ اور شوہر مر گیا (دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ ۸۸) اب وہ اعتراض جو غیر مقلد کرتے ہیں۔ اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ کہ بہت ظن سے بچو۔ اس میں ظن سے مراد بدگمانیاں ہیں یعنی مسلمانوں پر

بدگمانیاں نہ کیا کرو۔ اسی لئے اس آیت میں اس کے بعد غیبت وغیرہ کی ممانعت ہے۔ ورنہ قیاس اور غیبت میں کیا تعلق۔ جیسے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ مشورہ کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ تو کیا ہر مشورہ شیطانی کام ہے۔ نہیں بلکہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشورے ہوں۔ وہ شیطانی ہیں۔ ایسے ہی یہ ہے۔ اور جو قیاس کی برائیاں آئی ہیں۔ وہ وہ قیاس ہے جو حکم خدا کے مقابلہ میں کیا جائے جیسا کہ شیطان نے حکم سجدہ پاکر قیاس کیا۔ اور حکم الٰہی کو رد کر دیا۔ یہ کفر ہے۔ غیر مقلد یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ۔ اِنَّمَا حصر کے لئے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سوائے وحی کے اور کسی چیز کی پیروی نہ کی جائے۔ نہ اجماع کی نہ قیاس کی۔ صرف قرآن وحدیث کی پیروی ہو۔ مگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اجماع وقیاس پر عمل بھی قرآن وحدیث پر ہی عمل ہے کہ قیاس مظہر ہے

آخر میں میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت پیچھے سے بھاگ گئی۔ اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاسیہ میں کیا جواب ہوگا۔ اس لئے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو۔ اللہ توفیق دے۔



بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بفضلہٖ وکرمہٖ

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل

غیب کی تعریف اور اس کے اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہۃً عقل میں آسکے۔ لہٰذا پنجاب والے کے لئے بمبئی غیب نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے۔ کہ بمبئی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور

اُن کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں۔ جن اور ملائکہ اور جنت ودوزخ ہمارے لئے اس وقت غیب ہیں۔ کیونکہ نہ اُن کو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلائل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے۔ دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں۔ پہلے غیب کی مثال جیسے جنت ودوزخ اور خدائے پاک کی ذات وصفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مرے گا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بدبخت ہے یا نیک بخت۔ کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے اسی طرح غیب کو مفاتح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم نے فرمایا فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ تفسیر بیضاوی يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے ماتحت ہے وَالْمُرَادُ بِهِ الْخَفِيُّ الَّذِيْ لَا يُدْرِكُهُ الْحِسُّ وَلَا تَقْتَضِيْهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو حواس نہ پا سکیں اور نہ بداہتہً اُس کو عقل چاہے۔

تفسیر کبیر سورۂ بقر کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْمُفَسِّرِيْنَ اَنَّ الْغَيْبَ هُوَ الَّذِيْ يَكُوْنُ غَائِبًا عَنِ الْحَاسَّةِ ثُمَّ هٰذَا يَنْقَسِمُ اِلٰى مَا عَلَيْهِ دَلِيْلٌ وَّ اِلٰى مَا لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جس پر دلیل ہے۔ دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔ تفسیر روح البیان میں شروع سورۂ بقر يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے ماتحت ہے وَهُوَ مَا غَابَ عَنِ الْحِسِّ وَالْعَقْلِ غَيْبَةً كَامِلَةً بِحَيْثُ لَا يُدْرَكُ بِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا ابْتِدَاءً بِطَرِيْقِ الْبَدَاهَةِ وَهُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِيْ اُرِيْدُ بِقَوْلِهٖ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ وَقِسْمٌ نُصِبَ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ كَالصَّانِعِ وَصِفَاتِهٖ وَهُوَ الْمُرَادُ غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداءً کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ وہ ہی قسم اس آیت سے مراد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات۔ وہ ہی اس جگہ مراد ہے۔

فائدہ۔ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور بُو ناک سے سونگھی جاتی ہے۔ اور لذت زبان سے

آواز کان سے محسوس ہوتی ہے۔ تو رنگت زبان و کان کے لئے غیب ہے۔ اور بُو آنکھ کے لئے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ بُو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اضافی ہے۔ جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی اُن شکلوں میں یہاں دیکھ لے۔ تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں ؎

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ ٭ تَمُرُّ وَتَنْقَضِىْ اِلَّا اَتَالِىْ

کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اجازت لے کر گزرتا ہے ٭

اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دُور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے۔ اور اس کا جاننا علم غیب۔ جیسے حضور علیہ السلام نے آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمالیا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہاوند میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا۔ اور اُن تک اپنی آواز پہنچادی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دُور دراز مُلکوں کو مثل کفِ دست کے دیکھے یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں ٭

بذریعہ آلات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں۔ مثلاً کسی آلہ کے ذریعہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دُور کی آواز سُن لیتے ہیں اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ غیب کی تعریف میں عرض کر دیا گیا۔ کہ جو حواس سے معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلی۔ وہ آواز حواس سے معلوم ہونے کے قابل ہے۔ آلہ سے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا۔ یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا۔ جبکہ آلہ نے اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا ٭ خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آلہ چھپی چیز کو ظاہر کر دے۔ پھر ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس کو معلوم کرلیں۔ تو علم غیب نہیں ٭

دوسری فصل ضروری فوائد کے بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند باتیں خوب خیال میں رکھی جاویں تو بہت فائدہ ہوگا۔ اور بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے :-

(۱) نفس علم کسی چیز کا بھی ہو بُرا نہیں۔ ہاں بُری باتوں کا کرنا یا کرنے کے لئے سیکھنا بُرا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں۔ جیسے علم عقائد، علم شریعت

علم تصوف دوسرے علموں سے افضل ہیں۔ مگر کوئی علم فی نفسہٖ بُرا نہیں۔ جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب رکھتی ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں تہائی قرآن کا ثواب ہے۔ مگر تَبَّتْ يَدَا میں یہ ثواب نہیں (دیکھو روح البیان زیر آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا)۔ لیکن کوئی آیت بُری نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی بُرا علم ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا۔ کہ خدا ہر بُرائی سے پاک ہے۔ نیز[2] فرشتوں کو خدا کی ذات وصفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بُری چیزوں کا علم دیا۔ اور وہ ہی علم ان کی افضلیت کا ثبوت ہوا۔ اس علم کی وجہ سے وہ ملائکہ کے استاد قرار پائے۔ اگر بُری چیزوں کا علم بُرا ہوتا۔ تو حضرت آدم کو یہ علم دے کر استاد نہ بنایا جاتا نیز[3] دنیا میں سب سے بدتر چیز ہے کفر وشرک۔ مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ علم حسد وبغض اور الفاظ کفریہ و شرکیہ کا جاننا فرض ہے۔ تاکہ اس سے بچے۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لئے۔ شامی کے مقدمہ میں ہے وَعِلْمُ الرِّيَاءِ وَعِلْمُ الْحَسَدِ وَالْعُجُبِ وَعِلْمُ الْأَلْفَاظِ الْمُحَرَّمَةِ وَالْمُكَفِّرَةِ وَلَعَمْرِيْ هٰذَا مِنْ أَهَمِّ الْمُهِمَّاتِ (ملخصًا) یعنی علم ریا اور حسد وحرام اور کفریہ کلموں کا سیکھنا فرض ہے۔ اور واللہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔ اسی مقدمہ شامی بحث علم نجوم ورمل میں فرماتے ہیں وَفِيْ ذَخِيْرَةِ النَّاظِرِ تَعَلُّمُهٗ فَرْضٌ لِرَدِّ سَاحِرِ أَهْلِ الْحَرْبِ ذخیرہ ناظرہ میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا فرض ہے اہل حرب کے جادو کو دفع کرنے کے لئے۔ احیاء العلوم جلد اول باب اوّل فصل سوم بُرے علوم کے بیان میں ہے علم کی بُرائی خود علم ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ بندوں کے حق میں تین وجہوں سے ہے الخ

اس بیان سے بخوبی واضح ہوا۔ کہ نفس علم کسی شے کا بُرا نہیں۔ اب منکرین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور علیہ السلام کو بُری چیزوں ۔۔۔ چوری، زنا، جادو، اشعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لئے انہوں نے شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ مانا۔ یہ تو ایسا ہوا۔ جیسے مجوسی کہتے ہیں کہ خدائے پاک بُری چیزوں کا خالق نہیں ہے کیونکہ بُری چیزوں کا پیدا کرنا بھی بُرا ہے نعوذ باللہ۔ اگر علم جادو بُرا ہے تو اس کی تعلیم کے لئے رب کی طرف سے وہ فرشتے ہاروت وماروت کیوں زمین پر اُترے؟ موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں نے جادو کے علم کے ذریعہ سے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پہچانی۔ اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

(۲) سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیرالناس میں مانا ہے جس کے سارے حوالے آتے ہیں۔ تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے۔ بلکہ سب کو جو علم ملا وہ حضور علیہ السلام ہی کے تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاذ سے لے۔ ضروری ہے کہ اُستاذ بھی اُس کا جاننے والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لئے ہم حضرت آدم وحضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کرینگے ؛

(۳) قرآن اور لوح محفوظ میں سارے واقعات کل ماکان ومایکون ہیں۔ اور اس پہ ملائکہ اور بعض اولیاء وانبیاء کی نظریں ہیں۔ اور ہر وقت وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالے بھی آتے ہیں۔ اس لئے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کردیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر فرشتہ کے علوم کا بھی ذکر کردیں گے ؛

یہ تمام بحثیں علم مصطفےٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی ؛

تیسری فصل۔ علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں۔ اور اُن کے علیحدہ علیحدہ احکام (از خالص الاعتقاد صفحہ ۵)

(۱) اللہ عزوجل عالم بالذات ہے۔ اُس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا ؛

(۲) حضور علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا ؛

(۳) حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم وخلیل علیہما السلام اور ملک الموت وشیطان بھی خلقت ہیں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے ؛

(۱) قسم دوم۔ اولیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں ؛

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے بہت سے جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بدمذہب ہے۔ کہ صدہا احادیث کا انکار کرتا ہے ؛

(۱) قسم سوم۔ حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی ؛

(۲) تمام گذشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں۔ اُن کا بلکہ اُن سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا ؛

(۳) حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا ؛

چوتھی فصل۔ جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے۔ تو چار باتوں کا خیال

رکھنا ضروری ہے (ازاحۃ العیب صفحہ ۴)

(۱) وہ آیت قطعی الدلالت ہو۔ جس کے معنیٰ میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں۔ اور حدیث ہو تو متواتر ہو

(۲) اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو۔ کہ ہم نے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرمادیں۔ مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

(۳) صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں۔ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں۔ کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔

(۴) جس کے لئے علم کی نفی کی گئی ہو۔ وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو۔ ورنہ کل صفات الٰہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوےٰ نہیں کرتے۔ یہ چار فصلیں خوب خیال میں رکھی جائیں

پہلا باب

علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت۔ تیسری میں احادیث کے شارحین کے چوتھی میں علمائے اُمت اور فقہاء کے اقوال۔ پانچویں میں خود منکرین کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اور اولیاء اللہ کے علم غیب کا بیان۔

پہلی فصل آیات قرآنیہ میں (۱) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ۔ اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ پھر سب اشیاء ملائکہ پہ پیش کیں۔ تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَمَعْنٰى تَعْلِيْمِهٖ اَسْمَآءَ الْمُسَمَّيَاتِ اَنَّهٗ تَعَالٰى اَرَاهُ الْاَجْنَاسَ الَّتِىْ خَلَقَهَا وَعَلَّمَهٗ اَنَّ هٰذَا اِسْمُهٗ فَرَسٌ وَهٰذَا اِسْمُهٗ بَعِيْرٌ وَهٰذَا اِسْمُهٗ كَذَا وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَّمَهٗ اِسْمَ كُلِّ شَىْءٍ حَتَّى الْقَصْعَةَ وَالْمِغْرَفَةَ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے اُن کو وہ تمام جنسیں دکھادیں جن کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کو بتادیا کہ اس کا نام گھوڑا اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام فلاں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ اُن کو ہر چیز کے نام سکھادیئے۔ یہاں تک کہ پیالی اور چلّو کے بھی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت میں یہ ہی مضمون بیان فرمایا۔ اتنا اور بھی زیادہ فرمایا وَقِیْلَ عَلَّمَ اٰدَمَ اَسْمَاءَ الْمَلٰئِکَةِ وَقِیْلَ اَسْمَاءَ ذُرِّیَّتِهٖ وَقِیْلَ عَلَّمَهُ اللُّغَاتِ كُلَّهَا کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھا دیئے اور کہا گیا ہے کہ ان کی اولاد کے نام۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ ان کو تمام زبانیں سکھا دیں۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَوْلُهٗ اَیْ عَلَّمَهٗ صِفَاتِ الْاَشْیَاءِ وَنُعُوْتَهَا وَ هُوَ الْمَشْهُوْرُ اَنَّ الْمُرَادَ اَسْمَاءُ كُلِّ شَیْءٍ مِّنْ خَلْقٍ مِّنْ اَجْنَاسِ الْمُحْدَثَاتِ مِنْ جَمِیْعِ اللُّغَاتِ الْمُخْتَلِفَةِ الَّتِیْ یَتَكَلَّمُ بِهَا وُلْدُ اٰدَمَ الْیَوْمَ مِنَ الْعَرَبِیَّةِ وَالْفَارِسِیَّةِ وَالرُّوْمِیَّةِ وَغَیْرِهَا آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیئے۔ اور یہ ہی مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہوں گے جن کو اولادِ آدم آج تک بول رہی ہے عربی، فارسی، رومی وغیرہ۔

تفسیر ابو السعود میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَقِیْلَ اَسْمَاءَ مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ وَقِیْلَ اَسْمَاءَ خَلْقِهٖ مِنَ الْمَعْقُوْلَاتِ وَالْمَحْسُوْسَاتِ وَالْمُتَخَیَّلَاتِ وَالْمَوْهُوْمَاتِ وَاَلْهَمَهٗ مَعْرِفَةَ ذَوَاتِ الْاَشْیَاءِ وَاَسْمَاءَهَا وَخَوَاصَّهَا وَمَعَارِفَهَا وَاُصُوْلَ الْعِلْمِ وَقَوَانِیْنَ الصِّنَاعَاتِ وَتَفَاصِیْلَ اٰلَاتِهَا وَكَیْفِیَّةَ اِسْتِعْمَالَاتِهَا کہا گیا ہے کہ حضرت آدم کو گذشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتا دیئے۔ اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتا دیئے عقلی، حسی، خیالی، وہمی چیزیں بتلویں اور ان چیزوں کی ذات، ان کے نام، ان کے خاصے، ان کی پہچان، علم کے قواعد، ہنروں کے قانون ان کے اوزاروں کی تفصیل اور ان کے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم کو الہام فرمایا۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَعَلَّمَهٗ اَحْوَالَهَا وَمَا یَتَعَلَّقُ بِهَا مِنَ الْمَنَافِعِ الدِّیْنِیَّةِ وَالدُّنْیَوِیَّةِ وَعَلَّمَ اَسْمَاءَ الْمَلٰئِکَةِ وَاَسْمَاءَ ذُرِّیَّتِهٖ وَاَسْمَاءَ الْحَیَوَانَاتِ وَ الْجَمَادَاتِ وَصَنْعَةَ كُلِّ شَیْءٍ وَاَسْمَاءَ الْمُدُنِ وَالْقُرٰی وَاَسْمَاءَ الطَّیْرِ وَالشَّجَرِ وَمَا یَكُوْنُ وَاَسْمَاءَ كُلِّ شَیْءٍ یَخْلُقُهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَاَسْمَاءَ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ وَكُلِّ نَعِیْمٍ فِی الْجَنَّةِ وَاَسْمَاءَ كُلِّ شَیْءٍ وَفِی الْخَبَرِ عَلَّمَهٗ سَبْعَ مِائَةِ اَلْفِ لُغَاتٍ اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھائے۔ اور جو کچھ ان میں دینی اور دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے۔ اور ان کو فرشتوں کے نام ان

کی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتلائے۔ اور ہر چیز کا بنانا بتایا۔ تمام شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہوگا۔ ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائیگا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر نعمت غرضکہ ہر چیز کے نام بتا دیئے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کو سات زبانیں سکھائی گئیں؛

اِن تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا کہ ما کان اور ما یکون کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے۔ زبانیں چیزوں کے نفع وضرر، بنانے کے طریقے، آلات کا استعمال سب دکھا دیئے۔ لیکن اب میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرّہ ہے؛

شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ باب دہم میں فرماتے ہیں اَوَّلُ نَائِبٍ کَانَ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخَلِیْفَتُہٗ اٰدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم علیہ السلام ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور علیہ السلام کے نائب تھے۔ یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تحذیر الناس میں لکھا ہے۔ جیساکہ ہم بیان کریں گے۔ خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے؛

نسیم الرّیاض شرح شفا قاضی عیاض میں ہے اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ عُرِضَتْ عَلَیْہِ الْخَلَائِقُ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ فَعَرَفَہُمْ کُلَّہُمْ کَمَا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّہَا حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت آدم تا روز قیامت پیش کی گئی۔ پس آپ نے ان سب کو پہچان لیا۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام سکھائے۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے ہیں (۲) وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔ تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماتحت ہے رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوّت بر دین ہر متدیّن بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است۔ پس او مے شناسد گناہان شمارا و درجاتِ ایمان شمارا و اعمالِ بد و نیک شمارا واخلاق ونفاق شمارا لہٰذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حقِ اُمّت مقبول وواجب العمل است؛

حضور علیہ السلام اپنے نورِ نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں۔ کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے۔ پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں۔ لہٰذا ان کی گواہی دنیا میں بحکم شرع اُمت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے هٰذَا مَبْنِيٌّ عَلٰى تَضْمِيْنِ الشَّهِيْدِ مَعْنَى الرَّقِيْبِ وَالْمُطَّلِعِ وَالْوَجْهُ فِيْ اِعْتِبَارِ تَضْمِيْنِ الشَّهِيْدِ الْاِشَارَةُ اِلٰى اَنَّ التَّعْدِيْلَ وَالتَّزْكِيَةَ اِنَّمَا يَكُوْنُ عَنْ خُبْرَةٍ وَّمُرَاقَبَةٍ بِحَالِ الشَّاهِدِ۔ وَمَعْنٰى شَهَادَةِ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِمْ اِطِّلَاعُهٗ رُتْبَةَ كُلِّ مُتَدَيِّنٍ بِدِيْنِهٖ۔ فَهُوَ يَعْرِفُ ذُنُوْبَهُمْ وَحَقِيْقَةَ اِيْمَانِهِمْ وَاَعْمَالَهُمْ وَحَسَنَاتِهِمْ وَسَيِّاٰتِهِمْ وَاِخْلَاصَهُمْ وَنِفَاقَهُمْ وَغَيْرَ ذٰلِكَ بِنُوْرِ الْحَقِّ وَاُمَّتُهٗ يَعْرِفُوْنَ ذٰلِكَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ بِنُوْرِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبردار کے معنٰی بھی شامل ہیں اور اس معنٰی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہو سکتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنٰی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں۔ پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو ان کے ایمان کی حقیقت کو ان کے اچھے برے اعمال کو ان کے اخلاص اور نفاق وغیرہ کو نورِ حق سے پہچانتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کی اُمت بھی قیامت میں ساری اُمتوں کے یہ حالات جانے گی۔ مگر حضور علیہ السلام کے نور سے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے ثُمَّ يُؤْتٰى بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَسْئَلُهٗ عَنْ حَالِ اُمَّتِهٖ فَيُزَكِّيْهِمْ وَيَشْهَدُ بِصِدْقِهِمْ پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلایا جاوے گا پس جب تعالیٰ حضور علیہ السلام سے آپ کی اُمت کے حالات پوچھے گا۔ تو آپ ان کی صفائی کی گواہی دیں گے۔ اور ان کی سچائی کی گواہی دیں گے۔

تفسیر مدارک پارہ ۲ سورۂ بقر میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَيُؤْتٰى بِمُحَمَّدٍ فَيَسْئَلُ عَنْ حَالِ اُمَّتِهٖ فَيُزَكِّيْهِمْ وَيَشْهَدُ بِعَدَالَتِهِمْ يُزَكِّيْهِمْ وَيَعْلَمُ بِعَدَالَتِكُمْ پھر حضور علیہ السلام

کو بلایا جاوے گا۔ اور آپ کی اُمّت کے حال پوچھے جائیں گے۔ پس آپ اپنی اُمّت کی صفائی بیان کرینگے اور اُن کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے۔ لہٰذا حضور تمہاری عدالت کو جانتے ہیں ؎

اِس آیت اور اِن تفاسیر میں یہ فرمایا گیا۔ کہ قیامت کے دن دوسرے انبیائے کرام کی اُمّتیں بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گی۔ کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ اُن اُمّتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدایا ہم ان میں گئے، تیرے احکام پہنچائے۔ مگر اِن لوگوں نے قبول نہ کئے۔ رب تعالیٰ کا انبیاء کو حکم ہوگا کہ چونکہ تم مدعی ہو، اپنا کوئی گواہ لاؤ۔ وہ اپنی گواہی کے لئے اُمّتِ مصطفےٰ علیہ السلام کو پیش فرمائیں گے۔ مسلمان گواہی دینگے۔ کہ خدایا تیرے پیغمبر سچے ہیں۔ انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (فاسق وفاجر اور کافر کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ مسلمان پرہیزگار کی گواہی قبول ہے) دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے پیغمبروں کا زمانہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں۔ مسلمان عرض کرینگے کہ خدایا ہم سے تیرے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی۔ اُس کو سُن کر ہم گواہی دے رہے ہیں۔ تب حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا۔ اور حضور علیہ السلام دو باتوں کی گواہی دینگے۔ ایک یہ کہ یہ لوگ، فاسق یا کافر نہیں۔ تاکہ ان کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پرہیزگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان سے کہا تھا کہ پہلے نبیوں نے اپنی قوم تک احکام الٰہیہ پہنچائے۔ تب اُن پیغمبروں کے حق میں ڈگری ہوگی ؎

اِس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان، اعمال، روزہ، نماز ونیت سے بالکل خبردار ہیں۔ ورنہ پہلی یعنی صفائی کی گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا بھی کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمالیا۔ کہ خدایا ان کی اولاد بھی اگر ہوئی تو کافر ہوگی وَلَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔ لہٰذا تو اِن کو غرق کردے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل فرمایا۔ اُس کا آئندہ کا حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا۔ تو سیدالانبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ گذشتہ پیغمبروں اور اُن کی اُمّتوں کے حالات حضور علیہ السلام نے بنورِ نبوّت دیکھے تھے۔ اور آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی۔ اگر سُنی ہوئی ہوتی۔ تو ایسی گواہی

تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے۔ سُنی گواہی کی انتہا دیکھی گواہی پر ہوتی ہے۔ تیسرے یہ بھی معلوم ہُوا کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ نبی سچے ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح اگر حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیقات فرمادیں اور گواہیاں وغیرہ لیں۔ تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہ ہی ہوتا ہے۔ اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان بہ آیات القرآن میں دیکھو۔ اسی گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے ؞

(۳) وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ اور اے محبوب تم کو اُن سب پر نگہبان بنا کر لاویں گے ؞

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے لِاَنَّ رُوْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَاهِدٌ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَرْوَاحِ وَالْقُلُوْبِ وَالنُّفُوْسِ بِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کو دیکھنے والی ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا۔ وہ میرا نور ہے ؞ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَاعْلَمْ اَنَّهٗ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَعْمَالُ اُمَّتِهٖ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَلِذٰلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ حضور علیہ السلام پر آپ کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ اُمت کو اُن کی علامات سے جانتے ہیں اور اُن کے اعمال کو بھی۔ اس لئے آپ ان پر گواہی دیں گے۔ تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَیْ شَاهِدًا عَلٰى مَنْ اٰمَنَ بِالْاِيْمَانِ وَعَلٰى مَنْ كَفَرَ بِالْكُفْرِ وَعَلٰى مَنْ نَافَقَ بِالنِّفَاقِ حضور علیہ السلام گواہ ہیں مومنوں پر اُن کے ایمان کے، کافروں پر اُن کے کفر کے اور منافقوں پر اُن کے نفاق کے ؞

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہُوا کہ حضور علیہ السلام از اوّل تا روزِ قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان ونفاق و اعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں۔ اسی لئے آپ سب کے ہی گواہ ہیں۔ یہ ہی تو علم غیب ہے

(۴) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وہ کون ہے جو اُس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اس کے حکم کے۔ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے ؞ تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ مِنْ اَوَّلِيَّاتِ الْاُمُوْرِ قَبْلَ الْخَلَائِقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ اَحْوَالِ الْقِيَامَةِ حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے اولی معاملات بھی جانتے ہیں۔ اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں

وہ بھی جانتے ہیں ؛

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے یَعْلَمُ مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ مِنَ الْاُمُوْرِ الْاَوَّلِیَّاتِ قَبْلَ الْخَلَائِقِ وَمَا خَلْفَھُمْ مِنْ اَحْوَالِ الْقِیَامَۃِ وَفَزَعِ الْخَلْقِ وَغَضَبِ الرَّبِّ حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں. اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنے کے پہلے کے واقعات اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں. قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ ؛

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا. کہ آیت الکرسی میں مَنْ ذَا الَّذِیْ سے لے کر اِلَّا بِمَا شَآءَ تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان ہوئے. باقی اول و آخر میں صفات الٰہیہ ہیں. اس میں فرمایا گیا ہے. کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا. اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے. وہ حضور علیہ السلام ہیں. اور شفیع کے لئے ضروری ہے کہ گنہگاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہو تاکہ نااہل کی شفاعت نہ ہو جاوے. اور مستحق شفاعت اس سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لاعلاج مریضوں کو جانے تو فرمایا گیا یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ کہ جس کو ہم نے شفیع بنایا ہے اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے. کیونکہ شفاعت کبریٰ کے لئے علم غیب لازم ہے ؛

اس سے معلوم ہوا. کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ پہچانیں گے. یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں. کہ میرا انجام کیا ہوگا. محض غلط اور بے دینی ہے. جیسا کہ آئندہ آتا ہے وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے ؛

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے یَحْتَمِلُ اَنْ تَکُوْنَ الْھَاءُ کِنَایَۃً عَنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَعْنِیْ ھُوَ شَاھِدٌ عَلٰی اَحْوَالِھِمْ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ مِنْ سِیَرِھِمْ وَمُعَامَلَاتِھِمْ وَقَصَصِھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَۃِ وَاَحْوَالِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَالنَّارِ وَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا مِّنْ مَّعْلُوْمَاتِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ مِنْ مَّعْلُوْمَاتِہٖ عِلْمُ الْاَوْلِیَآءِ مِنْ عِلْمِ الْاَنْبِیَآءِ بِمَنْزِلَۃِ قَطْرَۃٍ مِّنْ سَبْعَۃِ اَبْحُرٍ وَعِلْمُ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ عِلْمِ نَبِیِّنَا عَلَیْہِ السَّلَامُ بِھٰذِہِ الْمَنْزِلَۃِ وَعِلْمُ نَبِیِّنَا مِنْ عِلْمِ الْحَقِّ سُبْحَانَہٗ بِھٰذِہِ الْمَنْزِلَۃِ فَکُلُّ رَسُوْلٍ وَّنَبِیٍّ وَّوَلِیٍّ اٰخِذُوْنَ بِقَدْرِ الْقَابِلِیَّۃِ وَالْاِسْتِعْدَادِ مِمَّا لَدَیْہِ وَلَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّتَعَدّٰی اَوْ یَتَقَدَّمَ عَلَیْہِ احتمال

یہ بھی ہے کہ اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہوں. یعنی حضور علیہ السلام لوگوں کے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔ اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں۔ ان کے اخلاق، اُن کے معاملات اور اُن کے قصے وغیرہ اور اُن کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں، آخرت کے احوال، جنتی، دوزخی لوگوں کے حالات اور وہ لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور چاہیں. اولیاء اللہ کا علم، علم انبیاء کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے۔ اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب العٰلمین کے علم کے سامنے اسی درجہ کا. پس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور سے ہی لیتے ہیں۔ اور کسی کو یہ ممکن نہیں. کہ حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے یَعْنِیْ اَنْ یُّطْلِعَہُمْ عَلَیْہِ وَھُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَالرُّسُلُ وَلِیَکُوْنَ مَایُطْلِعُھُمْ عَلَیْہِ مِنْ عِلْمِ غَیْبِہٖ دَلِیْلًا عَلٰی نُبُوَّتِہِمْ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی خدا تعالیٰ ان کو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے. اور وہ انبیاء و رسول ہیں تاکہ اُن کا علم غیب پر مطلع ہونا اُن کی نبوت کی دلیل ہو جیسے رب نے فرمایا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس رسول کے جس سے رب راضی ہے ؞

تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے یَعْنِیْ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِ الْغَیْبِ اِلَّا بِمَا شَآءَ مِمَّا اَخْبَرَبِہِ الرُّسُلُ یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے. مگر جس قدر کہ خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی ؞

اس آیت اور ان تفاسیر سے اتنا معلوم ہوا. کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مراد ہے کہ خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں. ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے. تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے. اور رب نے تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے ذریعہ سے بعض مومنین کو دیا. لہٰذا ان کو بھی بعطائے الٰہی علم غیب حاصل ہوا. کتنا دیا. اس کا ذکر آئندہ آوے گا ؞

یا یہ مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پا سکتا. مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرما دیں. لہٰذا از حضرت آدم تا روزِ قیامت جس کو جس قدر علم ملا. وہ حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے. اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے اور حضرت

آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم عَلَّمَ اٰدَمَ کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں ؁

(۵) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۔

اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تم کو غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے۔ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے ؁

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُؤْتِيَ اَحَدَكُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيَطَّلِعَ عَلٰى مَا فِي الْقُلُوْبِ مِنْ كُفْرٍ وَّاِيْمَانٍ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ لِرِسَالَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ فَيُوْحِيْ اِلَيْهِ وَيُخْبِرُهٗ بِبَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ اَوْ يَنْصِبُ لَهٗ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے۔ لیکن اللہ اپنی پیغمبری کے لئے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیوب کی ان کو خبر دیتا ہے یا ان کے لئے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں ؁ تفسیر خازن میں ہے لٰكِنَّ اللّٰهَ يَصْطَفِيْ وَيَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ فَيُطْلِعُهٗ عَلٰى بَعْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس ان کو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَاَمَّا مَعْرِفَةُ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِعْلَامِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْاَنْبِيَاۗءِ لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونے کے جان لینا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے (جمل) اَلْمَعْنٰى لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ اَنْ يَّصْطَفِيَ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ فَيُطْلِعُهٗ عَلَى الْغَيْبِ معنیٰ یہ ہیں۔ کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس ان کو غیب پر مطلع کرتا ہے (جلالین) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِقَ قَبْلَ التَّمْيِيْزِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ يَخْتَارُ مَنْ يَّشَاۗءُ فَيُطْلِعُ عَلٰى غَيْبِهٖ كَمَا اَطْلَعَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى حَالِ الْمُنَافِقِيْنَ خدا تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرنے کا تاکہ فرق کرنے سے پہلے منافقوں کو جان لو۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے۔ چھانٹ لیتا ہے۔ تو اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کے حال پر مطلع فرما دیا ؁ روح البیان میں ہے فَاِنَّ غَيْبَ الْحَقَائِقِ وَالْاَحْوَالِ لَا يَنْكَشِفُ بِلَا وَاسِطَةِ الرَّسُوْلِ کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر ہوتے بغیر رسول علیہ السلام کے واسطے سے ؁

اِس آیت کریمہ اور اِن تفاسیر سے معلوم ہوا۔ کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الٰہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ماکان ومایکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے ؎

(۶) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔ اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (جلالین) اَیْ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْغَيْبِ یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر) اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاَطْلَعَكَ عَلٰى اَسْرَارِهِمَا وَوَاقَفَكَ عَلٰى حَقَائِقِهِمَا اللہ نے آپ پر قرآن اُتارا اور حکمت اُتاری اور آپ کو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا اور ان کی حقیقتوں پر واقف کیا (خازن) يَعْنِيْ مِنْ اَحْكَامِ الشَّرْعِ وَاُمُوْرِ الدِّيْنِ وَقِيْلَ عَلَّمَكَ مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَقِيْلَ مَعْنَاهُ عَلَّمَكَ مِنْ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ وَاَطْلَعَكَ عَلٰى ضَمَائِرِ الْقُلُوْبِ وَعَلَّمَكَ مِنْ اَحْوَالِ الْمُنَافِقِيْنَ وَكَيْدِهِمْ یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں۔ اور کہا گیا ہے کہ آپ کو علم غیب میں سے وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ آپ کو چھپی چیزیں سکھائیں۔ اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا۔ اور منافقین کے مکر و فریب آپ کو بتا دیئے۔ (مدارک) مِنْ اُمُوْرِ الدِّيْنِ وَالشَّرَائِعِ اَوْ مِنْ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ وَضَمَائِرِ الْقُلُوْبِ دین اور شریعت کے امور سکھائے۔ اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتائے

تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں "آں علم ماکان ومایکون ہست کہ حق سبحانہ ورشب اسرا بداں حضرت عطا فرمود۔ چنانچہ در حدیث معراج ہست کہ من در زیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختند فعلمت ما کان وما یکون یہ ماکان اور مایکون کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے۔ کہ ہم عرش کے نیچے تھے کہ ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا پس ہم نے سارے گذشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیئے ؎

جامع البیان قَبْلَ نُزُوْلِ ذٰلِكَ مِنْ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں۔ جو قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ جانتے تھے ؎

اِس آیت اور اِن تفاسیر سے معلوم ہوا۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گذشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی۔ کلمہ مَا عربی زبان میں عموم کے لئے ہوتا ہے۔ تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام

دُنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا دیا۔ اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے۔ جو قرآن وحدیث اور اُمت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

(۷) مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ ہم نے اس کتاب میں کچھ اُٹھا نہ رکھا۔

(خازن) اِنَّ الْقُرْاٰنَ مُشْتَمِلٌ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَحْوَالِ قرآن کریم تمام حالات پر شامل ہے۔

تفسیر انوار التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے یَعْنِی اللَّوْحَ الْمَحْفُوْظَ فَاِنَّہٗ مُشْتَمِلٌ عَلٰی مَا یَجْرِیْ فِی الْعَالَمِ مِنْ جَلِیْلٍ وَّدَقِیْقٍ لَمْ یُہْمَلْ فِیْہِ اَمْرُ حَیْوَانٍ وَّلَا جَمَادٍ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ کیونکہ یہ لوح محفوظ ان تمام باتوں پر مشتمل ہے جو عالم میں ہوتا ہے ہر ظاہر اور باریک اس میں کسی حیوان اور جماد کا معاملہ چھوٹا نہ گیا۔ تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَیْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ ذِکْرَ اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ لٰکِنْ لَّا یُبْصِرُ ذِکْرَہٗ فِی الْکِتٰبِ اِلَّا الْمُؤَیَّدُوْنَ بِاَنْوَارِ الْمَعْرِفَۃِ یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ چھوڑا ہے۔ لیکن اُس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا مگر وہ جن کی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔ امام شعرانی طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں۔ ماخوذ از ادخال السنان صفحہ ۵۵ لَوْ فَتَحَ اللّٰہُ عَنْ قُلُوْبِکُمْ اَقْفَالَ السُّدَدِ لَاطَّلَعْتُمْ عَلٰی مَا فِی الْقُرْاٰنِ مِنَ الْعُلُوْمِ وَاسْتَغْنَیْتُمْ عَنِ النَّظْرِ فِیْ سِوَاہُ فَاِنَّ فِیْہِ جَمِیْعَ مَا رُقِمَ فِیْ صَفْحَاتِ الْوُجُوْدِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ اگر خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو تم اُن علموں پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن میں ہیں۔ اور تم قرآن کے سوا دوسری چیز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔ کیونکہ قرآن میں تمام وہ چیزیں ہیں جو وجود کے صفحوں میں لکھی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ۔

اس آیت اور ان تفسیروں سے معلوم ہوا۔ کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں اب کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا لوح محفوظ۔ اور قرآن بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں ہے اور لوح محفوظ بھی۔ جیسا کہ آئندہ آوے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا و آخرت کے حالات حضور علیہ السلام کے علم میں ہوئے۔ کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن و لوح محفوظ حضور کے علم میں

(۸) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۝ اور نہیں ہے کوئی تر اور خشک جو روشن

کتاب میں نہ لکھا ہو + (روح البیان) هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ فَقَدْ ضَبَطَ اللّٰهُ فِيْهِ جَمِيْعَ الْمَقْدُوْرَاتِ الْكَوْنِيَّةِ لِفَوَائِدَ تَرْجِعُ اِلَى الْعِبَادِ يَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ نے اس میں ساری ہو سکنے والی چیزیں جمع فرما دیں اُن فائدوں کی وجہوں سے جو بندوں کی طرف لوٹتے ہیں اُن کو علمائے ربانی جانتے ہیں + تفسیر کبیر یہ ہی آیت وَفَائِدَةُ هٰذَا الْكِتَابِ اُمُوْرٌ اَحَدُهَا اَنَّهٗ تَعَالٰى كَتَبَ هٰذِهِ الْاَحْوَالَ فِى اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِتَقِفَ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى نَفَاذِ عِلْمِ اللّٰهِ فِى الْمَعْلُوْمَاتِ فَيَكُوْنَ ذٰلِكَ عِبْرَةً تَامَّةً كَامِلَةً لِلْمَلٰٓئِكَةِ الْمُوَكَّلِيْنَ بِاللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِاَنَّهُمْ يُقَابِلُوْنَ بِهٖ مَا يَحْدُثُ فِىْ صَحِيْفَةِ هٰذَا الْعَالَمِ فَيَجِدُوْنَهٗ مُوَافِقًا لَّهٗ اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لئے لکھا تھا تاکہ ملائکہ خبردار ہو جائیں ان معلومات میں علم الہٰی جاری ہونے پر پس یہ بات ان فرشتوں کے لئے پوری پوری عبرت بن جاوے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں۔ کیونکہ وہ فرشتے ان واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرتے ہیں جو عالم میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں۔ تو اس کو لوح محفوظ کے موافق پاتے ہیں +

تفسیر خازن یہ ہی آیت وَالثَّانِىْ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ لِاَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ فِيْهِ عِلْمَ مَا يَكُوْنُ وَمَا قَدْ كَانَ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَفَائِدَةُ اِحْصَاءِ الْاَشْيَاءِ كُلِّهَا فِىْ هٰذَا الْكِتَابِ لِتَقِفَ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى اِنْفَاذِ عِلْمِهٖ دوسری توجیہ یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہوگا اور جو کچھ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکا سب کا علم لکھ دیا۔ اور ان تمام چیزوں کے لکھنے سے اس کتاب میں فائدہ یہ ہے۔ کہ فرشتے اس کے علم کے جاری کرنے پر واقف ہو جائیں + تفسیر مدارک یہ ہی آیت دَ هُوَ عِلْمُ اللّٰهِ اَوِ اللَّوْحُ وہ کتاب یا تو علم الہٰی ہے یا لوح محفوظ + تفسیر تنویر المقیاس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے كُلُّ ذٰلِكَ فِى اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مُبَيَّنٌ مِقْدَارُهَا وَوَقْتُهَا یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں۔ کہ ان کی مقدار اور اُن کا وقت بیان کر دیا گیا ہے +

اِس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا۔ کہ لوح محفوظ میں ہر خشک و تر ادنیٰ و اعلیٰ چیز ہے اور لوح محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں۔ اور علم مصطفےٰ علیہ السلام ان سب کو محیط ہے۔ لہٰذا یہ تمام علوم علم مصطفےٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں +

(۹) نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور ہم نے تم پر یہ قرآن اُتارا۔ کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے + تفسیر حسینی یہ ہی آیت نَزَّلْنَا فرستادیم عَلَيْكَ الْكِتَابَ بر تو قرآن تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ بیان روشن برائے ہمہ چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال + ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین و دنیا کی ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیلی و اجمالی + تفسیر روح البیان یہ ہی آیت يَتَعَلَّقُ بِأُمُوْرِ الدِّيْنِ وَمِنْ ذٰلِكَ اَحْوَالُ الْاُمَمِ وَاَنْبِيَاۗءِهِمْ اُس کے بیان کے لئے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں اور اُس میں سے اُمتوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات ہیں + تفسیر اتقان یہ ہی آیت قَالَ الْمُجَاهِدُ يَوْمًا مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ اِلَّا هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقِيْلَ لَهٗ فَاَيْنَ ذِكْرُ الْخَانَاتِ فَقَالَ فِيْ قَوْلِهٖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ + حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا۔ کہ عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ تو اُن سے کہا گیا کہ سرایوں کا ذکر کہاں ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اِس آیت میں ہے۔ کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم اُن گھروں میں داخل ہو جس میں کوئی رہتا نہ ہو۔ اور تمہارا وہاں سامان ہو +

اِس آیت اور اِن تفاسیر سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن کریم میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ چیز ہے۔ اور قرآن رب تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ یہ تمام چیزیں علم مصطفےٰ علیہ السلام میں آئیں

(۱۰) وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں + جلالین یہ ہی آیت تَفْصِيْلَ الْكِتَابِ تُبَيِّنُ مَا كَتَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْاَحْكَامِ وَغَيْرِهَا یہ تفصیلی کتاب ہے اس میں وہ احکام اور ان کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں + جُمل یہ ہی آیت اَيْ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ یعنی لوح محفوظ میں تمام تفصیل ہے + روح البیان یہ ہی آیت اَيْ وَتَفْصِيْلَ مَا حُقِّقَ وَاُثْبِتَ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالشَّرَائِعِ وَفِي التَّاوِيْلَاتِ النَّجْمِيَّةِ اَيْ تَفْصِيْلَ الْجُمْلَةِ الَّتِيْ هِيَ الْمُقَدَّرُ الْمَكْتُوْبُ فِي الْكِتَابِ الَّذِيْ لَا يَتَطَرَّقُ اِلَيْهِ الْمَحْوُ وَالْاِثْبَاتُ لِاَنَّهٗ اَزَلِيٌّ اَبَدِيٌّ یعنی یہ قرآن اُن شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو ثابت کی جا چکی ہیں۔ اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اُس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آچکی ہیں۔ اور اس کتاب میں لکھی جا چکی ہیں۔ جس میں ردّ و بدل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ کتاب ازلی و ابدی ہے +

اِس آیت و تفسیر سے ثابت ہُوا کہ قرآن کریم میں احکامِ شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں + اِس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے۔ اور لوحِ محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ اور قرآن حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اَلرَّحْمٰنُ ؕ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لہٰذا سارے لوحِ محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے۔ کیونکہ قرآن لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے +

(۱۱) مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَیْءٍ

یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصّل بیان +

تفسیر خازن یہ ہی آیت يَعْنِیْ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ الْمُنَزَّلِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ تَفْصِيْلُ كُلِّ شَیْءٍ تَحْتَاجُ اِلَيْهِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْحُدُوْدِ وَالْاَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ وَالْاَمْثَالِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْعِبَادُ فِیْ اَمْرِ دِيْنِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ یعنی اُس قرآن میں جو آپ پر اُتارا گیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر اُس چیز کی تفصیل ہے۔ جس کی آپ کو ضرورت ہو، حلال اور حرام سزائیں اور احکام اور قصّے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ اِن کے علاوہ اور وہ چیزیں جن کی بندوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے + تفسیر حسینی وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَیْءٍ وبیان ہمہ چیزہا کہ محتاج باشد در دین و دنیا یعنی اس قرآن میں ہر اُس چیز کا بیان ہے جس کی دین و دنیا میں ضرورت ہو + کتاب الاعجاز لابن سراقہ مَا مِنْ شَیْءٍ فِی الْعَالَمِ اِلَّا هُوَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ تعالیٰ عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو +

(۱۲) اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمدؐ کو پیدا کیا ماکان ومایکون کا بیان اُن کو سکھایا +

تفسیر معالم التنزیل و حسینی یہ ہی آیت خَلَقَ الْاِنْسَانَ اَیْ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِیْ بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی باتوں کا بیان سکھا دیا + تفسیر خازن یہ ہی آیت قِيْلَ اَرَادَ بِالْاِنْسَانِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِیْ بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ نُبِّئَ عَنْ خَبَرِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَنْ يَّوْمِ الدِّيْنِ کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اُن کو اگلے پچھلے اُمور کا بیان سکھا دیا گیا کیونکہ

حضور علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی + روح البیان یہ ہی آیت وَعَلَّمَ نَبِیَّنَا عَلَیْہِ السَّلَامُ الْقُرْاٰنَ وَاَسْرَارَ الْاُلُوْھِیَّۃِ کَمَا قَالَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیئے جیسا کہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے + تفسیر مدارک یہ ہی آیت اَلْاِنْسَانَ اَیِ الْجِنْسَ اَوْ اٰدَمُ اَوْ مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور علیہ السلام + معالم التنزیل یہ ہی آیت وَقِیْلَ الْاِنْسَانُ ھٰھُنَا مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَبَیَانُہٗ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے + تفسیر حسینی یہ ہی آیت یا وجود محمدؐ را بیاموزاند وے را بیان آنچہ بود وہست و باشد۔ یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو اور سکھایا اُن کو جو ہو چکا ہے یا ہوگا +

ان آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا +

(۱۳) مَا اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں +

تفسیر روح البیان یہ ہی آیت بِمَسْتُوْرٍ عَمَّا کَانَ فِی الْاَزَلِ وَمَا سَیَکُوْنُ اِلَی الْاَبَدِ لِاَنَّ الْجِنَّ ھُوَ السَّتْرُ بَلْ اَنْتَ عَالِمٌ بِمَا کَانَ وَخَبِیْرٌ بِمَا سَیَکُوْنُ یعنی آپ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں ہیں جو ازل میں تھیں اور وہ جو ابد تک ہوں گی کیونکہ جن کے معنیٰ ہیں چھپنا بلکہ آپ اُس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور خبردار ہیں اُس سے جو ہوگا +

اس آیت و تفسیر سے علم غیب کلّی ثابت ہوا +

(۱۴) وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ اور اے محبوب اگر تم اُن سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے +

تفسیر درمنثور و طبری یہ ہی آیت عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ قَالَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ یُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ اَنَّ نَاقَۃَ فُلَانٍ بِوَادِ کَذَا وَکَذَا فِیْ یَوْمِ کَذَا وَکَذَا وَمَا یُدْرِیْہِ بِالْغَیْبِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اس آیت کے

نزول کے بارے میں وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے۔ اُن کو غیب کی کیا خبر۔

اِس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا۔ جس کو قرآن نے کفر قرار دیا۔

(۱۵) فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ تو اپنے غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

تفسیر کبیر یہ ہی آیت اَیْ وَقْتُ وُقُوْعِ الْقِیٰمَۃِ مِنَ الْغَیْبِ الَّذِیْ لَا یُظْہِرُہُ اللّٰہُ لِاَحَدٍ فَاِنْ قِیْلَ فَاِذَا حَمَلْتُمْ ذٰلِکَ عَلَی الْقِیٰمَۃِ فَکَیْفَ قَالَ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مَعَ اَنَّہٗ لَا یُظْہِرُ ھٰذَا الْغَیْبَ لِاَحَدٍ قُلْنَا بَلْ یُظْہِرُہٗ عِنْدَ قُرْبِ الْقِیٰمَۃِ یعنی قیامت کے آنے کا وقت اُن غیبوں میں سے ہے جسکو اللہ نے کسی پر ظاہر نہیں فرماتا۔ پس اگر کہا جاوے کہ جب تم نے اِس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا۔ تو اب رب تعالیٰ یہ کیسے فرمایا مگر پسندیدہ رسولوں کو حالانکہ یہ غیب تو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا۔ تو ہم کہیں گے کہ رب تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرما دیگا۔ تفسیر عزیزی صفحہ ۱۷۳۔ آنچہ بہ نسبت ہمہ مخلوقات غائب است غائب مطلق است مثل وقتِ آمدنِ قیامت و احکام تکوینیہ و شرعیہ باری تعالیٰ در ہر روز و ہر شریعت و مثل حقائق ذات و صفات او تعالیٰ علی سبیل التفصیل ایں قسم را غیب خاص او تعالیٰ نیز می نامند فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖۤ اَحَدًا پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہیچکس را مگر کسی را کہ پسند می کند و آں کس رسول باشد خواہ از جنس ملک و خواہ از جنس بشر مثل حضرت مصطفےٰ علیہ السلام اورا اظہار بعضے از غیوب خاصہ خود می فرماید۔" جو چیز تمام مخلوقات سے غائب ہو وہ غائب مطلق ہے۔ جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور روزانہ اور ہر شریعت کے پیدائشی اور شرعی احکام اور جیسے پروردگار کی ذات وصفات بطریق تفصیل۔ اس قسم کو رب تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں پس اپنے خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا اُس کے سوا جس کو پسند فرما دے۔ اور وہ رسول ہوتے ہیں خواہ فرشتے کی جنس سے ہوں یا انسان کی جنس سے جیسے حضرت مصطفےٰ علیہ السلام اُن کو اپنے بعض خاص غیب پر ظاہر فرماتا ہے۔ تفسیر خازن یہ ہی آیت اِلَّا مَنْ یَّصْطَفِیْہِ لِرِسَالَتِہٖ وَ نُبُوَّتِہٖ فَیُظْہِرُہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنَ الْغَیْبِ حَتّٰی یَسْتَدِلَّ عَلٰی نُبُوَّتِہٖ بِمَا یُخْبِرُ بِہٖ

مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ مُعْجِزَةً لَّهٗ سوا اس کے جس کو اپنی نبوت اور رسالت کے لیے چن لے پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب. تاکہ ان کی نبوت پر دلیل پکڑی جاوے ان غیب چیزوں سے جس کی وہ خبر دیتے ہیں. پس یہ ان کا معجزہ ہوتا ہے ۔ روح البیان یہی آیت قَالَ ابْنُ الشَّيْخِ اَنَّهٗ تَعَالٰى لَا يُطْلِعُ عَلَى الْغَيْبِ الَّذِىْ يَخْتَصُّ بِهٖ تَعَالٰى عِلْمُهٗ اِلَّا الْمُرْتَضٰى الَّذِىْ يَكُوْنُ رَسُوْلًا وَمَا لَا يَخْتَصُّ بِهٖ يُطْلِعُ عَلَيْهِ غَيْرَ الرَّسُوْلِ ابن شیخ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو اس سے خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسول کے اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرما دیتا ہے ۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتّٰی کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا. اب کیا شے ہے جو علم مصطفٰے علیہ السلام سے باقی رہ گئی ۔

(۱۶) فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی ۔

مدارج النبوۃ جلد اوّل وصل رویۃ الٰہی میں ہے فَاَوْحٰى الآیہ بتمام علوم و معارف وحقائق و بشارات اور اشارات، اخبار و آثار و کرامات و کمالات دراحیطۂ ایں ابہام داخل است و ہمہ را شامل و کثرت و عظمت اوست کہ مبہم آورد و بیان نہ کرد اشارات بآنکہ جز علم علام الغیوب و رسولِ محبوب بہ آں محیط نتواند شد مگر آنچہ آں حضرت بیان کردہ ۔ معراج میں رب نے حضور علیہ السلام پر جو سارے علوم اور معرفت اور بشارتیں اور اشارے اور خبریں اور کرامتیں و کمالات وحی فرمائے وہ اس ابہام میں داخل ہیں اور سب کو شامل ہیں. ان کی زیادتی اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیزوں کو بطورِ ابہام ذکر کیا بیان نہ فرمایا. اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان علومِ غیبیہ کو سوائے رب تعالیٰ اور محبوب علیہ السلام کے کوئی نہیں احاطہ کر سکتا. ہاں جس قدر حضور نے بیان فرمایا وہ معلوم ہے ۔

اس آیت اور عبارت سے معلوم ہوا کہ معراج میں حضور علیہ السلام کو وہ وہ علوم عطا ہوئے جن کو نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ کسی کے خیال میں آ سکتے ہیں ماکان و مایکون تو صرف بیان کے لئے ہے ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی عطا ہوئی ۔

(۱۷) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝ اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ۔

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہو. اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

لوگوں کو اس سے مطلع فرما دیتے ہوں ۔

معالم التنزیل یہ ہی آیت عَلَى الْغَيْبِ وَخَبَرِ السَّمَاءِ وَمَا اطُّلِعَ عَلَيْهِ مِنَ الْاَخْبَارِ وَ الْقَصَصِ بِضَنِيْنٍ اَىْ بِبَخِيْلٍ يَقُوْلُ اِنَّهٗ يَاْتِيْهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ وَلَا يَكْتُمُهٗ كَمَا يَكْتُمُ الْكَاهِنُ حضور علیہ السلام غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور اُن خبروں وقصّوں پر بخیل نہیں ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے ۔ پس وہ اس میں تم پر بخل نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کاہن چھپاتے ہیں ویسے نہیں چھپاتے ۔ خازن یہ ہی آیت يَقُوْلُ اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَاْتِيْهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں ۔ اس آیت وعبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو علم غیب سکھاتے ہیں ۔ اور سکھائے گا وہ ہی جو خود جانتا ہوگا ۔

(۱۸) وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اور اُن کو اپنا علم لدنّی عطا کیا یعنی حضرت خضر کو ۔

بیضاوی یہ ہی آیت اَىْ مِمَّا يَخْتَصُّ بِنَا وَلَا يُعْلَمُ اِلَّا بِتَوْفِيْقِنَا وَهُوَ عِلْمُ الْغُيُوْبِ حضرت خضر کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے ۔ تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا كَانَ رَجُلًا يَعْلَمُ عِلْمَ الْغَيْبِ قَدْ عَلِمَ ذٰلِكَ حضرت خضر نے فرمایا تھا موسیٰ علیہ السلام سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے ۔ وہ خضر علم غیب جانتے تھے کہ انہوں نے یہ جان لیا ۔ روح البیان یہ ہی آیت هُوَ عِلْمُ الْغُيُوْبِ وَالْاِخْبَارُ عَنْهَا بِاِذْنِهٖ تَعَالٰى مَاذَهَبَ اِلَيْهِ اِبْنُ عَبَّاسٍ حضرت خضر کو جو لدنّی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے ۔ اور اس غیب کے متعلق خبر دینا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے ہیں ۔ تفسیر مدارک یہ ہی آیت يَعْنِى الْاِخْبَارَ بِالْغُيُوْبِ وَقِيْلَ الْعِلْمُ اللَّدُنِّيُّ مَا حَصَلَ لِلْعَبْدِ بِطَرِيْقِ الْاِلْهَامِ یعنی حضرت خضر کو غیب کی خبریں ہیں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنّی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو ۔ تفسیر خازن یہ ہی آیت اَىْ عِلْمَ الْبَاطِنِ اِلْهَامًا یعنی حضرت خضر کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا ۔

اِس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا

تھا جس سے لازم آیا۔ کہ حضور علیہ السلام کو بھی علمِ غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الٰہی سے زیادہ عالم ہیں۔ اور خضر بھی مخلوق ہیں علیہ السلام ٭

(۱۹) وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ٭

تفسیر خازن یہ ہی آیت اُقِيْمَ عَلٰى صَخْرَةٍ وَكُشِفَ لَهٗ عَنِ السَّمٰوٰتِ حَتّٰى رَاَى الْعَرْشَ وَالْكُرْسِيَّ وَمَا فِي السَّمٰوٰتِ وَكُشِفَ لَهٗ عَنِ الْاَرْضِ حَتّٰى نَظَرَ اِلٰى اَسْفَلِ الْاَرَضِيْنَ وَرَاٰى مَا فِيْهَا مِنَ الْعَجَائِبِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ پر کھڑا کیا گیا اور ان کے لئے آسمان کھول دیئے گئے یہاں تک کہ انہوں نے عرش وکرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کے لئے زمین کھولی گئی یہاں تک کہ انہوں نے زمینوں کی نیچی زمین اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔

تفسیر مدارک یہ ہی آیت قَالَ مُجَاهِدٌ فُرِجَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ فَنَظَرَ اِلٰى مَا فِيْهِنَّ حَتّٰى اِنْتَهٰى نَظَرُهٗ اِلَى الْعَرْشِ وَفُرِجَتْ لَهُ الْاَرْضُوْنَ السَّبْعُ حَتّٰى نَظَرَ اِلٰى مَا فِيْهِنَّ مجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچ گئی۔ اور ان کے لئے سات زمینیں کھولی گئیں کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں ٭ روح البیان یہ ہی آیت "عجائب وبدائع آسمانہا وزمین ہا از ذروۂ عرش تا تحت الثریٰ بروے منکشف ساختہ" ابراہیم علیہ السلام کو آسمان و زمین کی عجائبات وغرائبات دکھائے اور عرش کی بلندی سے تحت الثریٰ تک کھول دیا ٭ تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَنَّهٗ جُلِّيَ لَهُ الْاَمْرُ سِرُّهٗ وَعَلَانِيَتُهٗ فَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ اَعْمَالِ الْخَلَائِقِ حضرت ابراہیم پر کھلی و پوشیدہ تمام چیزیں کھل گئیں۔ پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپا نہ رہا ٭ تفسیر کبیر یہ ہی آیت اِنَّ اللّٰهَ شَقَّ لَهُ السَّمٰوٰتِ حَتّٰى رَاَى الْعَرْشَ وَالْكُرْسِيَّ وَاِلٰى حَيْثُ يَنْتَهِيْ اِلَيْهِ فَوْقِيَّةُ الْعَالَمِ الْجِسْمَانِيِّ وَرَاَى مَا فِي السَّمٰوٰتِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْبَدَائِعِ وَرَاَى مَا فِي بَطْنِ الْاَرْضِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے لئے آسمانوں کو چیر دیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش وکرسی اور جہاں تک جسمانی عالم کی فوقیت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور وہ عجیب وغریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں اور

وہ عجیب وغریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے پیٹ میں ہیں +

اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہوا۔ کہ از عرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھلائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی۔ اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ تو ماننا پڑے گا۔ کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم عطا ہوئے +

خیال رہے کہ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آگئی۔ اور لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے۔ لہٰذا ماکان ومایکون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا۔ اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے +

(۲۰) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ اس کی تفسیر میں روح البیان وکبیر وخازن میں ہے۔ کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ میں تمہیں کھانے کے گذشتہ وآئندہ کے سارے حالات بتا سکتا ہوں۔ کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائیگا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو۔ پھر فرماتے ہیں ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ یہ علم تو میرے علوم کا بعض حصہ ہے۔ اب بتاؤ کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یوسفی تو علم مصطفےٰ کے سمندر کا قطرہ ہے + اور عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا۔ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ جمع کرتے ہو + دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں عیسٰی علیہ السلام موجود نہیں تھے اور اس کی خبر آپ باہر دے رہے ہیں۔ یہ ہے علم غیب +

تتمہ۔ مخالفین سے ان دلائل کے جواب کچھ نہیں بنتے۔ صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ جن آیات میں كُلُّ شَيْءٍ کا ذکر ہوا یا فرمایا گیا مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ان میں مراد شریعت کے احکام ہیں نہ اور چیزیں۔ اس کے لئے چند دلائل لاتے ہیں :-

(۱) كُلُّ شَيْءٍ غیر متناہی (بے انتہا) ہیں۔ اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہونا منطقی قاعدے سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل سے +

(۲) بہت سے مفسرین نے بھی كُلُّ شَيْءٍ کے معنے کئے ہیں مِنْ اُمُوْرِ الدِّيْنِ یعنی دین کے احکام جیسے جلالین وغیرہ +

(۳) قرآن پاک میں بہت سی جگہ کُلِّ شَیْءٍ فرمایا گیا ہے. مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں. جیسے وَ اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ. بلقیس کو کُلِّ شَیْءٍ دی گئی. حالانکہ بلقیس کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں،

مگر یہ دلائل نہیں صرف غلط فہمی ہے اور دھوکا. ان کے جوابات یہ ہیں :-

عربی زبان میں کلمۂ کُل اور کلمۂ مَا عموم کے لئے آتے ہیں. اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس میں کوئی قید لگانا محض اپنی قیاس سے جائز نہیں. قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث احاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے ۔

(۱) کُلِّ شَیْءٍ غیر متناہی نہیں بلکہ متناہی ہیں. تفسیر کبیر زیر آیت وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ہے قُلْنَا لَاشَكَّ اَنَّ اِحْصَاءَ الْعَدَدِ اِنَّمَا یَكُوْنُ فِی الْمُتَنَاهِیْ فَاَمَّا لَفْظَةُ كُلِّ شَیْءٍ فَاِنَّهَا لَا تَدُلُّ عَلٰی كَوْنِهٖ غَیْرَ مُتَنَاهٍ لِاَنَّ الشَّیْءَ عِنْدَنَا هُوَ الْمَوْجُوْدَاتُ وَالْمَوْجُوْدَاتُ مُتَنَاهِیَةٌ فِی الْعَدَدِ اس میں شک نہیں کہ عدد سے شمار کرنا متناہی چیزیں ہو سکتا ہے. لیکن لفظ کُلِّ شَیْءٍ اس شَیْءٍ کے غیر متناہی ہونے پر دلالت نہیں کرتا. کیونکہ ہمارے نزدیک شَیْءٍ موجودات ہی ہیں اور موجود چیزیں متناہی ہیں شمار میں + تفسیر روح البیان میں اسی آیت وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ کے ماتحت فرمایا وَهٰذِهِ الْاٰیَةُ مِمَّا یُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلٰی اَنَّ الْمَعْدُوْمَ لَیْسَ بِشَیْءٍ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ شَیْئًا لَكَانَتِ الْاَشْیَاءُ غَیْرَ مُتَنَاهِیَةٍ وَكَوْنُهٗ اَحْصٰی عَدَدَهَا یَقْتَضِیْ كَوْنَهَا مُتَنَاهِیَةً لِاَنَّ اِحْصَاءَ الْعَدَدِ اِنَّمَا یَكُوْنُ فِی الْمُتَنَاهِیْ اس آیت سے اس پر بڑی دلیل پکڑی جاتی ہے کہ معدوم (غیر موجود) شئ نہیں ہے. کیونکہ اگر وہ بھی شئ ہوتی. تو چیزیں غیر متناہی (بے انتہا) ہو جاتیں. اور چیزوں کا شمار میں آنا چاہتا ہے. کہ چیزیں متناہی ہوں. کیونکہ عدد سے شمار متناہی کی ہو سکتی ہے ۔

(۲) اگر بعض سے مفسرین نے کُلِّ شَیْءٍ سے صرف شریعت کے احکام مراد لئے ہیں تو بہت سے مفسرین نے کُلی علم غیب بھی مراد لیا ہے. اور جبکہ بعض دلائل نفی کے ہوں اور بعض ثبوت کے. تو ثبوت والوں کو ہی اختیار کیا جاتا ہے ۔

نور الانوار بحث تعارض میں ہے وَالْمُثْبِتُ اَوْلٰی مِنَ النَّافِیْ ثابت کرنے والے دلائل نفی کرنے والے سے زیادہ بہتر ہیں. تو جن تفسیروں کے حوالہ ہم پیش کر چکے ہیں. چونکہ ان میں زیادہ کا ثبوت ہے لہٰذا وہ ہی قابل قبول ہیں. نیز کُلِّ شَیْءٍ کی تفسیر خود احادیث اور علمائے اُمت کے اقوال سے ہم بیان

کرینگے کہ کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آگیا ہو۔ اور ہم مقدمہ کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالحدیث اور تفسیروں سے بہتر ہے۔ لہٰذا احدیث ہی کی تفسیر مانی جاوے گی ؀

نیز جن مفسرین نے امور دین سے تفسیر کی انہوں نے بھی دوسری چیزوں کی نفی تو نہ کی۔ لہٰذا تم نفی کہاں سے نکالتے ہو؟ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی کیسے ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے تَقِيْكُمُ الْحَرَّ یعنی تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ تو کیا کپڑے سردی سے نہیں بچاتے؟ مگر ایک چیز کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز دین تو سب ہی کو شامل ہے۔ عالم کی کونسی چیز ایسی ہے جس پر دین کے احکام حرام حلال وغیرہ جاری نہیں ہوتے۔ تو اُن کا یہ فرمانا کہ دینی علم مکمل کر دیا سب کو شامل ہے ؀

(۳) بلقیس وغیرہ کے قصہ میں جو كُلِّ شَيْءٍ آیا ہے وہاں قرینہ موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں كُلِّ شَيْءٍ سے مراد سلطنت کے کاروبار کی کل چیزیں ہیں۔ اس لئے وہاں گویا مجازی معنٰی مراد لئے گئے۔ یہاں کونسا قرینہ ہے جس کی وجہ سے كُلِّ شَيْءٍ کے حقیقی معنٰی چھوڑ کر مجازی معنٰی مراد لئے جاویں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے ہُد ہُد کا قول نقل فرمایا۔ کہ اس نے کہا اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ بلقیس کو ہر چیز دی گئی خود رب نے یہ خبر نہ دی۔ ہُد ہُد سمجھا کہ بلقیس کو دنیا بھر کی تمام چیزیں مل گئیں۔ مگر مصطفٰے علیہ السلام کے لئے خود رب تعالٰی نے فرمایا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ ہُد ہُد غلطی کر سکتا ہے۔ رب کا کلام غلط نہیں ہو سکتا اُس نے تو یہ بھی کہا تھا وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ۔ کیا تخت بلقیس عرش عظیم تھا۔ بلکہ قرآن کی اور آیتیں تو بتا رہی ہیں۔ کہ كُلِّ شَيْءٍ سے مراد یہاں عالم کی تمام چیزیں ہیں۔ فرماتا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ یا قرآن کریم میں نہ ہو۔ پھر آنے والی احادیث اور علماء اور محدثین کے قول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا حضور علیہ السلام کو علم دیا گیا۔ ہم حاضر و ناظر کی بحث میں انشاء اللہ بتائیں گے۔ کہ تمام عالم ملک الموت کے سامنے ایسا ہے جیسا ایک طشت۔ اور ابلیس آن کی آن میں تمام زمین کا چکر لگا لیتا ہے۔ اور یہ دیوبندی بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ساری مخلوقات سے زیادہ حضور علیہ السلام کا علم ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کو بھی ان چیزوں کا علم ہو۔ حضرت آدم اور کاتب تقدیر فرشتہ کا علم ہم علوم خمسہ کی بحث میں بتائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ سارے علوم خمسہ اِن کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام تو ساری مخلوق سے زیادہ عالم۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم بلکہ اس سے زیادہ ماننا پڑیں گے۔ ہمارا مدعٰی

ہر حال میں ثابت ہے وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ؂

دوسری فصل. علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اِس فصل میں ہم نمبروار احادیث بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی نمبروں کی ترتیب سے تیسری فصل میں اُن حدیثوں کی شرح بیان کریں گے :-

(۱) بخاری کتاب بدء الخلق اور مشکوٰۃ جلد دوم باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء میں حضرت فاروق سے روایت ہے قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ مَنَازِلَھُمْ وَاَھْلُ النَّارِ مَنَازِلَھُمْ حَفِظَ ذٰلِکَ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ حضور علیہ السلام نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا پس ہم کو ابتداء پیدائش کی خبر دے دی یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی منزلوں میں. جس نے یاد رکھا اُس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا ؂ اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی ۱؎ عالم کی پیدائش کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ ۲؎ پھر عالم کی انتہاء کس طرح ہو گی. یعنی از روزِ ازل تا قیامِ قیامت ایک ایک ذرہ و قطرہ بیان کر دیا ؂

(۲) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمرو ابن اخطب اسی طرح منقول ہے مگر اس میں اتنا اور ہے فَاَخْبَرَنَا بِمَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت ہونیوالے ہیں. پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو زیادہ ان باتوں کا حافظ ہے ؂

(۳) مشکوٰۃ باب الفتن میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت حذیفہ ہے مَا تَرَکَ شَیْئًا یَکُوْنُ فِیْ مَقَامِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا حَدَّثَ بِہٖ حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی چیز نہ چھوڑی. مگر اُس کی خبر دے دی. جس نے یاد رکھا، یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا ؂

(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَھَا اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی پس مَیں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا ؂

(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبد الرحمان بن عائش سے روایت ہے رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَوَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُّ بَرْدَھَا بَیْنَ ثَدَیَّ فَعَلِمْتُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔ رب تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت ہمارے سینہ پر رکھا جس کی ٹھنڈک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان وزمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔

(۶) شرح مواہب لدنیہ للزرقانی میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت سے ہے اِنَّ اللّٰہَ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرما دیا۔ پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت ہونیوالی ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَّعَرَفْتُ پس ہمارے لئے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور ہم نے پہچان لیا۔

(۸) مسند امام احمد ابن حنبل میں بروایت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے لَقَدْ تَرَکَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَمَا یُحَرِّکُ طَائِرٌ جَنَاحَیْہِ اِلَّا ذَکَرَ لَنَا مِنْہُ عِلْمًا ہم کو حضور علیہ السلام نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا۔ مگر اُس کا ہم کو علم بتا دیا۔

(۹) مشکوٰۃ باب الفتن فصل ثانی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَۃٍ اِلٰی اَنْ تَنْقَضِیَ الدُّنْیَا یَبْلُغُ مَنْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاہُ لَنَا بِاِسْمِہٖ وَاِسْمِ اَبِیْہِ وَاِسْمِ قَبِیْلَتِہٖ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ نہیں چھوڑا حضور علیہ السلام نے کسی فتنہ چلانے والے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے یا زیادہ تک پہنچے گی۔ مگر ہم کو اُس کا نام اُس کے باپ کا نام اُس کے قبیلے کا نام بتا دیا۔

(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے خُفِّفَ عَلٰی دَاؤُدَ الْقُرْاٰنُ فَکَانَ یَاْمُرُ دَوَابَّہٗ فَتُسْرَجُ فَیَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین لگانے کا حکم دیتے تھے تو آپ ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔

یہ حدیث اِس جگہ اس لئے بیان کی گئی۔ کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں ازازل تا آخر واقعات بیان فرما دیئے۔ تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا جیسا کہ حضرت داؤد آن کی آن میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے

(۱۱) مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے تَلِدُ فَاطِمَۃُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ غُلَامًا یَکُوْنُ فِیْ حِجْرِکَ
حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ فاطمہ زہرا کے فرزند پیدا ہوگا جو تمہاری پرورش میں رہے گا۔

(۱۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَیْنِ یُعَذَّبَانِ فَقَالَ اِنَّھُمَا یُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَۃً وَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا حضور علیہ السلام دو قبروں پر گذرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ اور کسی دشوار بات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا۔ اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ پھر ایک تر شاخ لے کر اس کو آدھا آدھا چیرا۔ پھر ہر قبر میں ایک ایک گاڑ دیا۔ اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے۔ ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔

(۱۳) بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور تفسیر خازن میں زیر آیت لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ ہے قَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَذَکَرَ السَّاعَۃَ وَذَکَرَ اَنَّ بَیْنَ یَدَیْھَا اُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ اَحَبَّ اَنْ یَّسْئَالَ عَنْ شَیْءٍ فَلْیَسْئَلْ عَنْہُ فَوَاللّٰہِ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ مَا دُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ اَیْنَ مُدْخَلِیْ قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ حُذَافَۃَ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ قَالَ اَبُوْکَ حُذَافَۃُ ثُمَّ اَکْثَرَ اَنْ یَّقُوْلَ سَلُوْنِیْ سَلُوْنِیْ
حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں۔ تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے۔ مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں۔ عبداللہ ابن حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ۔ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔

خیال رہے کہ جہنمی یا جنتی ہونا علوم خمسہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کا علم سوائے اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ قربان ان نگاہوں

کے نگاہوں کے جو کہ اندھیرے اجالے، دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں ؀

(۱۴) مشکوٰۃ باب مناقب علی میں ہے قَالَ یَوْمَ خَیْبَرَ لَاُعْطِیَنَّ هٰذِهِ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْهِ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حضور علیہ السلام نے خیبر کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا اس کو دیں گے جس کے ہاتھ پر اللہ خیبر فتح فرما دے گا اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے ؀

(۱۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُ اُمَّتِیْ حَسَنُهَا وَسَیِّئُهَا فَوَجَدْتُّ فِیْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰی یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیْقِ ہم پر ہماری امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی. ہم نے ان کے اعمال میں وہ تکلیف دہ چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے ؀

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ یَضَعُ یَدَهٗ عَلَی الْاَرْضِ هٰهُنَا هٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَّوْضِعِ یَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دستِ مبارک کو اِدھر اُدھر زمین پر رکھتے تھے. راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا ؀ خیال رہے کہ کون کس جگہ مرے گا. یہ علوم خمسہ میں سے ہے جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگِ بدر میں ایک روز پہلے ہی دے رہے ہیں ؀

(۱۷) مشکوٰۃ باب المعجزات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فَقَالَ رَجُلٌ تَاللّٰهِ اِنْ رَاَیْتُ كَالْیَوْمِ ذِئْبٌ یَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ اَعْجَبُ مِنْ هٰذَا رَجُلٌ فِی النَّخَلَاتِ بَیْنَ الْحَرَّتَیْنِ یُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰی وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ شکاری آدمی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک صاحب (حضور علیہ السلام) دو میدانوں کے درمیانی نخلستان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں ؀

(۱۸) تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عُرِضَتْ عَلَیَّ اُمَّتِیْ فِیْ صُوَرِهَا فِی الطِّیْنِ كَمَا عُرِضَتْ عَلٰی اٰدَمَ وَ

اُعْلِمْتُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِیْ وَمَنْ یَّکْفُرُ بِیْ فَبَلَغَ ذٰلِکَ الْمُنَافِقِیْنَ قَالُوْا اِسْتِهْزَاءً زَعَمَ مُحَمَّدٌ اَنَّهٗ یَعْلَمُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَنْ یَّکْفُرُ مِمَّنْ لَّمْ یُخْلَقْ بَعْدُ وَنَحْنُ مَعَهٗ وَمَا یَعْرِفُنَا فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ السَّاعَةِ اِلَّا اَنْبَئْتُکُمْ بِهٖ

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری اُمّت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح کہ حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی۔ ہم کو بتا دیا گیا۔ کون ہم پر ایمان لاوے گا اور کون کفر کرے گا یہ خبر منافقین کو پہنچی۔ تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُن کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہو گئی ہم تو اُن کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے۔ کہ ہمارے علم میں طعنے کرتے ہیں۔ اب سے قیامت تک کی کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے ؛

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعنے کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک کے واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں ؛

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الملاحم فصل اوّل میں مسلم سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اِنِّیْ لَاَعْرِفُ اَسْمَاءَهُمْ وَاَسْمَاءَ اٰبَاءِهِمْ وَاَلْوَانَ خُیُوْلِهِمْ خَیْرُ فَوَارِسَ اَوْ مِنْ خَیْرِ فَوَارِسَ عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ ہم اُن کے (دجال سے جہاد کی تیاری کرنے والوں) نام اُن کے باپ دادوں کے نام اُن کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں ؛

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں ؛

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے۔ اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے حالانکہ بعض تارے اب تک فلاسفہ کو سائنسی آلات سے معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری یا کمی بیشی وہ ہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو ؛

اِن کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی قدر پر کفایت کی گئی
اِن احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی
کفِ دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسواء اللہ کو تو عالمِ اجسام، عالم ارواح، عالمِ امر، عالم امکان
عالم ملائکہ، عرش و فرش غرضکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے۔ اور عالم میں لوحِ محفوظ بھی ہے جس
میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں
تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کئے جاویں وہ بھی نگاہِ مصطفےٰ علیہ السلام
سے پوشیدہ نہیں۔ کہ عبد اللہ کے والد حذیفہ کو بتا دیا۔ چوتھے یہ معلوم ہوا کہ کون کب مریگا۔ کہاں
مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مومن۔ عورت کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام
پر مخفی نہیں۔ غرضکہ ذرّہ ذرّہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ؛

تیسری فصل

شارحین احادیث کے اقوال میں۔ دربارۂ علم غیب

(۱) عینی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد الساری شرح بخاری، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث
نمبر ا کے ماتحت ہے فِیْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّهٗ اَخْبَرَ فِی الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ بِجَمِیْعِ اَحْوَالِ الْمَخْلُوْقَاتِ
مِنْ اِبْتِدَآئِهَا اِلٰی اِنْتِهَائِهَا اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں
ساری مخلوقات کے سارے احوال کی از ابتداء تا انتہاء خبر دے دی ؛

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح شفا ملا علی قاری و زرقانی شرح مواہب۔ نسیم الریاض شرح
شفاء میں حدیث نمبر ۴ میں ہے وَحَاصِلُهٗ اَنَّهٗ طَوٰی لَهُ الْاَرْضَ وَجَعَلَهَا مَجْمُوْعَةً كَهَیْئَةِ
كَفٍّ فِیْهِ مِرْاٰةٌ یَنْظُرُ اِلٰی جَمِیْعِهَا وَطَوَاهَا بِتَقْرِیْبِ بَعِیْدِهَا اِلٰی قَرِیْبِهَا حَتّٰی اِطَّلَعْتُ
عَلٰی مَا فِیْهَا اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے لئے زمین سمیٹ دی گئی اور اس کو
ایسا جمع فرمایا دیا گیا۔ جیسے ایک ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اس پورے آئینہ کو دیکھتا ہو۔ اور زمین
کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اس کے قریب کی طرف۔ یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان
تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں ؛

(۵) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۵ کے ماتحت ہے فَعَلِمْتُ بِسَبَبِ وُصُوْلِ ذٰلِكَ

الْفَیْضِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَعْنِیْ مَا اَعْلَمَهُ اللّٰهُ مِمَّا فِیْهِمَا مِنَ الْمَلٰئِکَةِ وَالْاَشْجَارِ وَغَیْرِهَا وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سِعَةِ عِلْمِهِ الَّذِیْ فَتَحَ اللّٰهُ وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ اَیْ جَمِیْعَ الْکَائِنَاتِ الَّتِیْ فِی السَّمٰوٰتِ بَلْ وَمَا فَوْقَهَا کَمَا یُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ وَالْاَرْضِ هِیَ بِمَعْنَی الْجِنْسِ وَجَمِیْعَ مَا فِی الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ بَلْ وَمَا تَحْتَهَا کَمَا اَفَادَهٗ اِخْبَارُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ الثَّوْرِ وَالْحُوْتِ الَّذِیْ عَلَیْهِمَا الْاَرَضُوْنَ اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان وزمین میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور درخت وغیرہ یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس کے اوپر ہے جیساکہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے) اور زمین میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمین بلکہ جو اس سے نیچے ہیں جیساکہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ جن میں حضور علیہ السلام نے گائے اور مچھلی کی خبر دی ہے۔ جن پر زمینیں قائم ہیں۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث نمبر ۵ کے ماتحت ہے۔ "عبارت است از حصول تمام علوم جزوی وکلی واحاطۂ آں"۔ یہ حدیث تمام جزئی وکلی علموں کے حاصل ہونے اور اس کے احاطہ کا بیان ہے

(۷) اشعۃ اللمعات میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت بیان فرمایا۔ "پس ظاہر شد مرا ہر چیز از علوم وشناختم ہمہ را"۔ ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہوگیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں اَیْ اَظْهَرَ وَکَشَفَ لِیَ الدُّنْیَا بِحَیْثُ اَحَطْتُ بِجَمِیْعِ مَا فِیْهَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَا هُوَ کَائِنٌ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ هٰذِهٖ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّهٗ نَظَرَ حَقِیْقَةً دُفِعَ بِهٖ اَنَّهٗ اُرِیْدَ بِالنَّظَرِ الْعِلْمُ یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم نے اس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا۔ پس ہم اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حقیقۃً ملاحظہ فرمایا۔ یہ احتمال دفع ہوگیا۔ کہ نظر سے مراد علم ہے۔

(۸) امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں زیر حدیث نمبر ۹ فرماتے ہیں وَلَا شَکَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَطْلَعَهٗ عَلٰی اَزْیَدَ مِنْ ذٰلِکَ وَاَلْقٰی عَلَیْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اس میں شک نہیں کہ

اللہ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر مطلع فرمایا اور آپ کو سارے اگلے پچھلے حضرات کا علم دیا

ملا علی قاری مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱۸ کے تحت فرماتے ہیں یُخْبِرُکُمْ بِمَا مَضٰی اَیْ سَبَقَ مِنْ خَبَرِ الْاَوَّلِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمَا ھُوَ کَائِنٌ بَعْدَکُمْ اَیْ مِنْ نَبَاءِ الْاٰخِرِیْنَ فِی الدُّنْیَا وَمِنْ اَحْوَالِ الْاَجْمَعِیْنَ فِی الْعُقْبٰی تم کو حضور علیہ السلام اگلوں کی گذری ہوئی خبریں دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پچھلوں کی خبریں ہیں وہ بھی بتاتے ہیں دنیاوی حالات اور آخرت کے سارے حالات۔

(۱۹) مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱۹ کے ماتحت فرماتے ہیں فِیْہِ مَعَ کَوْنِہٖ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ عِلْمَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ مُحِیْطٌ بِالْکُلِّیَّاتِ وَالْجُزْئِیَّاتِ مِنَ الْکَائِنَاتِ وَغَیْرِھَا اس حدیث میں معجزہ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کلّی اور جزئی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔

محدّثین کے ان اشارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو اور اس میں از ازل تا ابد ہونے والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر اس کو دیکھتا ہے اس عالم میں لوح محفوظ بھی ہے۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ تمام اولین و آخرین یعنی انبیاء و ملائکہ و اولیاء کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت خضر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں حاملین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور ان کا علم تو سارے ماکان و مایکون کو محیط ہے۔ تو حضور علیہ السلام کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعت علم میں علوم خمسہ بھی آ گئے۔

چوتھی فصل

علمائے اُمّت کے اقوال کے بیان میں دربارۂ علم غیب

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ وہ ہی اوّل ہے وہ ہی آخر وہ ہی ظاہر ہے وہ ہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعت مصطفٰے علیہ السلام بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "وے صلی اللہ علیہ وسلم دانا است بہمہ چیز از شیونات و احکام الٰہی و احکام و صفات حق و اسماء و افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن و اوّل و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ شدہ" حضور علیہ السلام تمام

چیزوں کے جاننے والے ہیں اور انہوں نے خدائے پاک کی شانیں اس کے احکام حق تعالیٰ کے صفات اور افعال اور سارے ظاہری باطنی اول و آخر کے علوم کا احاطہ فرمالیا ہے۔

اسی مدارج جلد اول باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۱۴۴ میں ہے۔ "از زمان آدم تا نفخۂ اولیٰ بروے علیہ السلام منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از اول و آخر معلوم گردد و یاراں خود را نیز از بعضے احوال خبر داد" حضرت آدم علیہ السلام سے صور پھونکنے تک تمام حضور علیہ السلام پر ظاہر فرمادیا تاکہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں۔ اور حضور علیہ السلام نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔ علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيْهَا عَلٰى اِطِّلَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَا يُنَافِى الْاٰيٰتِ الدَّالَّةَ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ لِاَنَّ الْمَنْفِىَّ عِلْمُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ اَمَّا اِطِّلَاعُهٗ عَلَيْهِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ فَمُحَقَّقٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ احادیث اس پر متواتر ہیں۔ اور ان کے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ ان آیتوں کے خلاف نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ کیونکہ جس کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی)، لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ ثابت ہے رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے۔

شفا شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ماخوذ از خرپوتی شرح قصیدہ بردہ)۔ خَصَّ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْاِطِّلَاعِ عَلٰى جَمِيْعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ وَمَصَالِحِ اُمَّتِهٖ وَكَانَ فِى الْاُمَمِ وَمَا سَيَكُوْنُ فِىْ اُمَّتِهٖ مِنَ النَّقِيْرِ وَالْقِطْمِيْرِ وَعَلٰى جَمِيْعِ فُنُوْنِ الْمَعَارِفِ كَاَحْوَالِ الْقَلْبِ وَالْفَرَائِضِ وَالْعِبَادَةِ وَالْحِسَابِ۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرما کر اور اپنی امت کی مصلحت اور گزشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرمادیا۔ اور تمامی معرفت کے فنون پر مطلع فرمادیا۔ جیسے دل کے حالات، فرائض عبادات اور علم حساب۔ قصیدہ بردہ میں ہے ؎

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا ۔ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

دنیا و آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے ۔ اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے

شرح قصیدہ بردہ مصنفہ علامہ ابراہیم بیجوری میں اس شعر کے ماتحت ہے فَاِنْ قِیْلَ اِذَا کَانَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ بَعْضَ عُلُوْمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَمَا الْبَعْضُ الْاٰخَرُ اُجِیْبَ بِاَنَّ الْبَعْضَ الْاٰخَرَ ھُوَ مَا اَخْبَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ اَحْوَالِ الْاٰخِرَۃِ لِاَنَّ الْقَلَمَ اِنَّمَا کَتَبَ فِی اللَّوْحِ مَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اگر کہا جاوے کہ جب لوح وقلم کا علم حضور علیہ السلام کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں۔ جواب دیا جاویگا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی۔ کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہ ہی لکھا ہے جو قیامت ہونے والا ہے ؛

مُلّا علی قاری حل العقدہ شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں وَکَوْنُ عُلُوْمِھِمَا مِنْ عُلُوْمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّ عُلُوْمَہٗ تَتَنَوَّعُ اِلَی الْکُلِّیَّاتِ وَالْجُزْئِیَّاتِ وَحَقَائِقَ وَمَعَارِفَ وَعَوَارِفَ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَعِلْمُھُمَا یَکُوْنُ نَھْرًا مِّنْ بُحُوْرِ عِلْمِہٖ وَحَرْفًا مِنْ سُطُوْرِ عِلْمِہٖ اور لوح وقلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق اور معرفت اور ان معرفتوں کی طرف جن تعلق ذات اور صفات سے ہے۔ لہٰذا لوح وقلم کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی سطروں کا ایک حرف ؛

ان عبارتوں نے فیصلہ فرمادیا کہ وہ لوح وقلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔ اس کے علوم علمِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر کا ایک نقطہ ہے ؛

امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ اُمّ القرٰی میں فرماتے ہیں ؎

وَسَعَ الْعَالَمِیْنَ عِلْمًا وَّحِلْمًا ؛ فَھُوَ بَحْرٌ لَّمْ تُعْیِھَا الْاَعْیَاءُ

حضور علیہ السلام نے اپنے علم واخلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے والے نہ گھیر سکے ؛ شیخ سلیمان جمل اس شعر کی شرح میں فتوحاتِ احمدیہ میں فرماتے ہیں اَیْ وَسَعَ عِلْمُہٗ عُلُوْمَ الْعٰلَمِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَطْلَعَہٗ عَلَی الْعَالَمِ کُلِّہٖ فَعَلِمَ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَمَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ وَحَسْبُکَ عِلْمُہٗ عِلْمَ الْقُرْاٰنِ وَ

قَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و انسان اور فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے. کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے پچھلوں کا علم سکھایا اور ما کان و ما یکون بتایا اور حضور علیہ السلام کے علم کے لئے علم قرآن کافی ہے. کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی + امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القریٰ میں فرماتے ہیں لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَطْلَعَہٗ عَلَی الْعَالَمِ فَعَلِمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَمَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہان پر خبردار فرمایا۔ پس آپ نے اولین و آخرین کو اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کو جان لیا +

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت آدم و ملائکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لئے علم غیب تو دیوبندی بھی مانتے ہیں +

امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں ؎

وَکُلُّہُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ مُلْتَمِسٌ ٭ غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّیَمِ

تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں　　سمندر سے ایک چلو یا تیز بارش سے چھینٹا

علامہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں اِنَّ جَمِیْعَ الْاَنْبِیَاءِ کُلَّ وَاحِدٍ مِنْہُمْ طَلَبُوْا وَاَخَذُوْا الْعِلْمَ مِنْ عِلْمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ الَّذِیْ کَالْبَحْرِ فِی السِّعَۃِ وَالْکَرَمَ مِنْ کَرَمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ الَّذِیْ ھُوَ کَالدِّیَمِ لِاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ مُفِیْضٌ وَّھُمْ مُسْتَفَاضُوْنَ لِاَنَّہٗ تَعَالٰی خَلَقَ اِبْتِدَاءً رُوْحَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَوَضَعَ عُلُوْمَ الْاَنْبِیَاءِ وَعِلْمَ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ ثُمَّ خَلَقَہُمْ فَاَخَذُوْا عُلُوْمَہُمْ مِنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور لیا جو وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور علیہ السلام کے اس کرم سے حاصل کیا جو تیز بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے کیونکہ رب تعالیٰ نے اولاً حضور علیہ السلام کی روح پیدا فرمائی۔ پھر اس روح میں نبیوں کے اور ما کان و ما یکون کے علوم رکھے۔ پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا پس ان سب نے اپنے علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لئے

حافظ سلیمان ابریز شریف صفحہ ۲۵۸ میں فرماتے ہیں یَعْلَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ الْعَرْشِ اِلَی

الْفَرْشِ وَيَطَّلِعُ عَلٰى جَمِيْعِ مَا فِيْهَا وَهٰذِهِ الْعُلُوْمُ بِالنِّسْبَةِ اِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَالْفٍ مِنْ سِتِّيْنَ جُزْءً الَّتِيْ هِيَ الْقُرْاٰنُ الْعَزِيْزُ حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اس کی خبر رکھتے ہیں۔ اور یہ سارے علوم حضور علیہ السلام کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے الف ۶۰ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم ہیں۔ امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں اَلنُّبُوَّةُ مَاخُوْذَةٌ مِنَ النَّبَاءِ بِمَعْنَى الْخَبَرِ اَيْ اَطْلَعَهُ اللهُ عَلَى الْغَيْبِ نبوت نبا سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں خبر یعنی اللہ نے ان کو غیب پر خبردار فرمایا۔ مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ القسم الثانی فِيْمَا اَخْبَرَ بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْغُيُوْبِ میں ہے لَاشَكَّ اَنَّ اللهَ تَعَالٰى قَدْ اَطْلَعَهُ عَلٰى اَزْيَدَ مِنْ ذٰلِكَ وَاَلْقٰى عَلَيْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر اگلوں پچھلوں کا علم پیش کر دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد اوّل مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں "ہر علم کہ مخصوص بر اوست سبحانہٗ خاص رسل را اطلاع مے بخشد" جو علم رب تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس پر خاص رسولوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ مدارج النبوۃ جلد اول میں ہے "از بعضے صلحا از اہل فضل شنیدہ شدہ کہ بعضے از عرفا کتابے نوشتہ اند اثبات کردہ اند کہ آں حضرت را تمام علوم الٰہی معلوم ساختہ بودند و ایں سخن بظاہر مخالف بسیارے از ادلہ است تا قائل آں چہ قصد کردہ باشد" بعض علمائے صالحین سے سنا گیا ہے کہ بعض عارفین نے کوئی کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام علوم الٰہیہ معلوم کرا دیئے گئے تھے۔ یہ کلام بظاہر تو بہت سے دلائل کے خلاف ہے نہ معلوم کہ قائل نے اس سے کیا مراد لی ہے۔

یہ عبارت یہاں اس لئے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم خدا کے علم کے برابر مانا اور فرق صرف ذاتی اور عطائی کا جانا۔ مگر شیخ عبد الحق نے ان کو مشرک نہ فرمایا بلکہ عارف کہا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب ماننا شرک نہیں۔ میر زاہد رسالہ کے خطبہ میں ہے كَانَ عَوَارِفُ التَّصْدِيْقَاتِ بِطَبَائِعِهَا مُتَوَجِّهَةً اِلٰى حَضْرَتِهِ الْاَقْدَسِ وَحَقَائِقُ التَّصَوُّرَاتِ بِاَنْفُسِهَا مَائِلَةً اِلٰى جَنَابِ الْمُقَدَّسِ فَرُوْحُهُ الْمُعَلّٰى مَرْكَزُ الْمَعْقُوْلَاتِ

تَصَوُّرَاتِهَا وَتَصْدِيقَاتِهَا وَنَفْسُهُ الْعُلْيَا مَنْبَعُ الْعَقْلِيَاتِ نَظَرِيَّاتِهَا وَفِطْرِيَّاتِهَا اس کی شرح لواء الہدیٰ مصنفہ علام یحییٰ میں اسی عبارت کے ماتحت ہے فَذَاتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَامِعٌ بَيْنَ جَمِيعِ اَنْحَاءِ الْعُلُوْمِ۔ سبحان اللہ اس عبارت نے پردے اٹھا دیئے منطقیوں نے بھی بارگاہ نبوت میں پیشانی رگڑ دی +

مولانا بحر العلوم عبد العلی لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حواشی میر زاہد رسالہ میں فرماتے ہیں عَلَّمَهُ عُلُوْمًا مَا احْتَوٰی عَلَيْهِ الْعِلْمُ الْاَعْلٰی وَمَا اسْتَطَاعَ عَلٰی اِحَاطَتِهَا اللَّوْحُ الْاَدْنٰی لَمْ يَلِدِ الدَّهْرُ مِثْلَهُ مِنَ الْاَزَلِ وَلَمْ يُوْلَدْ اِلَى الْاَبَدِ فَلَيْسَ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُفُوًا اَحَدٌ حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جس کے گھیرنے پر لوح محفوظ قادر نہیں۔ نہ تو آپ کی مثل زمانے میں پیدا ہوا ازل سے اور نہ ابد تک ہو اور آسمانوں و زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں + علامہ شنوانی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں قَدْ وَرَدَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى اَطْلَعَهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپ کو ہر چیز پر مطلع فرما دیا + شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۷۵ میں ہے بِالْجُمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ اَمْرٌ تَفَرَّدَ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا سَبِيْلَ اِلَيْهِ لِلْعِبَادِ اِلَّا بِاِعْلَامٍ مِنْهُ اَوْ اِلْهَامٍ بِطَرِيْقِ الْمُعْجِزَةِ اَوِ الْكَرَامَةِ خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیب جاننا ایک ایسی بات ہے جو خدا سے خاص ہے بندوں کو اس تک کوئی راہ نہیں بغیر رب کے بتائے یا الہام فرمائے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر +

درمختار شروع کتاب الحج میں ہے فُرِضَ الْحَجُّ سَنَةَ تِسْعٍ وَاِنَّمَا اَخَّرَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعَشْرٍ لِعُذْرٍ مَعَ عِلْمِهٖ بِبَقَاءِ حَيَاتِهٖ لِيُكْمِلَ التَّبْلِيْغَ۔ حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ اور حضور علیہ السلام نے اس کو ۱۰ھ تک مؤخر فرمایا کسی عذر کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا۔ تاکہ تبلیغ پوری ہو جاوے +

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کب وفات ہو گی اس کا جاننا علوم خمسہ سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی خبر تھی۔ کہ ۹ھ میں نہ ہو گی اسی لئے اس سال حج نہ فرمایا۔ ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں +

خرپوتی نے شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا وَ دَاقِفُوْنَ لَدَیْهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ وَفِیْ حَدِیْثٍ یُرْوٰی عَنْ مُعَاوِیَةَ اَنَّهٗ کَانَ یَکْتُبُ بَیْنَ یَدَیْهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهٗ اَلِقِ الدَّوَاةَ وَحَرِّفِ الْقَلَمَ وَاَقِمِ الْبَاءَ وَفَرِّقِ السِّیْنَ وَلَا تُعَوِّرِ الْمِیْمَ مَعَ اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ یَکْتُبْ وَلَمْ یَقْرَءْ مِنْ کِتَابِ الْاَوَّلِیْنَ حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے سامنے لکھا کرتے تھے۔ پس حضور علیہ السلام نے اُن کو فرمایا کہ دوات اِس طرح رکھو۔ قلم کو پھیرو، ب کو سیدھا کرو، سین میں فرق کرو اور میم کو ٹیڑھا نہ کرو۔ باوجودیکہ حضور علیہ السلام نے نہ لکھنا سیکھا اور نہ اگلوں کی کتاب پڑھی۔

تفسیر روح البیان میں زیر آیت وَلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ ہے کَانَ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَعْلَمُ الْخُطُوْطَ وَیُخْبِرُ عَنْهَا حضور علیہ السلام خطوں کو جانتے تھے اور اس کی خبر بھی دیتے تھے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے۔ اِس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان بآیات القرآن میں دیکھو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

سُرمہ کُن در چشم خاکِ اولیا ۔ تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہا
کاملاں از دور نامت بشنوند ۔ تا بقعرِ تار و پودت دررَوند
بلکہ پیش از زادنِ تو سالہا ۔ دیدہ باشندت بچندیں حالہا
حال تو دانند یک یک مُو بمُو ۔ زانکہ پُر ہستند از اسرارِ ہُو

اسی مثنوی شریف میں مولانا کفار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ؎

بنگرم سرِ عالمے بینم نہاں ۔ آدم و حوا نرستہ از جہاں
من شمارا وقتِ ذراتِ الست ۔ دیدہ ام پابستہ منکوس و پست
از حدوث آسمانِ بے عمد ۔ آنچہ دانستہ بدم افزوں نہ شد

یعنی ہم سارے جہان کو اُس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم و حوا پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اور کافر قیدیو ہم نے تمہیں میثاق کے دن مومن اور نمازی دیکھا تھا۔ اس لیے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ جس آسمان سے دغیرہ کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اُس سے کچھ نہ زیادہ ہوا۔

علمائے کرام کے اِن اقوال سے معلوم ہُوا۔ کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سارے انبیاء ملائکہ سے زیادہ علوم عطا فرمائے۔ لوح محفوظ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علموں کا قطرہ ہے اور عالم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس چشم حق بین سے مخفی رہی ہو۔

پانچویں فصل

مخالفین کی تائید کے بیان میں:-

اب تک تو موافقین کی عبارات سے علم غیب حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کیا گیا۔ اب مخالفین کے اکابر کی وہ عبارات پیش کی جاتی ہیں جن سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب شمائم امدادیہ صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا۔ مَیں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت و ادراک مغیبات کا اُن کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو حدیبہ اور حضرت عائشہ کے معاملات کی خبر نہ تھی اس کو دلیل اپنے دعوےٰ کی سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے (ماخوذ از انوار غیبیہ صفحہ ۲۵)

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لطائف رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو ہر دم مشاہدہ امور غیبیہ اور تیقّظ وحضور حق تعالیٰ کا رہتا ہے کَمَا قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا اور فرمایا اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ (انوار غیبیہ صفحہ ۳۲)

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی تکمیل الیقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل و اولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادثات کو جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادثہ اُس کے علم سے اسی کے ارادے کے متعلق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہی خدا ان رسل و اولیاء میں سے جسے چاہے اُسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں۔ کہ فطرت انسانی کا یہ مقتضی نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شئ کو جان سکے۔ لیکن اگر خدا کسی کو بتا دے تو اُس کو کون روک سکتا ہے پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا کے بتانے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اوروں کو خبر دے دیتے ہیں۔ ان میں سے ایسا کوئی نہیں

جو بذاتہٖ علمِ غیب کا دعوےٰ کرتا ہو۔ چنانچہ شریعتِ محمدیہ بالذات علمِ غیب کے دعوی کرنے کو اعلیٰ درجہ کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے۔ اور جو اس کا دعوے کرے اس کو کافر بتاتی ہے ۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تحذیر الناس کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں۔ "علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور۔ لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں ۔"

اس آخری عبارت پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ مولوی قاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع مانا ہے۔ اور اولین میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے ملائکہ حاملانِ عرش و حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ان سب کے علوم سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہونا چاہیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں ۔

چھٹی فصل

علمِ غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علمِ غیب کے بیان میں

چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکان و مایکون کا ثابت ہے۔ وہ دلائل حسب ذیل ہیں :-

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الٰہیہ کے وزیر اعظم بلکہ خلیفہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العلمین ہیں اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیارات۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں اسی قدر اُن کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ کلکٹر کو سارے ضلع کا علم و اختیارات، وائسرائے کو سارے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں۔ کہ ان دو وصفوں کے بغیر وہ حکومت کر ہی نہیں سکتا۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات انبیاء ہیں جن کا جس قدر بڑا درجہ اُسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العلمین نے اُن کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے۔ وہ ہی خلافت الٰہیہ کے لئے موزون ہیں۔ پھر ملائکہ سے سجدہ کرانا اُن کے اختیاراتِ خصوصیہ کا ثبوت تھا کہ ملائکہ بھی اُن کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے نبی اور عرش و فرش کے لوگ آپ کے اُمتی ہیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ آپ کو

تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جاویں۔ اسی لئے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند اشارے سے پھاڑا۔ ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا پانی برسا۔ پھر حکم دیا کھل گیا۔ یہ سب اپنے خداداد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) مولوی صاحب قاسم صاحب نانوتوی تحذیر الناس میں فرماتے ہیں "کہ انبیاء اُمّت سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رہا عمل۔ اس میں بظاہر کبھی اُمّتی نبی سے بڑھ جاتے ہیں" جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں اُمّتی نبی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نبی کا زیادہ ہونا ضروری ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے اُمّتی تو ملائکہ بھی ہیں لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا تو ہم میں حضور علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ورنہ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں اُمّت سے افضل ہوں گے۔ اور ملائکہ حاضرین لوح محفوظ کو تو مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کا علم ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔

(۳) چند سال کامل اُستاذ کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام قبل ولادت پاک کروڑوں برس رب تعالیٰ کی بارگاہِ خاص میں حاضر رہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے لَقَدْ جَآءَكُمْ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ایک تارہ ستر ہزار سال بعد چمکتا ہے اور میں نے اسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا۔ فرمایا۔ وہ تارا ہم ہی تھے۔ حساب لگالو کتنے کروڑ برس دربار خاص میں حاضری رہی۔

(۴) اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اوّلاً تو یہ کہ شاگرد نااہل تھا اُستاذ سے پورا فیض لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ استاذ کامل نہ تھا کہ کمل سکھا نہ سکا۔ سوم یہ کہ استاذ یا تو بخیل تھا کہ پورا پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا۔ یا اس سے زیادہ کوئی اور پیارا شاگرد تھا کہ اس کو سکھانا چاہتا ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ ان چار وجہوں کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں۔ یہاں سکھانے والا پروردگار سیکھنے والے محبوب علیہ السلام۔ کیا سکھایا قرآن اور اپنے خاص علوم۔ بتاؤ آیا رب تعالیٰ کامل اُستاذ نہیں یا رسول علیہ السلام لائق شاگرد نہیں؟ یا حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی اور پیارا ہے؟ یا کہ قرآن کمل نہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کامل عطا فرمانے والا محبوب علیہ السلام کامل لینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب۔ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ وہ ہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم کیوں ناقص ہو۔

(۵) رب تعالیٰ نے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی؟ لکھنا یا تو اپنی یادداشت کے لئے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یا دوسروں کے بتانے کے لئے۔ رب تعالیٰ تو بھول سے پاک لہٰذا اُس نے دوسروں ہی کے لئے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہٰذا یہ تحریر حضور کے لئے ہے۔

(۶) غیبوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنّا فرمائی۔ تو فرمادیا گیا لَنْ تَرَانِیْ تم ہم کو دیکھ نہ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں اپنی ان ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا ۔ جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

دیدار الٰہی کی بحث ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان میں دیکھو۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر فصل اوّل کے آخر میں ہے کَمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰہُ فِی الدُّنْیَا لِانْقِلَابِہٖ نُوْرًا حضور علیہ السلام نے دنیا میں رب کو دیکھا کیونکہ خود نور ہو گئے تھے۔

(۷) شیطان دنیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہادی۔ گویا شیطان وبائی بیماری ہے اور نبی علیہ السلام طبیب مطلق۔ رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے اتنا وسیع علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اُس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر اُسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے وہ کس حیلہ سے۔ ایسے ہی وہ ہر دین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے اس لئے ہر نیکی سے روکتا ہے ہر برائی کراتا ہے۔ اُس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔ جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا۔ تو ضروری ہے کہ دنیا کے طبیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لئے اُس سے کہیں زیادہ علم والے ہوں۔ کہ آپ ہر شخص کو اُس کی بیماری کو اُس کی استعداد کو اُس کے علاج کو جانیں۔ ورنہ ہدایت مکمل نہ ہو گی۔ اور رب تعالیٰ پر اعتراض پڑے گا کہ اُس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا۔ اور ہادی کو کمزور رکھا۔ لہٰذا گمراہی تو کامل رہی۔ اور ہدایت ناقص۔

(۸) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے پکارا یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اور نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی نبی ہے۔ اور اگر دنیا کے واقعات مراد ہوں تو ہر اخبار، ریڈیو، خط، تار بھیجنے والا نبی ہو جاوے۔ معلوم ہوا کہ نبی میں غیبی خبریں معتبر ہیں

یعنی فرشتوں کو عرش کی خبر دینے والا جہاں تار، اخبار کام نہ آسکیں وہاں نبی کا علم ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے ؛

یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے علمِ غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جاننا چاہیئے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر اُن کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور اُن کے علم کے سمندر کا قطرہ ؛

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں اَلْعَبْدُ یَنْتَقِلُ فِی الْاَحْوَالِ حَتّٰی یَصِیْرَ اِلٰی نَعْتِ الرُّوْحَانِیَّةِ فَیَعْلَمُ الْغَیْبَ بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پالیتا ہے پس غیب جانتا ہے + اسی مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا یَطَّلِعُ الْعَبْدُ عَلٰی حَقَائِقِ الْاَشْیَاءِ وَیَتَجَلّٰی لَہُ الْغَیْبُ وَغَیْبُ الْغَیْبِ کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہوجاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔

مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۶ باب الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ وَفَضْلِھَا میں فرماتے ہیں اَلنُّفُوْسُ الزَّکِیَّةُ الْقُدْسِیَّةُ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدْنِیَّةِ خَرَجَتْ وَاتَّصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَلَمْ یَبْقَ لَہٗ حِجَابٌ فَتَرَی الْکُلَّ کَالْمُشَاھَدِ بِنَفْسِھَا اَوْ بِاِخْبَارِ الْمَلَکِ لَھَا پاک وصاف نفس جبکہ بدنی علاقوں سے خالی ہوجاتے ہیں تو ترقی کرکے بزم بالا سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ پس وہ تمام چیزوں کو مثل محسوس وحاضر کے دیکھتے ہیں خواہ تو اپنے آپ یا فرشتہ کے الہام سے ؛

شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر عزیزی سورۂ جن میں فرماتے ہیں " اطلاع بر لوح محفوظ ودیدن نقوش نیز از بعضے اولیاء بتواتر منقول است " لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر منقول ہے + امام ابن حجر مکی کتاب الاعلام میں اور علامہ شامی سل الحسام میں فرماتے ہیں اَلْخَوَاصُّ یَجُوْزُ اَنْ یَعْلَمَ الْغَیْبَ فِیْ قَضِیَّةٍ اَوْ قَضَاءٍ کَمَا وَقَعَ لِکَثِیْرٍ مِّنْھُمْ وَاشْتَھَرَ جائز ہے کہ خاص خاص حضرات کسی معاملہ یا فیصلے میں غیب جان لیں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوا۔ اور یہ مشہور بھی ہوگیا ؛

شاہ ولی اللہ صاحب الطاف القدس میں فرماتے ہیں۔ " نفس کلیہ بجائے جسد عارف می شود وذات وعارف بجائے روح او ہمہ عالم بعلم حضوری مے بیند " عارف کا نفس بالکل جسم بن جاتا ہے

اور عارف کی ذات بجائے روح کے ہو جاتی ہے. وہ تمام عالم کو علم حضوری سے دیکھتا ہے +

زرقانی شرح مواہب جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ میں فرماتے ہیں قَالَ فِیْ لَطَائِفِ الْمِنَنِ اِطِّلَاعُ الْعَبْدِ عَلٰی غَیْبٍ مِّنْ غُیُوْبِ اللّٰہِ بِدَلِیْلِ خَبَرِ اِتَّقُوْا فَرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ لَایُسْتَغْرَبُ وَھُوَ مَعْنٰی کُنْتُ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُبِہٖ فَمَنِ الْحَقُّ بَصَرُہٗ فَاطِّلَاعُہٗ عَلَی الْغَیْبِ لَایُسْتَغْرَبُ لطائف المنن میں فرمایا کہ کامل بندے کا اللہ کے غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہو جانا عجیب نہیں. اس حدیث کی وجہ سے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو. کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے. اور یہ ہی اس حدیث کے معنے ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے. پس اس کا دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے. پس اس کا غیب پر مطلع ہونا کچھ عجیب بات نہیں + امام شعرانی الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں لِلْمُجْتَھِدِیْنَ الْقَدَمُ فِیْ عُلُوْمِ الْغَیْبِ غیبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے + حضور غوث پاک فرماتے ہیں ؎

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا + کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ التَّصَالِیْ

ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا جیسے چند رائی کے دانے ملے ہوئے ہوں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَا اَبْطَالُ یَا اَطْفَالُ ھَلُمُّوْا وَخُذُوْا عَنْ ھٰذَا الْبَحْرِ الَّذِیْ لَا سَاحِلَ لَہٗ وَعِزَّۃِ رَبِّیْ اِنَّ السُّعَدَاءَ وَالْاَشْقِیَاءَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَاِنَّ بُؤْبُؤَۃَ عَیْنِیْ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَاَنَا غَائِصٌ فِیْ بِحَارِ عِلْمِ اللّٰہِ اے بہادرو اے فرزندو! آؤ اور اس دریا سے کچھ لے لو. جس کا کنارہ ہی نہیں. قسم ہے اپنے رب کی کہ تحقیق نیک بخت اور بدبخت لوگ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں اور ہمارا گوشۂ چشم لوح محفوظ میں رہتا ہے اور میں اللہ کے علموں کے سمندروں میں غوطے لگا رہا ہوں + مولانا جامی نفحات الانس میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کا قول نقل فرماتے حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ گفتہ اند کہ زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرۂ ایست وما می گوئیم کہ چوں ناخنے است ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست + حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس گروہ اولیاء کی نظر میں زمین دستر خواں کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے. کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں ہے + امام شعرانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں وَاَمَّا شَیْخُنَا السَّیِّدُ عَلِیُّ الْخَوَّاصُ رَضِیَ

اللّٰہُ عَنْہُ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ لَایَکْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَ نَا حَتّٰی یَعْلَمَ حَرَکَاتَ مُرِیْدِہٖ فِیْ اِنْتِقَالِہٖ فِی الْاَصْلَابِ وَھُوَ مِنْ یَّوْمِ اَلَسْتُ اِلٰی اِسْتِقْرَارِہٖ فِی الْجَنَّۃِ اَوْفِی النَّارِ ہم نے اپنے شیخ سید علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نسبی کو نہ جان لے۔ یوم میثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو + شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں ثُمَّ اِنَّہٗ یَنْجَذِبُ اِلٰی حَیِّزِ الْحَقِّ فَیَصِیْرُ عَبْدَ اللّٰہِ فَیَتَجَلّٰی لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ پھر وہ مرد عارف بارگاہ حق کی طرف جذب ہو جاتے ہیں۔ پس وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور ان کو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے + مشکوٰۃ جلد اوّل کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بروایت بخاری فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے ،،

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام والیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں اور یہ حضرات اب امت مصطفےٰ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اس امت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے علوم ہیں +



دوسرا باب ۲

علم غیب پر اعتراض کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل اُن آیات قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں۔ دوسری فصل احادیث کے بیان میں تیسری فصل اقوالِ علماء و فقہاء کے بیان میں چوتھی فصل

عقلی اعتراضات کے بیان میں ؛

اِس باب کے شروع سے پہلے بطور مقدمہ چند ضروری بحثیں قابل غور ہیں :-

(۱) جن آیات واحادیث یا اقوالِ فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے یا تمامی معلومات یعنی رب تعالیٰ کے معلومات کی برابر عطائی علم کی تو نفی نہیں۔ ورنہ پھر ان آیات واحادیث اور اُن آیات واحادیث میں جو ہم اثبات میں بیان کر چکے ہیں مطابقت کیونکر ہوگی ؟ علامہ ابن حجر فتاویٰ حدیثیہ میں اس قسم کی تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں مَعْنَاهَا لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ اِسْتِقْلَالًا وَّعِلْمَ اِحَاطَةٍ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰى اَمَّا الْمُعْجِزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ فَبِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى ان کے معنے یہ ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی) اور احاطہ کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کرامات پس وہ خدا کے بتانے سے ہوتے ہیں + مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اُس سے مراد مسائل دینیہ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے اُن سے مراد باقی دنیاوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ توجیہ اُن آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ واقوالِ علمائے اُمت کے خلاف ہے۔ جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں + حضرت آدم علیہ السلام کا علم۔ اسی طرح لوح محفوظ کا علم سب ہی چیزوں کو شامل ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے سامنے مثل ہاتھ کے ہے لہٰذا یہ توجیہ بالکل باطل ہے +

(۲) مخالفین کی پیش کردہ وہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ مَیں غیب نہیں جانتا یا فقہا فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے لئے علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ یہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ماکان ومایکون میں اختلاف ہے۔ ان آیات واقوالِ فقہا سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف ہُوا۔ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے +

(۳) مخالفین کہتے ہیں کہ اِن دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی۔ تو جھگڑا ہی ختم ہوگیا کیونکہ ماکان ومایکون علمِ الٰہی کے سمندروں کا قطرہ ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لئے علوم الٰہیہ کے مقابلہ میں بعض ہی علم کے قائل ہیں ؛

(۴) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب خدا کی صفت ہے لہٰذا غیر خدا کے لئے ماننا کفر ہے۔ اس کفر

میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الٰہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہوا۔ سب میں مانی تو کفر ہوا۔ جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی بے دین ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی صفت عطائی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہٰذا شرک نہ ہوا۔ یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

پہلی فصل

آیات قرآنیہ کے بیان میں

(۱) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ تم فرمادو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔

اس آیت کی چار توجیہیں مفسرین نے کی ہیں۔ اولاً یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ دوم یہ کہ کل علم کی نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ کلام تواضع اور انکسار کے طور پر بیان فرمادیا گیا ہے۔ چہارم یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں دعوے نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی۔ ملاحظہ ہوں تفاسیر:۔ تفسیر نیشا پوری میں اس آیت کے ماتحت ہے يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ عَطْفًا عَلٰى لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اَيْ قُلْ لَّآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُوْنُ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ الْغَيْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا يَعْلَمُهٗ اِلَّا اللّٰهُ اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو یعنی اے محبوب فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا۔ تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ مَا لَمْ يُوْحَ اِلَيَّ اَوْلَمْ يَنْتَصِبْ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ میں غیب نہیں جانتا جب تک اس کی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔ یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَوْلُهٗ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ يَدُلُّ عَلٰى اِعْتِرَافِهٖ بِاَنَّهٗ غَيْرُ عَالِمٍ بِكُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔ یا یہ کلام بطور تواضع و انکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَاِنَّمَا نَفٰى عَنْ نَفْسِهِ الشَّرِيْفَةِ هٰذِهِ الْاَشْيَآءَ تَوَاضُعًا لِّلّٰهِ تَعَالٰى وَاعْتِرَافًا لِّلْعُبُوْدِيَّةِ فَلَسْتُ اَقُوْلُ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ وَلَا اَدَّعِيْهِ

حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں اس میں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر عرائس البیان میں ہے وَتَوَاضَعَ حِیْنَ اَقَامَ نَفْسَهٗ مَقَامَ الْاِنْسَانِیَّةِ بَعْدَ اَنْ كَانَ اَشْرَفَ خَلْقِ اللّٰهِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَى الثَّرٰى وَاَطْهَرَ مِنَ الْكَرُوْبِیِّیْنَ وَالرُّوْحَانِیِّیْنَ خُضُوْعًا لِجَبَرُوْتِهٖ وَخُشُوْعًا لِمَلَكُوْتِهٖ حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت کی جگہ میں رکھا ورنہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانیین سے زیادہ ستھرے ہیں۔ حق تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اس کی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریقہ پر یہ فرمایا۔ یہ دعوئے علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے اَیْ لَا اَدَّعِی الْقُدْرَةَ عَلٰى كُلِّ الْمَقْدُوْرَاتِ وَالْعِلْمَ بِكُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ یعنی میں تمام مقدورات پر قدرت رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر کبیر یہ ہی آیت اَیْ وَلَا اَدَّعِیْ كَوْنِیْ مَوْصُوْفًا بِعِلْمِ اللّٰهِ وَبِمَجْمُوْعِ هٰذَیْنِ الْكَلَامَیْنِ حَصَلَ اَنَّهٗ لَا یَدَّعِی الْاِلٰهِیَّةَ یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔

روح البیان یہ ہی آیت عَطْفٌ عَلٰى عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا مُذَكِّرَةٌ لِلنَّفْیِ اَیْ وَلَا اَدَّعِیْ اِنِّیْ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مِنْ اَفْعَالِهٖ تَعَالٰى عَلٰى اَنَّهَا عِنْدِیْ وَلٰكِنْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ فَمَنْ قَالَ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَقَدْ اَخْطَاَ فِیْمَا اَصَابَ اس کا عطف عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ پر ہے۔ اور لَا زائدہ ہے نفی کا یاد دلانے والا یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا کے افعال میں غیب جانتا ہوں۔ اس بنا پر کہ خزائن اللہ میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے کہ نبی اللہ غیب نہیں جانتے تھے اس نے غلطی کی اس آیت میں جس میں یہ مصیب تھا۔ تفسیر مدارک یہ ہی آیت وَمَحَلُّ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ النَّصْبُ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ لِاَنَّهٗ مِنْ جُمْلَةِ الْمَقُوْلِ كَاَنَّهٗ قَالَ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ وَلَا هٰذَا الْقَوْلَ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ کا اعراب زبر ہے عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا۔ کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔ تفسیر نیشاپوری اَیْ قُلْ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَیَكُوْنُ فِیْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى

اَنَّ الْغَیْبَ بِاِسْتِقْلَالٍ لَا یَعْلَمُہٗ اِلَّا اللہُ ۔

نکتہ اِس آیت میں لَا اَقُوْلُ دو جگہ ہے۔ پہلے لَا اَقُوْلُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے۔ کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَا اَقُوْلُ کے بعد صرف ایک چیز کا ذکر ہے۔ مَیں نہیں کہتا کہ مَیں فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعوے کی نفی ہے اور مدعیٰ کا ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعیٰ دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور مَیں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعوے نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین) یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور علم غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ مَیں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَا اَقُوْلُ کافی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا۔ اگر ہماری بیان کی ہوئی توجیہیں نہ کی جاویں تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی ہے۔ نیز یہاں لَکُمْ میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے کافرو مَیں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم چور ہو، چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کرلو۔ رب تعالیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے اسی لئے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو تصدیق سے کہا جاوے گا۔ کہ مجھے خزائن الٰہیہ کی کنجیاں سپرد ہوئیں۔ نیز یہاں عِنْدِیْ فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانچی کے پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے۔ مَیں خزانچی نہیں۔ کیا نہ دیکھا کہ اُن کے اشارہ پر بادل برسا۔ اُن کی انگلیوں سے چشمے جاری ہوئے ۔

(۲) وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ اور اگر مَیں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ مَیں نے بہت بھلائی جمع کر لی ۔

اِس آیت کے بھی مفسرین نے تین مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور انکسار کے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلوماتِ الٰہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے تیسرے یہ کہ ذاتی کی نفی ہے ۔

نسیم الریاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَوْلُہٗ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَاِنَّ الْمَنْفِیَّ

عِلْمُہٗ مِنْ غَیْرِ وَاسِطَۃٍ وَ اَمَّا اِطِّلَاعُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاَمْرٌ مُّتَحَقِّقٌ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ علم غیب کا ماننا اس آیت کے منافی نہیں کہ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ الآیہ کیونکہ نفی علم بغیر واسطہ کی ہے لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتلانے سے یہ امر واقع ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ الآیہ کل معلومات الٰہیہ جاننے کی نفی ہے ؀

شرح مواقف میں میر سید شریف فرماتے ہیں اَلْاِطِّلَاعُ عَلٰی جَمِیْعِ الْمُغَیَّبَاتِ لَا یَجِبُ لِلنَّبِیِّ وَلِہٰذَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ الْاٰیَۃَ وَ جَمِیْعُ مُغَیَّبَاتٍ غَیْرُ مُتَنَاہِیَۃٍ تمام غیبوں پر مطلع ہونا نبی کے لئے ضروری نہیں۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ الآیہ تمام غیب غیر متناہی ہیں + یہ کلام انکسار کے طور پر ہے ؀

صاوی حاشیہ جلالین میں ہے یہی آیت اِنْ قُلْتَ اَنَّ ھٰذَا یُشْکِلُ مَعَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ اَنَّہٗ اُطْلِعَ عَلٰی جَمِیْعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَالْجَوَابُ اَنَّہٗ قَالَ ذٰلِکَ تَوَاضُعًا اگر تم کہو کہ یہ آیت گذشتہ کلام کے خلاف ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع کر دیا گیا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ کلام لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ بطور انکسار فرمایا ہے ؀

تفسیر خازن میں جمل حاشیہ جلالین سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا فَاِنْ قُلْتَ قَدْ اَخْبَرَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ الْمُغَیَّبَاتِ قَدْ جَاءَتْ اَحَادِیْثُ فِی الصَّحِیْحِ بِذٰلِکَ وَھُوَ مِنْ اَعْظَمِ مُعْجِزَاتِہٖ فَکَیْفَ الْجَمْعُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ قَوْلِہٖ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ قُلْتُ یَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ قَالَہٗ تَوَاضُعًا وَّ اَدَبًا وَّ الْمَعْنٰی لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اَنْ یُّطْلِعَنِیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَیُقَدِّرَہٗ لِیْ وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ قَالَ ذٰلِکَ قَبْلَ اَنْ یُّطْلِعَہُ اللّٰہُ عَلَی الْغَیْبِ فَلَمَّا اَطْلَعَہُ اللّٰہُ اَخْبَرَ بِہٖ پس اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت سے غیبوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا بڑا معجزہ ہے تو ان باتوں میں اور اس آیت میں کہ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہونگا کہ یہاں احتمال یہ ہے کہ یہ کلام انکسار کے طریقہ پر فرمایا ہو اور اس کے معنے یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع ہونے سے پہلے کا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب پر مطلع

فرمادیا تو خبریں دیں + علامہ سلیمان جمل نے فتوحات الٰہیہ حاشیہ جلالین جلد دو صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی شل فرمایا اَیْ قُلْ لَّا اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَیَکُوْنُ فِیْہِ دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ الْغَیْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا یَعْلَمُ اِلَّا اللّٰہُ یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا الخ پس اس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا ؛

تفسیر صاوی یہ ہی آیت اَوْ اَنَّ عِلْمَہٗ بِالْمُغَیَّبِ کَلَاعِلْمٍ مِنْ حَیْثُ اَنَّہٗ لَاقُدْرَۃَ لَہٗ عَلٰی تَغْیِیْرِ مَا قَدَّرَ اللّٰہُ فَیَکُوْنُ الْمَعْنٰی حِیْنَئِذٍ لَوْ کَانَ لِیْ عِلْمٌ حَقِیْقِیٌّ بِاَنْ اَقْدِرَ عَلٰی مَا اُرِیْدُ وُقُوْعَہٗ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ حضور علیہ السلام کا علم غیب جاننا نہ جاننے کی طرح ہے کیوں کہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیں. تو معنیٰ یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا. اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو خیر بہت سی جمع کر لیتا ؛

یہ توجیہ نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنیٰ یہ ہیں. کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی. اور صرف کسی چیز کا جاننا خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لئے کافی نہیں. جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر قدرت نہ ہو. مجھ کو علم ہے کہ بڑھاپا آوے گا اور اس کو مجھ کو یہ تکالیف پہنچیں گی. مگر مجھے بڑھاپے کے دفع کرنے پر قدرت نہیں. مجھے آج خبر ہے کہ غلّہ چند روز کے بعد گراں ہوجاوے گا. مگر میرے پاس آج روپیہ نہیں. کہ بہت سا غلّہ خرید لوں خرید نہیں سکتا. معلوم ہوا کہ خیر حاصل کرنا. مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں پر موقوف ہے. اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں. تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے. جس کے ساتھ قدرت لازم ہے. ورنہ آیت کے معنیٰ نہیں درست ہوتے. کیونکہ مقدم اور تالی میں لزوم نہیں رہتا. اور اس کے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا ؛

نیز دیوبندی تو اس آیت کے یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی. مگر چونکہ نہ میرے پاس خیر ہے اور نہ مصیبت سے بچا لہٰذا غیب نہیں جانتا ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ غور کر لو اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے. میرے پاس بہت خیر تو ہے مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا. نیز اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ نیز یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب

تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ لہٰذا مجھے علم غیب بھی ہے. یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں ٭

روح البیان یہ ہی آیت وَقَدْ ذَھَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ اِلٰی اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَۃِ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ وَھُوَ لَا یُنَافِی الْحَصْرَ فِی الْاٰیَۃِ کَمَا لَا یَخْفٰی بعض مشائخ اِس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتانے سے. اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں. جیسا کہ مخفی نہیں ٭

(۳) وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی اُن کو وہ ہی جانتا ہے ٭

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (غیب کی کنجیوں) سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں. یعنی سارے معلوماتِ الٰہیہ کا جاننا. یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا. کیونکہ کنجی کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کردی. اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے + تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَکَذٰلِکَ ھٰھُنَا لَمَّا کَانَ عَالِمًا بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ ھٰذَا الْمَعْنٰی بِالْعِبَادَۃِ الْمَذْکُوْرَۃِ وَعَلَی التَّقْدِیْرِ الثَّانِیْ الْمُرَادُ مِنْہُ الْقُدْرَۃُ عَلٰی کُلِّ الْمُمْکِنَاتِ جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے. تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے + تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَقَلَمُ تَصْوِیْرِھَا الَّذِیْ ھُوَ مِفْتَاحٌ یُفْتَحُ بِہٖ بَابُ عِلْمِ تَکْوِیْنِھَا عَلٰی صُوَرِھَا وَکَوْنُھَا ھُوَ الْمَلَکُوْتُ فَبِقَلَمِ مَلَکُوْتِ کُلِّ شَیْئٍ یَکُوْنُ کُلُّ شَیْئٍ وَقَلَمُ الْمَلَکُوْتِ بِیَدِ اللّٰہِ لِاَنَّ الْغَیْبَ ھُوَ عِلْمُ التَّکْوِیْنِ اُن چیزوں کے نقش باندھنے کا قلم جو ایسی کنجی ہے جس سے اُن چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے (اُن کی مناسب صورتوں پر) وہ ہی ملکوت ہے پس ہر چیز کے ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا قلم اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ غیب سے مراد پیدا کرنے کا جاننا ہے ٭

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمَّا کَانَ عَالِمًا بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ

عبّر هٰذا المعنى بهٰذه العبارة وعلى التفسير الثاني يكون المعنى وعنده خزائن الغيب والمراد منه القدرة الكاملة على كل الممكنات کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے۔ تو اس معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اس کے معنے یہ ہوں گے کہ اللہ کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ ۔

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جانتا ۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے۔ قَالَ الْحَرِيرِيُّ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَمَنْ تُطْلِعُهُ عَلَيْهَا مِنْ خَلِيلٍ وَحَبِيبٍ اَىْ لَا يَعْلَمُهَا الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهٖ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَهُمْ حریری نے فرمایا کہ اِن کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے اُن محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی اُن کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے ۔

تفسیر عنایت القاضی یہ ہی آیت وَجْهُ اخْتِصَاصِهَا بِهٖ تَعَالٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ اِبْتِدَاءً اِلَّا هُوَ ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداءً خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

اِس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے ۔

نکتہ بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا۔ کہ اعلیحضرت قدس سرّہٗ نے اِس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں ہے عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ دوسری میں ہے لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. مفاتح اور مقالید دونوں کے معنے ہیں کنجیاں۔ اور اگر مفاتح کا اول و آخر حرف یعنی م، ح لو۔ اور مقالید کا اول و آخر حرف یعنی م، د لو۔ تو بنتا ہے مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ذات رسول اللہ ہی ظہور عالم کی کنجی ہے لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے ہیں ویسا کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمدیہ کو رب ہی جانے مفاتح جمع اس لئے بولا کہ آپ کی ہر ادا رحمت الٰہی کی کنجی ہے۔ آپ کا نور عالم کی کنجی كُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُوْرِىْ قیامت میں آپ کا سجدہ شفاعت کی کنجی، جنت میں آپ کا نام ہر نعمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لئے جنت کے کھلنے کی کنجی۔ دیکھو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان ۔

نکتہ اِس آیت سے یہ تو معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کُنجیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ اس کُنجی سے کسی کے لئے دروازہ غیب کھولا بھی گیا یا نہیں ؟ یا کسی کو کوئی کُنجی دی گئی یا نہیں ؟ اس کا جواب قرآن وحدیث سے پوچھو۔ قرآن فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ہم نے آپ کے لئے ظاہر طور پر کھول دیا۔ کیا کھول دیا؟ اس کی نفیس توجیہیں ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن مِن آیات القرآن میں دیکھو + قفل اور کُنجی میں وہ ہی چیز رکھی جاتی ہے جو کھول کر نکالنی ہو۔ اور جسے نکالنا نہ ہو وہ زمین میں دفن کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کہ غیب دینا تھا اس لئے کُنجی میں رکھی +

حدیث میں ہے اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ مجھ کو زمین کے خزانوں کی کُنجیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کُنجی بھی دی گئی اور آپ کے لئے فتح باب بھی ہوا +

(۴) قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ +

اِس آیت کے بھی مفسّرین نے دو مطلب بیان فرمائے۔ غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا۔ کل غیب کوئی نہیں جانتا +

تفسیر انموذج جلیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ بِلَا دَلِيْلٍ اِلَّا اللّٰهُ اَوْ بِلَا تَعْلِيْمٍ اَوْ جَمِيْعَ الْغَيْبِ اِس آیت کے معنے یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر بتائے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا + تفسیر مدارک یہ ہی آیت وَالْغَيْبُ مَا لَمْ يَقُمْ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ وَّلَا اُطْلِعَ عَلَيْهِ مَخْلُوْقٌ غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اُس پر مطلع نہ کیا گیا ہو +

مدارک کی اِس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا۔ غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے + اسی آیت کے کچھ آگے ہے مَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں موجود ہے "

فتاویٰ امام نووی مَا مَعْنٰى قَوْلِ اللّٰهِ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَاَشْبَاهِ ذٰلِكَ مَعَ اَنَّهٗ قَدْ عَلِمَ مَا فِيْ غَدٍ وَالْجَوَابُ مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ اِسْتِقْلَالًا وَاَمَّا الْمُعْجِزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ فَحَصَلَتْ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ لَا اِسْتِقْلَالًا آیت لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وغیرہ کے کیا معنی ہیں۔

حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے ہیں جواب اس کے معنے یہ ہیں کہ غیب کو مستقل طور پر (ذاتی) کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات پس یہ رب کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال + امام ابن حجر مکی فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں مَاذَکَرْنَاہُ فِی الْاٰیٰتِ صَرَّحَ بِہِ النَّوَوِیُّ فِی فَتَاوَاہُ فَقَالَ لَایَعْلَمُ ذٰلِکَ اِسْتِقْلَالًا وَعِلْمَ اِحَاطَۃٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ ہم نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا اس کی امام نووی نے اپنے فتاوی میں تصریح کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے معلومات الٰہیہ کو کوئی نہیں جانتا + شرح شفاء خفاجی میں ہے ھٰذَا لَایُنَافِی الْاٰیٰتِ الدَّالَّۃَ عَلٰی اَنَّہٗ لَایَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ فَاِنَّ الْمَنْفِیَّ عِلْمُہٗ مِنْ غَیْرِ وَاسِطَۃٍ اَمَّا اِطِّلَاعُہٗ عَلَیْہِ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ فَاَمْرٌ مُتَحَقِّقٌ یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ نفی بے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے جاننا یہ ثابت ہے

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض غیبوں کا علم حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں اور اس میں بالکل کی نفی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان و ملک الموت کو علم غیب مانا ہے۔ دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۵۰۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے۔ قرآن کریم میں ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ حکم خدا کے سوا کا نہیں لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ خدا کی ہی وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا اللہ کافی گواہ ہے وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا اللہ کافی وکیل ہے وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا اللہ کافی حساب لینے والا ہے ،

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حکومت، ملکیت، گواہی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اب بادشاہ اسلام کو حاکم، ہر شخص کو اپنی چیزوں کا مالک، مشرکین کو وکیل، محاسب اور عام لوگوں کو مقدمات کا گواہ مانا جاتا ہے یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان آیات میں حکومت ملکیت وغیرہ سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے۔ اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف بعطائے الٰہی مانے گئے اسی طرح آیات غیب میں بھی توجیہ کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطائی کا ثبوت ،

(۵) وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَہٗ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن ،

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں اولاً یہ کہ علم کے چند معنی ہیں۔ جاننا۔ ملکہ

دانش و تجربہ وغیرہ) اس جگہ علم کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا۔ نہ یہ کہ ان کو اچھا برا صحیح غلط شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی ہیں۔ ایک تو وزن و قافیہ والا کلام (غزل) دوسرے جھوٹی اور وہمی و خیالی باتیں چاہے نظم ہوں یا نثر اس آیت میں یہ دوسرے معنی ہی مراد ہیں یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور وہمی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔ تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ اجمالی کلام ہے یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے نہ کہ معمے اور اجمالی باتیں وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ علم بمعنی ملکہ۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ اور ہم نے ان کو تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا۔

دیلمی سے حضرت جابر نے روایت کی عَلِّمُوْا اَبْنَاءَكُمُ الرَّمْيَ یعنی اپنی اولاد کو تیر اندازی سکھاؤ۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ كَانَ لَا يُحْسِنُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ يُمَيِّزُ جَيِّدَ الشِّعْرِ وَرَدِيَّهٗ زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے لیکن اچھے اور ردی شعر میں فرق فرما لیتے تھے۔ روح البیان یہ ہی مقام اَنَّ الْمُحَرَّمَ عَلَيْهِ اِنَّمَا هُوَ اِنْشَاءُ الشِّعْرِ آپ کے لیے شعر بنانا منع تھا۔

شعر کے معنی ہیں جھوٹا کلام۔ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے۔ اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں بَلْ هُوَ شَاعِرٌ اس شعر سے ان کی مراد تھی جھوٹا کلام۔ قرآن کے اس بکواس کی تردید اسی آیت نے کردی۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔ یہاں اگر شعر سے مراد منظوم کلام ہو۔ تو اس عبارت سے آیت کا کیا تعلق ہوگا؟

مدارک یہ ہی آیت اَیْ مَا عَلَّمْنَا النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشِّعْرِ اَوْ مَا عَلَّمْنٰهُ بِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ الشِّعْرَ عَلٰى مَعْنٰى اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَيْسَ بِشِعْرٍ یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا یا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔

خازن یہ ہی آیت وَلَمَّا نَفٰى اَنْ يَّكُوْنَ الْقُرْاٰنُ مِنْ جِنْسِ الشِّعْرِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ جبکہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور روشن قرآن۔ خازن قِيْلَ اِنَّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا شَاعِرٌ وَّمَا يَقُوْلُهٗ شِعْرٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَكْذِيْبًا لَّهُمْ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کہا گیا ہے کہ

کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے۔ اس کی تکذیب کے لئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ؛

تنبیہ اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ اگر کوئی شعر پڑھتے تھے تو وزن بگڑ جاتا۔ دیکھو اسی خازن میں ہے اَیْ مَا یَسْهُلُ لَهٗ ذٰلِكَ وَمَا يُصْلَحُ مِنْهُ بِحَيْثُ لَوْ اَرَادَ نَظْمَ شِعْرٍ لَمْ يَتَاَتَّ لِذٰلِكَ یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست نہ ادا ہوتا تھا۔ اگر کسی شعر کو نظم فرمانے کا ارادہ فرماتے تو نہ ہو سکتا تھا ؛ مدارک۔ اَیْ جَعَلْنَاهُ بِحَيْثُ لَوْ اَرَادَ قَرْضَ شِعْرٍ لَمْ يَتَسَهَّلْ یعنی ہم نے آپ کو اس طرح کیا ہے کہ اگر شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو ؛ تفسیر کبیر وَمَا يَتَسَهَّلُ لَهٗ حَتّٰى اَنَّهٗ اِنْ تَمَثَّلَ لَهٗ بَيْتُ شِعْرٍ سُمِعَ مِنْهُ مُزَاحِفًا آپ کو شعر آسان نہیں یہاں تک کہ اگر کسی کو ادا فرمانے کا ارادہ فرمادیں تو وہ آپ سے ٹوٹا ہوا سنا جاتا ہے ؛

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور۔ بڑے بڑے شعراء اور اشعار گا کر پڑھ نہیں سکتے۔ بہت سے نعت خواں اور قوال علم شعر نہیں رکھتے مگر شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روٹی پکانا جانتے نہیں مگر اچھی بری، موٹی باریک خوب جان لیتے ہیں ؛

آپ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور مشق نہ تھی۔ نہ کہ شعر کی پہچان نہ تھی۔ یہ ہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند ؛

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے كَانَ اَحَبَّ الْحَدِيْثِ اِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشِّعْرُ وَاَيْضًا كَانَ اَبْغَضَ الْحَدِيْثِ اِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشِّعْرُ حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا اور نہایت ناپسند بھی ؛ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی ہے۔ جیسے کہ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ۔ اگر اچھے برے شعر کی پہچان نہیں تو یہ تعریف فرمانا کیسا ؛ شعر سے مراد اجمالی یعنی غیر مفصل کلام اور معمے ہیں ؛

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَالَ الشَّيْخُ الْاَكْبَرُ اِعْلَمْ اَنَّ الشِّعْرَ مَحَلٌّ لِلْاِجْمَالِ وَاللُّغْزِ وَالتَّوْرِيَةِ اَيْ مَا رَمَزْنَا لِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَيْئًا وَلَا لَغَزْنَا وَلَا خَاطَبْنَاهُ بِشَيْءٍ وَنَحْنُ نُرِيْدُ شَيْئًا وَلَا اَجْمَلْنَا لَهُ الْخِطَابَ حَيْثُ لَمْ يَفْهَمْ جاننا چاہیے کہ شعر

اجمال اور پھسلنے اور اشاروں کا مقام ہے۔ یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لئے کسی چیز کے اشارے نہ کئے۔ اور نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ کچھ فرمائیں اور خطاب کچھ کریں۔ اور اُن سے اس طرح اجمالی کلام نہ فرمایا۔ کہ سمجھ میں نہ آوے +

(۶) مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ اُن میں سے کسی کا احوال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا +

اِس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجیہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صراحتًہ ذکر کی نفی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحتہً بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیلی کی نفی ہے۔ اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وحی ظاہر میں سب کا بیان نہ ہوا۔ وحی خفی میں سب کا ذکر فرمایا گیا + تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیۡهِ السَّلَامُ لَمۡ یَخۡرُجۡ مِنَ الدُّنۡیَا حَتّٰی عَلِمَ جَمِیۡعَ الۡاَنۡبِیَاءِ تَفۡصِیۡلًا کَیۡفَ لَا وَهُمۡ مَخۡلُوۡقُوۡنَ مِنۡهُ وَخَلۡفَهُمۡ لَیۡلَةَ الۡاِسۡرَاءِ فِیۡ بَیۡتِ الۡمَقۡدِسِ وَلٰکِنَّهُ الۡعِلۡمُ الۡمَکۡنُوۡنُ وَاِنَّمَا تَرَكَ بَیَانَ قَصَصِهِمۡ لِاُمَّتِهٖ رَحۡمَةً بِهِمۡ فَلَمۡ یُکَلِّفۡهُمۡ اِلَّا بِمَا کَانُوۡا یُطِیۡقُوۡنَ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیلاً جان لیا کیونکہ نہ جانیں وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور شب معراج بیت المقدس میں آپ کے مقتدی بنے لیکن یہ علم مکنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے چھوڑ دیئے اُمت کے لئے اُن پر رحمت فرماتے ہوئے پس اُن کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے + مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے هٰذَا لَا یُنَافِیۡ قَوۡلَهٗ تَعَالٰی مِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَیۡكَ لِاَنَّ الۡمَنۡفِیَّ هُوَ التَّفۡصِیۡلُ وَالثَّابِتَ هُوَ الۡاِجۡمَالُ اَوِ النَّفۡیُ مُقَیَّدٌ بِالۡوَحۡیِ الۡجَلِیِّ وَالثُّبُوۡتُ مُتَحَقِّقٌ بِالۡوَحۡیِ الۡخَفِیِّ یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَیۡكَ کیونکہ نفی تو علم تفصیلی کی ہے اور ثبوت علم اجمالی کا ہے یا نفی وحی ظاہر (قرآن) کی ہے اور ثبوت وحی خفی (حدیث) کا ہے + قرآن کریم فرماتا ہے کُلًّا نَّقُصُّ عَلَیۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں +

(۷) یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ

الْغُیُوْبِ جس دن اللہ جمع فرماوے گا رسولوں کو۔ پھر فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کرینگے ہیں کچھ علم نہیں۔ بے شک توہی غیبوں کا خوب جاننے والا ہے ؛

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی دو توجیہیں فرمائی ہیں اولاً یہ کہ خدایا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ ادباً یہ عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفسی نفسی فرمانے کا وقت ہوگا۔ اس وقت انبیائے کرام یہ فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کرینگے کہ ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے جس پر اُمتِ مصطفےٰ علیہ السلام انبیائے کرام کی گواہی دے گی ؛ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَعَلٰی هٰذَا الْقَوْلِ اِنَّمَا نَفَوُا الْعِلْمَ عَنْ اَنْفُسِهِمْ وَاِنْ كَانُوْا عُلَمَاءَ لِاَنَّ عِلْمَهُمْ صَارَ كَلَا عِلْمٍ عِنْدَ عِلْمِ اللّٰهِ پس اس قول کی بنا پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے علم کی نفی کی اگرچہ وہ جانتے تھے۔ کیونکہ اُن کا علم اللہ کے علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہوگیا ؛ مدارک قَالُوْا ذٰلِكَ تَاَدُّبًا اَیْ عِلْمُنَا سَاقِطٌ مَعَ عِلْمِكَ فَكَاَنَّهٗ لَا عِلْمَ لَنَا انبیاء نے یہ عرض کیا ادباً یعنی ہمارا علم تیرے علم کے ساتھ ساقط ہے پس گویا ہم کو علم ہی نہیں ؛ تفسیر کبیر یہ ہی آیت اِنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمَّا عَلِمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَالِمٌ لَا يَجْهَلُ حَلِيْمٌ لَا يَسْفَهُ عَادِلٌ لَا يَظْلِمُ عَلِمُوْا اَنَّ قَوْلَهُمْ لَا يُفِيْدُ خَيْرًا وَّلَا يَدْفَعُ شَرًّا فَالْاَدَبُ فِی السُّكُوْتِ وَتَفْوِيْضِ الْاَمْرِ اِلَى اللّٰهِ وَعَدْلِهٖ فَقَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا (از خازن) انبیائے کرام نے جبکہ جان لیا کہ اللہ عالم ہے بے علم نہیں، حلیم ہے سفیہ نہیں، انصاف والا ہے ظالم نہیں تو وہ سمجھ گئے۔ کہ اُن کی بات نہ تو بھلائی کا فائدہ دے گی اور نہ مصیبت کو دفع کرے گی۔ پس ادب خاموشی میں اور معاملہ کو اللہ کے عدل کی طرف سپرد کر دینے میں ہے۔ لہٰذا انہوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں ؛ بیضاوی یہ ہی آیت وَقِيْلَ الْمَعْنٰى لَا عِلْمَ لَنَا اِلٰى جَنْبِ عِلْمِكَ کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے علم کے مقابل علم نہیں ؛ روح البیان یہ ہی آیت اِنَّ هٰذَا الْجَوَابَ يَكُوْنُ فِیْ بَعْضِ مَوَاطِنِ الْقِيٰمَةِ وَتَرْجِعُ عُقُوْلُهُمْ اِلَيْهِمْ فَيَشْهَدُوْنَ عَلٰى قَوْمِهِمْ اَنَّهُمْ بَلَّغُوا الرِّسَالَةَ وَاَنَّ قَوْمَهُمْ كَيْفَ رَدُّوْا عَلَيْهِمْ یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہوگا اور اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور ہماری قوم نے کیا جواب دیا (ملخصاً) ؛

(۸) وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا اور تمہارے ساتھ کیا؟

اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی نہ کسی اور کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اس آیت درایت کی نفی ہے نہ کہ علم کی۔ درایت اٹکل اور قیاس کے جاننے کو کہتے ہیں یعنی میں بغیر وحی اپنے قیاس سے یہ امور نہیں جانتا وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے سے پہلے کی ہے۔ لہٰذا یہ منسوخ ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے یہ ہی آیت مَا خَرَجَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی عَلَّمَهُ اللّٰهُ فِی الْقُرْاٰنِ مَا یُفْعَلُ بِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِجْمَالًا وَّتَفْصِیْلًا حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے ان کو قرآن میں بتا دیا کہ ان سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا و آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔ مُلّا عبدالرحمان ابن محمد دمشقی رسالہ ناسخ و منسوخ میں فرماتے ہیں وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ نُسِخَ بِقَوْلِهٖ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ آیت مَا اَدْرِیْ منسوخ ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ سے۔ تفسیر خازن اسی آیت کے ماتحت ہے لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ فَرِحَ الْمُشْرِکُوْنَ فَقَالُوْا وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰی مَا اَمْرُنَا وَاَمْرُ مُحَمَّدٍ اِلَّا وَاحِدًا وَمَا لَهٗ عَلَیْنَا مِنْ مَّزِیَّةٍ وَّفَضْلٍ لَوْلَا اَنَّهٗ مَا ابْتَدَعَ مَا یَقُوْلُهٗ لَاَخْبَرَهُ الَّذِیْ بَعَثَهٗ بِمَا یُفْعَلُ بِهٖ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ الْاٰیَةَ فَقَالَتِ الصَّحَابَةُ هَنِیْئًا لَكَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْتَ مَا یُفْعَلُ بِكَ فَمَاذَا یُفْعَلُ بِنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ الْاٰیَةَ وَاَنْزَلَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا کَبِیْرًا وَهٰذَا قَوْلُ اَنَسٍ وَقَتَادَةَ وَعِکْرِمَةَ قَالُوْا اِنَّمَا هٰذَا قَبْلَ اَنْ یُّخْبِرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهٖ وَاِنَّمَا اُخْبِرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهٖ عَامَ الْحُدَیْبِیَةِ فَنُسِخَ ذٰلِكَ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات و عزّیٰ کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے ان کو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں۔ اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر نہ کہتے ہوتے تو ان کو بھیجنے والا خدا انہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کرے گا تو رب نے یہ آیت اتاری لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ

پس صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا۔ ہم سے کیا معاملہ کیا جاویگا۔ تو یہ آیت اُتری کہ داخل فرمائے گا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں الخ اور یہ آیت اُتری کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ اُن کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔ یہ حضرت انس اور قتادہ و عکرمہ کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جب کہ حضور علیہ السلام کو اُن کی مغفرت کی خبر دی گئی۔ مغفرت کی خبر آپ کو حدیبیہ کے سال دی گئی۔ تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

اگر کوئی کہے کہ آیت۔ لَا اَدْرِیْ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہو سکتی۔ تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت سے علماء نسخ خبر جائز کہتے ہیں جیسے وَاِنْ تُبْدُوْا الآیۃ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا سے منسوخ ہے ایسے ہی لَا اَدْرِیْ کو ابن عباس و انس و ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ سے منسوخ مانا (تفسیر کبیر و در منثور و ابو السعود) دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا قُلْ لَا اَدْرِیْ اور قُلْ امر ہے۔ نسخ کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر اور معنیٰ میں حکم ہیں۔ جیسے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ یا لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ وغیرہ ان جیسی خبروں کا نسخ جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفاسیر و احادیث پر ہے جن سے نسخ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے مذکورہ بالا مطلب نہ بیان کئے جاویں تو صدہا احادیث کی مخالفت ہو گی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن لِوَاءُ الْحَمْدِ ہمارے ہاتھ ہو گا۔ آدم و آدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہوں گے شفاعت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا حوض ایسا ہوگا، اُس کے برتن اس طرح کے ہونگے وغیرہ وغیرہ۔ ابوبکر جنتی ہیں، حسن و حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں، فاطمہ زہرا خاتونانِ جنت کی سردار ہیں کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک شخص بہت اچھی طرح جہاد کر رہا ہے صحابہ کرام نے اُس کی تعریف کی۔ فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخر کار اُس نے خودکشی کی۔ اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہ ہو۔ تو اپنی اور دیگر حضرات کی یہ خبریں کس طرح سُنا رہے ہیں۔ وہ تو جس کے ایمان کی رجسٹری فرما دیں وہ کامل مومن ہے۔ اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ درست سمجھ عطا فرماوے۔ آمین۔

(۹) لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ تم اُن کو نہیں جانتے ہم اُن کو جانتے ہیں۔

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دربار میں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے پھر علم غیب کیسا؟ مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ اور ضرور تم اُن کو بات کے طریقہ سے پہچان لو گے۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ ہے یا یہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے ان کو نہیں پہچانتے۔ جمل میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَإِنْ قُلْتَ كَيْفَ نُفِيَ عَنْهُ عِلْمُ بِحَالِ الْمُنَافِقِيْنَ وَاَثْبَتَهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ فَالْجَوَابُ اَنَّ اٰيَةَ النَّفْيِ نَزَلَتْ قَبْلَ اٰيَةِ الْاِثْبَاتِ اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کیوں کی گئی حالانکہ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ میں اس کے جاننے کا ثبوت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے اُتری ہے۔

اسی جمل میں زیر آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ہے فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلَّا عَرَفَهُ وَيَسْتَدِلُّ عَلٰى فَسَادِ بَاطِنِهِ وَنِفَاقِهِ اس آیت کے بعد کوئی بھی منافق حضور علیہ السلام کی خدمت میں کلام نہ کرتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام اُس کو پہچان لیتے تھے۔ اور اُس کے فساد باطن اور نفاق پر دلیل پکڑتے تھے۔ تفسیر بیضاوی یہی آیت خَفِيَ عَلَيْكَ حَالُهُمْ مَعَ كَمَالِ فِطْنَتِكَ وَصِدْقِ فِرَاسَتِكَ آپ پر اُن کا حال باوجود آپ کی کمال سمجھ اور سچی مردم شناسی کے مخفی رہ گیا۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اندازے سے پتہ لگا لینے کی نفی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو اُن احادیث کی مخالفت ہو گی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں کو پہچانتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔ عینی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ اُخْرُجْ يَا فُلَانُ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ فَاَخْرَجَ مِنْهُمْ نَاسًا فَفَضَحَهُمْ حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا پس فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے۔ اُن میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا۔ شرح شفا ملا علی قاری جلد اوّل صفحہ ۱۴۱ میں فرماتے ہیں عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الْمُنَافِقُوْنَ مِنَ الرِّجَالِ ثَلٰثَةَ مِائَةٍ وَمِنَ النِّسَاءِ مِائَةً وَسَبْعِيْنَ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین مرد تین سو تھے اور عورتیں ایک سو ستر۔

ہم اثباتِ علمِ غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم پر ہماری اُمت پیش کی گئی۔ لہٰذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومنین کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لئے آئی۔ ان سب دلائل میں مطابقت کرنے کے لئے یہ توجیہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام اظہارِ غضب کے لئے ہوتا ہے۔ اگر بچہ کو باپ مارنے لگے اور کوئی باپ سے بچالے۔ تو وہ کہتا ہے کہ اِس خبیث کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی نفی نہیں

(۱۰) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن اُبی منافق کی نماز جنازہ یا تو پڑھ لی یا پڑھنا چاہی فاروقِ اعظم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ سُنی تب یہ آیت اُتری۔ جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ اگر علمِ غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟ **جواب** اس منافق کا حضرت عباس پر کچھ احسان نہ تھا اور اس کا فرزند مخلص مومن اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی۔ کہ میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اور اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ لہٰذا دینی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تفسیر کبیر و روح البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت توبہ تھی۔ اور شریعت کا حکم ظاہر پر ہے جس پر حضور نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور نہ تھا۔ کہ حبیب کا دشمن ظاہری عزت بھی پاوے۔ لہٰذا قرآن کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرمادی۔ غرضکہ اس مسئلہ کو علمِ غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کریم کا کرم غیر اختیاری ہوتا ہے۔

(۱۱) وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ اور تم کو علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

مخالفین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے لہٰذا آپ کو علمِ غیب کُلی نہ ہوا۔ اس میں تین امور قابلِ غور ہیں اوّلاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے، کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہٰذا اس آیت کو نفی علمِ روح کی دلیل بنانا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھوڑا دیا گیا ہے۔ تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ

اَمْرِ رَبِّیْ کے معنی حضرت قبلہ عالم شیخ مہر علی شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ الرحمۃ نے سیف چشتیائی میں حضرت محی الدین ابن عربی سے نقل فرمایا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ فرما دو کہ روح امر رب سے ہے یعنی عالم بہت سے ہیں عالم عناصر، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے۔ تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے۔ کیونکہ اے کافرو تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے + روح البیان میں زیر آیت لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ہے لِاَنَّهٗ تَجَاوَزَ فِیْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ عَنْ عَالَمِ الْعَنَاصِرِ ثُمَّ عَنْ عَالَمِ الطَّبِيْعَةِ ثُمَّ عَنْ عَالَمِ الْاَرْوَاحِ حَتّٰى وَصَلَ اِلٰى عَالَمِ الْاَمْرِ وَعَيْنُ الرَّاْسِ مِنْ عَالَمِ الْاَجْسَامِ فَانْسَلَخَ عَنِ الْكُلِّ وَرَاٰى رَبَّهٗ بِالْكُلِّ حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم عناصر سے آگے بڑھے پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں تک کہ عالم امر تک پہنچے اور سر کی آنکھ عالم اجسام سے ہے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو گئے اور رب تعالیٰ کو کل ذات سے دیکھا +

اِس سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی سیر ہی نہیں فرمائی۔ بلکہ خود بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور اپنے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر روح کیونکر مخفی رہ سکتی ہے۔ جس طرح ہم جسموں کو جانتے پہچانتے ہیں۔ حضور علیہ السلام روح کو جانتے پہچانتے ہیں کیونکہ ایک ہی عالم کے ہیں۔ دنیا میں حضرت عیسٰی علیہ السلام آدھے بشر اور آدھے روح تھے۔ کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا ہم نے حضرت مریم کے پاس اپنی روح یعنی جبریل کو بھیجا۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی پھونک سے ہوئی اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں + فتوحات مکیہ باب ۵، ۵ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں فَكَانَ نِصْفُهٗ بَشَرًا وَّنِصْفُهُ الْاٰخَرُ رُوْحًا مُطَهَّرًا مَلَكًا لِاَنَّ جِبْرِيْلَ وَهَبَهٗ لِمَرْيَمَ حضرت مسیح نصف بشر اور نصف دوم پاک روح ہیں۔ کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو ان کو بخشا اور ان کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سرتا پا روح ہیں + روح البیان نے اسی آیت لَاتُدْرِکُهُ کے ماتحت لکھا اَلْحَقِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ هِيَ حَقِيْقَةُ الْحَقَائِقِ وَهُوَ الْمَوْجُوْدُ الْعَامُّ الشَّامِلُ حقیقت محمدیہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہ ہی وجود عام ہے لہٰذا آیت کے معنے یہ ہوئے کہ روح وہ جو امر یعنی کُن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ تو حقیقت محمدیہ

ہے. کہ بلاواسطہ اُن کی پیدائش ہے. اور سب کی پیدائش اُن کے نور سے ہے. مطلب یہ ہوا. کہ عالم کی روح حقیقی میں ہوں ٭ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل مراد ہیں. کفار نے سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کہانت ؟ یا جبریل کون ہیں ؟ اور کیسے آتے ہیں ؟ جواب دیا گیا. کہ قرآن امر الٰہی ہے نہ شعر ہے نہ جادو. جبریل امر الٰہی سے آتے ہیں وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ اسی کبیر میں ہے فَاِذَا كَانَ مَعْرِفَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى مُمْكِنَةً بَلْ حَاصِلَةً فَاَيُّ مَانِعٍ يَمْنَعُ مِنْ مَعْرِفَةِ الرُّوْحِ جب حضور علیہ السلام خدا کو پہچانیں تو روح کو کیوں نہ پہچانیں ٭

تیسرے یہ کہ مفسرین ومحدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا. تفسیر خازن نے اسی آیت کے ماتحت لکھا قِيْلَ اِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلِمَ مَعْنَى الرُّوْحِ لٰكِنْ لَمْ يُخْبِرْبِهٖ لِاَنَّ تَرْكَ الْاِخْبَارِ كَانَ عِلْمًا لِنُبُوَّتِهٖ وَالْقَوْلُ الْاَصَحُّ اَنَّ اللّٰهَ اِسْتَاْثَرَ بِعِلْمِ الرُّوْحِ کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن اس کی خبر نہ دی. کیونکہ خبر نہ دینا آپ کی نبوت کی علامت تھی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح سے خاص ہے اسی عبارت میں علم روح ماننے والوں کو مشرک نہ کہا گیا اور نہ اُن کے قول کو غلط بتایا ٭

تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے جَلَّ مَنْصَبُ حَبِيْبِ اللّٰهِ اَنْ يَّكُوْنَ جَاهِلًا بِالرُّوْحِ مَعَ اَنَّهٗ عَالِمٌ بِاللّٰهِ وَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِقَوْلِهٖ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ روح سے ناواقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف ہیں رب نے آپ پر احسان فرمایا کہ جتایا کہ فرمایا کہ جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتا دیا ٭

تفسیر مدارک یہ ہی آیت وَقِيْلَ كَانَ السُّؤَالُ عَنْ خَلْقِ الرُّوْحِ يَعْنِيْ اَهُوَ مَخْلُوْقٌ اَمْ لَا وَقَوْلُهٗ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ دَلِيْلُ خَلْقِ الرُّوْحِ فَكَانَ جَوَابًا کہا گیا ہے کہ سوال روح کی پیدائش کے متعلق تھا کہ روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے لہٰذا یہ جواب ہو گیا ٭

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے ٭ مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذا رسانی کفار فقراء صحابہ را میں شیخ فرماتے ہیں "چہ گونہ جرأت کند مومن عارف کی نفی علم بحقیقت روح

از سید المرسلین وامام العارفین کند وداده است اُو را حق سبحانہٗ علم ذات وصفات خود وفتح کرده برائے او فتح مبین از علوم اولین وآخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت وے قطرہ ایست از دریا وذرہ ایست از بیدا۔ مومن عارف یہ ہمت کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ رب نے ان کو اپنی ذات وصفات کا علم دیا ہے اور اُن کے علوم اولین وآخرین کھول دیئے۔ حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ اور جنگل کا ایک ذرہ ہے۔ احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں وَلَا تَظُنَّنَّ اَنَّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ مَكْشُوْفًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنَّ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ نَفْسَهٗ فَكَيْفَ يَعْرِفُ اللّٰهَ سُبْحٰنَهٗ وَلَا يَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ مَكْشُوْفًا لِبَعْضِ الْاَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ تم یہ نہ گمان کرنا کہ یہ روح حضور علیہ السلام کو ظاہر نہ تھی۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا وہ اللہ کو کس طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں کہ روح بعض اولیاء وعلماء کو ظاہر ہو۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور کے صدقہ سے بعض علماء واولیاء کو بھی ملا۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا۔ مگر وہ بلا دلیل ہے۔ نیز جب ثبوت ونفی کے دلائل ہوں تو ثبوت کو اختیار کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کر چکے ہیں۔

(۱۲) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ غزوہ تبوک میں بعض منافقین نے غلط بہانہ کر کے شرکت نہ کی۔ حضور علیہ السلام کو اُن کی حیلہ سازی کا پتہ نہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جانے کی اجازت دے دی۔ اس آیت میں آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل حال آپ پر ظاہر ہوتا۔ جواب۔ نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور اُن کے فریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے اُن کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش! آپ نے اُن کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کونسی ہوئی تھی؟ عَفَا اللّٰهُ کلمہ دعائیہ ہے نہ کہ عتاب۔

(۱۳) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لئے ٹھیری ہوئی ہے۔ تم کو اس کے بیان سے کیا تعلق؟

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی

لہٰذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ علم بھی عطا فرمایا۔ مفسرین نے اس آیت کی چند توجیہیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے۔ دوم یہ کہ اس سے مقصود سائلین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپ کے علم کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جان لینا چاہیے۔ کہ قیامت قریب ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتانے نہیں بھیجے گئے۔ تفسیر صاوی یہ ہی آیت وَهٰذَا قَبْلَ اِعْلَامِهٖ بِوَقْتِهَا فَلَا يُنَافِيْ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے۔ لہٰذا یہ اس قول کے خلاف نہیں۔ کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔

روح البیان یہ ہی آیت قَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ اِلٰى اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ وَهُوَ لَا يُنَافِي الْحَصْرَ فِي الْاٰيَةِ بعض مشائخ ادھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے وقت کو جانتے تھے اللہ کے بتانے سے۔ اور یہ قول اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔ روح البیان میں یہ ہی عبارت پارہ ۹ زیر آیت يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا میں بھی ہے۔ اور وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیحہ ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔ تفسیر خازن یہ ہی آیت وَقِيْلَ مَعْنَاهُ فِيْمَ اِنْكَارٌ لِسُؤَالِهِمْ اَيْ فِيْمَا هٰذَا السُّؤَالُ ثُمَّ قَالَ اَنْتَ يَا مُحَمَّدُ مِنْ ذِكْرَاهَا اَيْ مِنْ عَلَامَتِهَا لِاَنَّكَ اٰخِرُ الرُّسُلِ فَكَفَاهُمْ ذٰلِكَ دَلِيْلًا عَلٰى دُنُوِّهَا کہا گیا ہے کہ فیما کفار کے سوال کا انکار ہے۔ یعنی اُن کا سوال کس شمار میں ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں پس اُن کو یہ دلیل کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔ تفسیر مدارک یہ ہی آیت اَوْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يَذْكُرُ السَّاعَةَ وَيُسْئَلُ عَنْهَا حَتّٰى نَزَلَتْ فَهُوَ تَعَجُّبٌ مِّنْ كَثْرَةِ ذِكْرِهَا یا حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور اس کے بارے میں سوال کئے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اُتری پس یہ آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔ اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کس قدر ذکر

قیامت فرماتے ہیں + مدارک یہ ہی آیت اَوْ فِیْمَا اِنْکَارٌ لِسُوَالِہِمْ عَنْہَا اَیْ فِیْمَا ھٰذَا السُّوَالُ ثُمَّ قَالَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا وَاَنْتَ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَامَةٌ مِّنْ عَلَامَاتِہَا فَلَا مَعْنٰی لِسُوَالِہِمْ عَنْہَا یا (فِیْمَا) کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے. پھر فرمایا کہ آپ اُس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں کیونکہ آپ آخری نبی ہیں. قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں اب اُن کے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں +

اب اس آیت کا مطلب یہ ہُوا کہ اُن کا قیامت کے متعلق پوچھنا لغو ہے. آپ خود اس کی علامت ہیں وہ کیوں پوچھتے ہیں + مدارک یہ ہی آیت قِیْلَ فِیْمَا اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا مُتَّصِلٌ بِالسُّوَالِ اَیْ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا وَیَقُوْلُوْنَ اَیْنَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا ثُمَّ اسْتَاْنَفَ فَقَالَ اِلٰی رَبِّکَ اور کہا گیا ہے کہ فِیْمَا اَنْتَ سوال سے ملا ہوا ہے یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے آیا. پھر رب تعالیٰ نے اپنی بات شروع کی اِلٰی رَبِّکَ + اب آیت کا مطلب یہ ہُوا کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے ہے. رب نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے. تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے + مدارک یہ ہی آیت اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَا اَیْ لَمْ تُبْعَثْ لِتُعْلِمَہُمْ بِوَقْتِ السَّاعَةِ اِنَّمَا اَنْتَ الخ یعنی آپ اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ اُن کو قیامت کے وقت کی خبر دیں + اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں ورنہ نہیں. محض بیہودہ ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں. نبی کے لیے تبلیغ احکام ضروری ہے + مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذاء رسانی کفار فقراء صحابہ را میں ہے "و بعضے علماء علم ساعت نیز مثل ایں معنی گفتہ اند" یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا +

(۴) یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْہَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُہَا عِنْدَ اللّٰہِ تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اس کو خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے +

مخالفین اس آیت کو پیش کرکے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں. اس کے دو جواب ہیں. ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں دیا. اس میں تو یہ ہے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے. دینے کی نفی نہیں. دوم یہ کہ یہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے +

تفسیر صاوی یہ ہی آیت وَالَّذِیْ یَجِبُ الْاِیْمَانُ بِہٖ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَہُ اللّٰہُ جَمِیْعَ الْمُغَیَّبَاتِ الَّتِیْ تَحْصُلُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَھُوَ یَعْلَمُھَا کَمَا ھِیَ عَیْنَ یَقِیْنٍ لِمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِیْھَا کَمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ وَوَرَدَ اَنَّہٗ اُطْلِعَ لِیَ الْجَنَّۃَ وَمَا فِیْھَا وَالنَّارَ وَمَا فِیْھَا وَغَیْرَ ذٰلِکَ مِمَّا تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَلٰکِنْ اُمِرَ بِکِتْمَانِ بَعْضِھَا جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے آپ کو تمام وہ غائب چیزیں بتا دیں جو دنیا اور آخرت میں ہونگی جس طرح کہ ہیں بہ عین یقین۔ کیونکہ حدیث میں آیا۔ کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں۔ یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں اور دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی۔ علاوہ ازیں اور متواتر خبریں لیکن بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا ؛

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنْھَا کَاَنَّکَ حَفِیٌّ یعنی یہ لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں اور آپ ان کو بتا ہی دیں گے۔ حالانکہ یہ اسرار الٰہی میں سے ہے۔ اغیار سے چھپانا ہے + معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے مگر اظہار کی اجازت نہیں ؛

(۱۵) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے ؛

تفسیر صاوی یہ ہی آیت اِنَّمَا وَقْتَ السُّوَالِ وَاِلَّا فَلَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی اَطْلَعَہُ اللّٰہُ عَلٰی جَمِیْعِ الْمُغَیَّبَاتِ وَمِنْ جُمْلَتِھَا السَّاعَۃُ یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تھا ورنہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبوں پر مطلع فرما دیا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے + روح البیان یہ ہی آیت وَلَیْسَ مِنْ شَرْطِ النَّبِیِّ اَنْ یَّعْلَمَ الْغَیْبَ بِغَیْرِ تَعْلِیْمٍ مِّنَ اللّٰہِ تَعَالٰی اور نبی کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے غیب جانے + اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہٰذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل پکڑنا غلط ہے + تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَلْمَعْنٰی

لَا یُفِیْدُ عِلْمَہٗ غَیْرُہٗ تَعَالٰی فَلَا یُنَافِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اُطْلِعَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ وَمَا ھُوَ کَائِنٌ وَمِنْ جُمْلَتِہٖ عِلْمُ السَّاعَۃِ معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرمادیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مشکوٰۃ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا اَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَۃِ مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے۔ تو فرمایا کہ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی۔ ورنہ فرماتے لَا اَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی خبر ہے اور تم کو بھی۔ اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرانا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ جواب سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا کہ فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِھَا تو قیامت کی نشانیاں ہی بتادیجئے اس پر حضور علیہ السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولاد نافرمان ہوگی اور کمین لوگ عزت پائیں گے وغیرہ وغیرہ جس کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو ان سے اس کے نشان پوچھنا کیا معنی؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃَ کَھَاتَیْنِ ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں (مشکوٰۃ باب خطبہ یوم الجمعہ) یعنی ہمارے زمانہ کے بعد بس قیامت ہی ہے۔ اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی۔ کیونکہ نہ ابھی دجال آیا نہ حضرت مسیح و مہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا پھر

قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنے ؟ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ سنہ نہ بتایا۔ کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی۔ سنہ ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی۔ کہ ہجرت تو ربیع الاول میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو بھی کوئی اہم واقعہ ہوا۔ اُس سے سال منسوب کر دیا۔ سال فیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کس طرح بتایا جا سکتا تھا۔ اُس دن کے علامات وغیرہ سب بتا دیئے اور جو ذات اس قدر تفصیلی علامتیں بیان کرے وہ بے علم کس طرح ہو سکتی ہے ؟ نیز ہم ثبوتِ علمِ غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من و عن واقعات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا تو جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء ددٗ ملی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہاء کا علم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے۔ جو حضرت صدر الافاضل مُرشدی اُستاذی مولانا سیّد نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایک تقریر کے دوران میں ارشاد فرمائی ۔

(۱۶)، اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ؕ بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔ بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے ۔

اِس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کے لئے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علومِ خمسہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی، بارش کب ہوگی۔ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا۔ اور کون کہاں مریگا ؟ اس آیت کی تائید میں شرح مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا فِیْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَءَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

یعنی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا. پھر یہی آیت تلاوت فرمائی. ہم علوم خمسہ کے بارے میں نہایت منصفانہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے تمنائے قبول رکھتے ہیں. اولاً اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں *

تفسیرات احمدیہ زیر آیت مذکورہ وَلَكَ اَنْ تَقُوْلَ اِنَّ عِلْمَ هٰذِهِ الْخَمْسَةِ وَاِنْ لَّا يَعْلَمُهَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ لٰكِنْ يَجُوْزُ اَنْ يُّعَلِّمَهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ مُّحِبِّيْهِ وَاَوْلِيَائِهٖ بِقَرِيْنَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ بِمَعْنَى الْمُخْبِرِ اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا. لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے ولیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے. اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خبیر بمعنی مخبر + تفسیر صاوی آیت مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا کے ماتحت فرماتے ہیں اَیْ مِنْ حَيْثُ ذَاتِهَا وَاَمَّا بِاِعْلَامِ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ كَالْاَنْبِيَاءِ وَبَعْضِ الْاَوْلِيَاءِ قَالَ تَعَالٰى وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ قَالَ تَعَالٰى فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَلَا مَانِعَ مِنْ كَوْنِ اللّٰهِ يُطْلِعُ بَعْضَ عِبَادِهِ الصّٰلِحِيْنَ عَلٰى بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ فَتَكُوْنُ مُعْجِزَةً لِّلنَّبِيِّ وَكَرَامَةً لِّلْوَلِيِّ وَلِذٰلِكَ قَالَ الْعُلَمَاءُ الْحَقُّ اَنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَطْلَعَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْخَمْسِ یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے بتانے سے جاننا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے انبیاء اور بعض اولیاء رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیبوں پر مطلع فرمادے. تو کوئی مانع نہیں. پس یہ علم نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہوگا. اسی لئے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے. یہاں تک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرمادیا + تفسیر عرائس البیان زیر آیت يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ہے سَمِعْتُ اَيْضًا مِنْ بَعْضِ الْاَوْلِيَاءِ اَنَّهٗ اَخْبَرَ مَا فِي الرَّحِمِ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَرَاَيْتُ بِعَيْنِيْ مَا اَخْبَرَ ہم نے بعض اولیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے بچہ، لڑکی یا لڑکے کی خبر دی. اور ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ہی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی *

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَمَارُوِیَ عَنِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ مِنَ الْاَخْبَارِ عَنِ الْغُیُوْبِ فَبِتَعْلِیْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِمَّا بِطَرِیْقِ الْوَحْیِ اَوْبِطَرِیْقِ الْاِلْھَامِ وَالْکَشْفِ وَکَذَا اَخْبَرَ بَعْضُ الْاَوْلِیَاءِ عَنْ نُزُوْلِ الْمَطَرِ وَاَخْبَرَ عَمَّا فِی الرَّحِمِ مِنْ ذَکَرٍ فَوَقَعَ کَمَا اَخْبَرَ اور جو غیب کی خبریں انبیاء و اولیاء سے مروی ہیں پس یہ اللہ کی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے طریق سے۔ اور اسی طرح بعض اولیاء نے بارش آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچہ لڑکے یا لڑکی کی خبر دی۔ تو وہ ہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں جو علوم خمسہ میں سے ہے۔

اِن تفاسیر کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے علوم خمسہ اپنے حبیب علیہ السلام کو دیئے اور اس آیت میں خبیر بمعنی مخبر ہے۔ اس کے متعلق اور بھی تفاسیر کی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر اسی پر اختصار کرتا ہوں۔ اب رہی مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں جانتا۔ اس کی شرحیں ملاحظہ ہوں۔ امام قرطبی، امام عینی، امام قسطلانی شرح بخاری میں اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اوّل میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں فَمَنِ ادَّعٰی عِلْمَ شَیْءٍ مِنْھَا غَیْرَ مُسْنَدٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ کَاذِبًا فِیْ دَعْوَاہُ پس جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعوے کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت کئے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ لمعات میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمتہ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں اَلْمُرَادُ لَا یَعْلَمُ بِدُوْنِ تَعْلِیْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی مراد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔ اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں "مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ایہا را ندانداز امور غیب اند کہ جز خدائے تعالیٰ کسے آں را نداند مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی والہام بداناند" مراد یہ ہے کہ ان امور غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے اندازے سے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتادے وحی یا الہام سے۔ امام قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ رعد میں فرماتے ہیں لَا یَعْلَمُ مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا اللّٰہُ وَاِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یُطْلِعُہٗ عَلٰی غَیْبِہٖ وَالْوَلِیُّ التَّابِعُ لَہٗ یَاْخُذُ عَنْہُ کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور

پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالیٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کا تابع ولی ان سے وہ غیب لیتا ہے + انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ باب اشراط الساعۃ زیر حدیث خَمْسٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ۔ اَخْبَرَ الصِّدِّیْقُ زَوْجَتَہٗ بِنْتَ خَارِجَۃَ اَنَّھَا حَامِلَۃٌ بِنْتٌ فَوَلَدَتْ بَعْدَ وَفَاتِہٖ اُمَّ کُلْثُوْمٍ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ فَھٰذَا مِنَ الْفَرَاسَۃِ وَالظَّنِّ وَیُصَدِّقُ اللّٰہُ فَرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنت خارجہ کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہیں لہٰذا صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق پیدا ہوئیں پس یہ فراست اور ظن ہے۔ خدا تعالیٰ مومن کی فراست کو سچا کر دیتا ہے +

سید شریف عبد العزیز مسعود کتاب الابریز میں فرماتے ہیں ھُوَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ مِّنَ الْخَمْسِ الْمَذْکُوْرَۃِ فِی الْاٰیَۃِ وَکَیْفَ یَخْفٰی ذٰلِکَ وَالْاَقْطَابُ السَّبْعَۃُ مِنْ اُمَّتِہِ الشَّرِیْفَۃِ یَعْلَمُوْنَھَا وَھُمْ دُوْنَ الْغَوْثِ فَکَیْفَ بِالْغَوْثِ فَکَیْفَ بِسَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ الَّذِیْ ھُوَ سَبَبُ کُلِّ شَیْءٍ وَّمِنْہُ کُلُّ شَیْءٍ حضور علیہ السلام پر ان پانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔ اور حضور پر یہ امور مخفی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے سات قطب ان جانتے ہیں پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جن سے ہر چیز ہے + علامہ جلال الدین سیوطی روض النظیر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں قَوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلَّا ھُوَ مَعْنَاہُ بِاَنَّہٗ لَا یَعْلَمُھَا اَحَدٌ بِذَاتِہٖ اِلَّا ھُوَ لٰکِنْ قَدْ یُعْلَمُ بِہٖ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ فَاِنَّ ثَمَّ مَنْ یَّعْلَمُھَا وَقَدْ وَجَدْنَا ذٰلِکَ بِغَیْرِ وَاحِدٍ کَمَا رَاَیْنَا جَمَاعَۃً عَلِمُوْا مَتٰی یَمُوْتُوْنَ وَعَلِمُوْا مَا فِی الْاَرْحَامِ حضور علیہ السلام کا فرمانا اِلَّا ھُوَ اس کے معنے یہ ہیں کہ ان کو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ کے بتانے سے جان لیتے ہیں کیونکہ یہاں وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں ہم نے متعدد کو ایسا پایا جیسے ہم نے ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ جان لیتے ہیں کہ کب مرینگے اور جانتے ہیں شکم کے بچہ کو + یہی علامہ جلال الدین سیوطی خصائص شریف میں فرماتے ہیں عُرِضَ عَلَیْہِ مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْ اُمَّتِہٖ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونے والی ہیں + علامہ ابراہیم بیجوری شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۷۴ میں فرماتے ہیں لَمْ یَخْرُجِ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْیَا

إِلَّا بَعْدَ اَنْ اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِهٰذِهِ الْاُمُوْرِ الْخَمْسَةِ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر اس کے بعد کہ اللہ نے آپ کو ان پانچوں چیزوں کا علم بتا دیا + جمع النہایہ میں علامہ شنوائی فرماتے ہیں قَدْ وَرَدَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے خارج نہ کیا یہاں تک کہ ہر چیز پر مطلع کر دیا + یہ ہی علامہ شنوائی اسی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِيْنَ لَا يَعْلَمُ هٰذِهِ الْخَمْسَ عِلْمًا لَدُنِّيًا ذَاتِيًا بِلَا وَاسِطَةٍ اِلَّا اللّٰهُ فَالْعِلْمُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ مِمَّا اخْتَصَّ اللّٰهُ بِهٖ وَاَمَّا بِوَاسِطَةٍ فَلَا يَخْتَصُّ بِهٖ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی طور پر بلا واسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اس طرح کا علم خدا سے خاص ہے۔ لیکن علم بالواسطہ وہ خدا سے خاص نہیں + فتوحات وہبیہ شرح اربعین نووی میں فاضل ابن عطیہ فرماتے ہیں اَلْحَقُّ كَمَا قَالَ جَمْعٌ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَقْبِضْ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى اَطْلَعَهُ عَلٰى كُلِّ مَا اَبْهَمَ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهُ اَمَرَ بِكَتْمِ بَعْضٍ وَالْاِعْلَامِ بِبَعْضٍ حق وہ ہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو وفات نہ دی یہاں تک کہ پوشیدہ چیزوں پر خبردار کر دیا لیکن بعض کے چھپانے اور بعض کے بتانے کا حکم دیا + شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین صفحہ ۱۱۴ میں فرماتے ہیں "نقل می کنند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزندی زلیست کبیدہ خاطر بحضور شیخ رسید، شیخ فرمود کہ از پشت تو فرزندے خواہد آمد کہ بعلم خود دنیا را پر کند"۔ نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی بچہ نہ جیتا تھا ملول دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایسا فرزند ہوگا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا +

یہاں تک تو علوم خمسہ کے نقلی دلائل تھے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے جس کا حوالہ ہم تحذیر الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ شکم مادر میں بچہ بننے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمٰتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں بتا کر بھیجتا ہے وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اس کا عمل اس کی موت اس کا رزق اور یہ کہ نیک بخت ہے یا بدبخت پھر روح پھونکی جاتی ہے + یہ ہی علوم خمسہ ہیں۔ اور تمام

موجودہ اور گذشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کاتب تقدیر جانتا ہے + مشکوٰۃ اسی باب میں ہے
كَتَبَ اللهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ اللہ
نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں + معلوم ہوا کہ لوح
محفوظ میں علوم خمسہ ہیں . تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء جن کی نظر لوح
محفوظ پر رہتی ہے اُن کو یہ علوم خمسہ حاصل ہوئے + مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ میثاق
کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولادِ آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھادی گئیں . کہ
سیاہ روحیں تو کافروں کی ہیں اور سفید مسلمانوں کی + معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم
علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ اُن کے داہنے جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح
ہیں یعنی جنتی اور دوزخی لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار ملاحظہ فرما کر غمگین +
اسی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو
کتابیں لئے ہوئے مجمع صحابہ میں تشریف لائے . اور داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ
اس میں عام جنتی لوگوں کے نام مع اُن کے قبیلے کے ناموں کے ہیں اور دوسری کتاب میں تمام
دوزخیوں کے نام مع اُن کے قبائل کے ہیں . اور آخر میں ان ناموں کا ٹوٹل بھی لگا دیا گیا ہے کہ کل
کتنے + اس حدیث کی شرح میں مُلّا علی قاری نے مرقات میں فرمایا اَلظَّاهِرُ مِنَ الْاِشَارَاتِ
اَنَّهُمَا حِسِّيَّانِ وَقِيْلَ تَمْثِيْلٌ اشارہ سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھنے میں آرہی
تھیں + اسی مشکوٰۃ باب عذاب القبر میں ہے کہ جب مُردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا
ناکام ہوتا ہے . تو نکیرین کہتے ہیں قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے
کہ تو یہ کہے گا + معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحانِ میت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے
امتحان تو فقط پابندیٔ قانون یا معترض کا منہ بند کرنے کو ہوتا ہے + حدیث میں ہے کہ جب کسی
صالح آدمی کی بیوی اُس سے لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان
ہے . پھر ہمارے پاس آنیوالا ہے . اس سے جھگڑا نہ کر (مشکوٰۃ کتاب النکاح فی عشرۃ النساء) معلوم
ہوا . کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا + حضور علیہ السلام نے جنگ بدر میں ایک دن پہلے
زمین پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کافر مریگا اور یہاں فلاں . موت کی زمین کا علم ہوا (مشکوٰۃ کتاب الجہاد) +

اِن احادیث سے معلوم ہُوا کہ علوم خمسہ کا علم اللہ نے اپنے بعض بندوں کو بھی دیا ہے. پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علموں کو محیط. تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ حاصل نہ ہوں + اس سے یہ بھی معلوم ہوا. کہ یہ پانچ علوم عطائی حادث ہو کر خدا کی صفت نہیں. ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا. صفت الٰہی میں شرکت نہ تو کُلاً جائز نہ بعضاً + اِن دلائل کے جواب اِن شاء اللہ مخالف سے نہ بن سکیں گے +

(۱۷) وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ. متشابہات آیات کی تاویل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اِس سے معلوم ہوُا. کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات آیات کا علم نہ تھا +

جواب. اِس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں. رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلرَّحْمٰنُ : عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ : اپنے حبیب کو رحمان نے قرآن سکھایا. جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھا دیا. تو متشابہات بھی سکھا دیئے. اسی لئے حنفی مذہب کا متفقہ عقیدہ ہے. کہ حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں. ورنہ ان کا نازل کرنا بیکار ہوگا. شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ پر وقف کرتے ہیں +

دوسری فصل
نفی غیب کی احادیث کے بیان میں

مخالفین نفی علم غیب کے لئے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں. ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم نہ دیا بلکہ کسی میں تو ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ. کسی میں ہے مجھے کیا خبر. کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی. کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی. اور یہ تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں. نہ بتانا یا پوچھنا یا اَللّٰهُ اَعْلَمُ فرمانا اور بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے. بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں. سوال کے باوجود مخفی رکھا. بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عالم فرشتوں سے پوچھتا ہے. کیا اُس کو بھی علم نہیں. ایک حدیث صحیح قطعی الدلالت ایسی لاؤ. جس میں عطائے علم غیب کی نفی ہو. مگر انشاء اللہ نہ لاسکیں گے. یہ جواب نہایت کافی تھا. مگر پھر بھی اُن کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ +

(۱) مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بچیاں دف بجا کر جنگِ بدر کے مقتولین کے مرثیہ کے گیت گانے لگیں۔ ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ یہ چھوڑ دو۔ وہ ہی گئے جاؤ جو پہلے گا رہی تھیں + اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر ہوتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے۔ سچی بات سے کیوں روکا؟

جواب۔ اولاً تو غور کرنا چاہیئے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں نے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بنانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کافر و مشرک نے بنایا۔ وہ حضور علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے تھے۔ لامحالہ یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بنانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور علیہ السلام نے نہ تو اس شعر بنانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ اس کو گانے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے اوّلاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے۔ تو بطور انکسار کہتے ہیں۔ ارے میاں! یہ باتیں چھوڑو، وہ ہی باتیں کرو۔ یہ بھی انکساراً فرمایا۔ دوم یہ کہ کھیل کود، گانے بجانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی۔ اس کے لئے ادب چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ آج کل نعت خواں کرتے ہیں۔ کہ نعت و مرثیہ کربلا ملا کر پڑھتے ہیں + مرقاۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے لِكَرَاهَةِ نِسْبَةِ عِلْمِ الْغَيْبِ اِلَيْهِ لِاَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّمَا يَعْلَمُ الرَّسُوْلُ مِنَ الْغَيْبِ مَا اَعْلَمَهٗ اَوْ لِكَرَاهَةِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْ اَثْنَاءِ ضَرْبِ الدَّفِّ وَاَثْنَاءِ مَرْثِيَةِ الْقَتْلٰى لِعُلُوِّ مَنْصَبِهٖ عَنْ ذٰلِكَ منع فرمایا علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو کیونکہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہ ہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دف بجانے میں یا مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کیونکہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے + اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے "گفتہ اند کہ منع آنحضرت ازیں قول بجہت آں است کہ در وے اسناد علم غیب است بہ آنحضرت پس آنحضرت را ناخوش آمد و بعضے گویند کہ بجہت آں است کہ ذکر شریف وے در اثنا لہو مناسب نباشد" شارحین نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اس لئے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے۔ لہٰذا آپ کو ناپسند آئی۔ اور بعض نے فرمایا کہ آپ کا ذکر شریف کھیل کود میں مناسب نہیں +

(۲) مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نر درخت کی شاخ مادہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے۔ اس فعل سے انصار کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا (اس کام کو عربی میں تلقیح کہتے ہیں) انصار نے تلقیح چھوڑ دی۔ خدا کی شان پھل گھٹ گئے۔ اس کی شکایت سرکار عالم کی خدمت میں پیش ہوئی۔ تو فرمایا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ اپنے دنیاوی معاملات تم خوب جانتے ہو۔ معلوم ہوا کہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ تلقیح روکنے سے پھل گھٹ جاویں گے۔ اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا ۔

جواب۔ حضور علیہ السلام کا فرمانا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے۔ تو دنیاوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان۔ اس سے نفی علم مقصود نہیں ۔ شرح شفا ملا علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں وَخَصَّهُ اللّٰهُ مِنَ الْاِطِّلَاعِ عَلٰی جَمِیْعِ مَصَالِحِ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ وَاسْتُشْکِلَ بِاَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَجَدَ الْاَنْصَارَ یُلَقِّحُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ لَوْ تَرَکْتُمُوْهُ فَتَرَکُوْهُ فَلَمْ یَخْرُجْ شَیْئًا اَوْ خَرَجَ شَیْصًا فَقَالَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ قَالَ الشَّیْخُ السَّنُوْسِیُّ اَرَادَ اَنْ یَّحْمِلَهُمْ عَلٰی خَرْقِ الْعَوَائِدِ فِیْ ذٰلِكَ اِلٰی بَابِ التَّوَکُّلِ وَاَمَّا هُنَالِكَ فَلَمْ یَمْتَثِلُوْا فَقَالَ اَنْتُمْ اَعْرَفُ بِدُنْیَاکُمْ وَلَوِ امْتَثَلُوْا وَتَحَمَّلُوْا فِیْ سَنَةٍ اَوْ سَنَتَیْنِ لَکُفُوْا اَمْرَ هٰذِهِ الْمِحْنَةِ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلقیح کرتے ہوئے پایا۔ تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا۔ انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو۔ شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ اُن کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچا دیں انہوں نے فرمانا تو فرما دیا۔ کہ تم جانو۔ اگر وہ یہ مان جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے ملا علی قاری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں وَلَوْ ثَبَتُوْا عَلٰی کَلَامِهٖ فِی الْفَنِّ وَلَا ارْتَفَعَ عَنْهُمْ کُلْفَةُ الْمُعَالَجَةِ اگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر ثابت رہتے تو اس فن میں فوقیت لے جاتے اور اُن سے اس تلقیح کی محنت دور ہو جاتی ۔ فصل الخطاب میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا وَلَا یَعْزُبُ عَنْ عِلْمِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ مِنْ حَیْثُ مَرْتَبَتِهٖ وَاِنْ کَانَ یَقُوْلُ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ الدُّنْیَاکُمْ حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان

میں ذرہ بھر چیز بھی پوشیدہ نہیں. اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو ‌+
حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہ کی تھی اور نہ کاشتکاروں کی صحبت حاصل کی مگر زمانہ قحط آنے سے پہلے حکم دیا کہ غلہ خوب کاشت کرو اور فرمایا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖ کہ جو کچھ کاٹو اُس کو بالی ہی میں رہنے دو یعنی گیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی غلہ کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں اُن کو کھیتی باڑی کا خفیہ راز کس طرح معلوم ہوا؟ اور فرمایا اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو میں اُس کا محافظ اور ہر کام جاننے والا ہوں۔ یہ مُلکی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور حضور کا علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم ہے معاذ اللہ ‌+
(۳) ترمذی کتاب التفسیر سورۂ انعام میں ہے کہ حضرت مسروق عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی شئ کو چھپایا وہ جھوٹا ہے وَمَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَةَ عَلَی اللّٰهِ اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اُس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ‌+
جواب. حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ تینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں۔ رب تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی. اور اب تک جمہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الریاض وغیرہ میں اور ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان سورۂ والنجم میں ‌+ اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ ورنہ بہت سے اسرار الٰہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا ‌+ مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جس کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹ دو ‌+ اس سے معلوم ہوا کہ اسرار الٰہیہ نامحرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیقہ کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور علیہ السلام نہیں جانتے تھے. اس سے مراد ہے بالذات نہ جاننا اور نہ صدہا احادیث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آوے گی. حضور علیہ السلام نے قیامت کی، دجال کی، امام

مہدی کی اور حوض کوثر کی، شفاعت بلکہ امام حسین کی شہادت کی۔ جنگِ بدر ہونے سے پیشتر کفار کے قتل کی اور جگہ قتل کی خبر دی۔ نیز اگر صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے ظاہری معنے بھی کئے جاویں تو مخالفین کے بھی تو خلاف ہے۔ کہ وہ بھی بہت سے غیوب کا علم مانتے ہیں اور اس میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل پنجشنبہ ہوگا۔ سورج نکلے گا، رات آوے گی۔ یہ بھی تو کل کی بات کا علم ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معراج جسمانی کا بھی انکار فرمایا۔ مگر یہ ہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج اُن کے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے اُن کے علم میں نہ آیا۔

(۴) صدیقۃ الکبریٰ کا ہار گم ہوگیا۔ جگہ جگہ تلاش کرایا گیا نہ ملا۔ پھر اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا۔ اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا۔ تو لوگوں کو اُسی وقت کیوں نہ بتا دیا کہ ہار وہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا

جواب۔ اس حدیث سے نہ بتانا معلوم ہوا نہ کہ نہ جاننا اور نہ بتانے میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں بعض حضرات نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا۔ تو کیا خدائے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی الٰہی یہ تھی۔ کہ صدیقہ کا ہار گم ہو، مسلمان اُس کی تلاش میں یہاں رک جاویں۔ ظہر کا وقت آجاوے پانی نہ ملے۔ تب حضور علیہ السلام سے عرض کیا جاوے کہ اب کیا کریں۔ تب یہ آیت تیمّم نازل ہو جس سے حضرت صدیقہ کی عظمت قیامت تک کے مسلمان معلوم کرلیں۔ کہ اُن کی طفیل ہم کو تیمّم کا حکم ملا۔ اگر اُسی وقت ہار بتا دیا جاتا۔ تو آیتِ تیمّم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے۔ اُس سے اونٹ کے نیچے کی چیز کس طرح مخفی رہے۔ شانِ محبوب علیہ السلام پہچاننے کی خدا توفیق دے۔

(۵) مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعہ میں ہے لَیَرِدَنَّ عَلَیَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُہُمْ وَیَعْرِفُوْنَنِیْ ثُمَّ یُحَالُ بَیْنِیْ وَبَیْنَہُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّہُمْ مِنِّیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ حوض پر ہمارے پاس کچھ قومیں آئیں گی جن کو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں۔ پھر ہمارے اور اُن کے درمیان آڑ کر دی جاوے گی۔ ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جاوے گا کہ آپ نہیں جانتے۔ کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کئے۔ پس ہم فرمائیں گے دوری ہو دوری ہو اُس کو جو میرے بعد دین بدلے + اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی اپنے پرائے اور مومن و کافر کی پہچان نہ ہوگی۔ کیونکہ آپ مرتدین کو فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ

ہیں. اور ملائکہ عرض کریں گے کہ آپ نہیں جانتے ؛

جواب. حضور علیہ السلام کا اُن کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا۔ کہ ان کو آنے دو۔ یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں اور ملائکہ کا یہ عرض کرنا اُن کو سُنا کر غمگین کرنے کے لیئے ہوگا۔ ورنہ ملائکہ نے اُن کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ جیساکہ قرآن کریم میں ہے کہ جہنمی کافر سے کہا جاویگا ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ عذاب چکھ۔ تُو تو عزت کرم والا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا تھا هٰذَا رَبِّي یہ میرا رب ہے ؛

پھر غور کی بات تو یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اُس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں أَعْرِفُهُمْ ہم اُن کو پہچانتے ہیں. کیا اس دن بھول جائیں گے ؟ نیز قیامت کے دن مسلمانوں کی چند علامات ہوں گی۔ اعضاء وضو کا چمکنا، چہرا نورانی ہونا يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال کا ہونا، پیشانی پر سجدہ کا داغ ہونا (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ) اور کفار کی علامت ہوگی۔ ان کے خلاف ہونا اور ان لوگوں کو ملائکہ کا روکنا، ان کی ارتداد کی خاص علامت ہو گی جو آج بیان ہو رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اتنی علامات کے ہوتے ہوئے حضور اُن کو نہ پہچانیں۔ نیز آج تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنّتی وجہنّمی لوگوں کی خبر دے دی، عشرہ مبشرہ کو بشارت دی. دو کتابیں صحابہ کرام کو دکھا دیں جن میں جنّتی وجہنّمی لوگوں کے نام ہیں. وہاں نہ پہچاننے کے کیا معنیٰ ؟ حضور علیہ السلام کو تمام مخلوقات سے زیادہ علم ہے۔ پھر ملائکہ کو تو خبر ہے کہ یہ مرتد ہیں. حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر نہیں. رب تعالیٰ فرماتا ہے يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ نیز فرماتا ہے سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ معلوم ہُوا کہ قیامت میں نیک وبد لوگوں کی علامات چہروں پر ہونگی مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ میں ہے کہ جنّتی مسلمان جہنّمی مسلمانوں کو نکالنے کے لیئے جہنّم میں جائیں گے اور اُن کی پیشانی کے داغ سجدہ دیکھ کر اُن کو جل چکنے کے بعد نکالیں گے اور اُن سے فرمایا جاوے گا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان پاؤ اُس کو نکال لے جاؤ ؛ دیکھو جنّتی مسلمان دوزخی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ دینار کے برابر یا ذرہ کے برابر. لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات دیکھ بھی خبر نہیں ہوتی. کہ یہ مسلمان ہیں

یا کافر۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب فرماوے ۔

(۶) بخاری جلد اوّل کتاب الجنائز میں حضرت ام العلاء کی روایت ہے وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ خدا کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی۔ کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا ۔

جواب۔ اس جگہ علم کی نفی نہیں بلکہ درایۃ کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے اٹکل وقیاس سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے تو اے ام العلاء تم جو عثمان ابن مظعون کے جنتی ہونے کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو یہ معتبر نہیں ۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ ورنہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اس روز لواء الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم وآدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہونگے ان کی مطابقت کس طرح کی جاوے گی ۔

(۷) بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث افک میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تہمت صحیح ہے یا غلط۔ اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی ؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی ؟

جواب۔ اس میں بھی نہ بتانا ثابت ہے نہ کہ نہ جاننا۔ نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو بھی خبر نہ تھی۔ نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے، وقت سے پہلے اظہار نہیں۔ اور یہ تو ہو سکتا ہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عتاباً فرمایا۔ لَوْلَا اِذْ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسہم خیرا وقالوا ھذا افک مُّبِیْن یعنی مسلمان مردوں وعورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور فوراً کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے ۔ پتہ لگا کہ نزول براءت سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حرام سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کا فوراً یہ فرمانا

هٰذَا اِفْكٌ یہ آپ پر واجب نہ تھا کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور اتنا سکوت، یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذاللہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عزت وعظمت والے کو غلط الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو۔ کہ یہ الزام غلط ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے اندیشہ پر پریشان ہوتا ہے۔ لوگوں میں اس افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات کے نزول کا انتظار نہ فرمایا جاتا اور پہلے ہی سے عصمت کا اظہار فرمایا جاتا۔ تو منافقین کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے۔ اور پھر مقدمات کی تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا۔ اور صدیقۃ الکبریٰ کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جو اب ملا۔ اس تاخیر میں صدہا حکمتیں ہیں۔ اور یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے۔ اس گندگی سے مراد گندگی زنا ہے۔ یعنی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں کافرہ ہو سکتی ہے۔ کہ کفر سخت جرم ہے۔ مگر گھنونی چیز نہیں۔ ہر شخص اس سے عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے۔ اسی لئے انبیاء کی بیویوں کو کبھی خواب سے احتلام نہیں ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ صدیقہ سید الانبیاء کی زوجہ پاک ہیں۔ ان سے یہ قصور ہو سکتا ہی نہیں۔ نیز مرضی الٰہی یہ تھی۔ کہ محبوبۂ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دیں۔ اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کے مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھوالیں۔ کہ نمازی نمازوں میں ان کی عفت کے گیت گایا کریں۔ اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرما دیتے تو یہ خوبیاں حاصل نہ ہوتیں۔ غرضکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے تہمت لگائی۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ ایک شیر خوار بچہ کے ذریعہ پاکدامنی ظاہر فرما دی۔ حضرت مریم کو تہمت لگی۔ تو شیر خوار روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ زوجہ کو الزام لگا تو کسی بچہ یا فرشتہ سے عصمت کی گواہی نہ دلوائی گئی بلکہ یہ گواہی خود خالق نے دی

اور اس گواہی کو قرآن کا جزو بنایا۔ تاکہ یہ گواہی ایمان کا رکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے ؛

تنبیہ ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذھول۔ جہل نہ جاننا ہے۔ نسیان جان کر حافظہ سے نکل جانا۔ ذھول یہ ہے کہ کوئی حافظہ میں ہو مگر ادھر توجہ نہ رہے۔ ایک شخص نے قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا۔ تیسرا شخص حافظ کامل ہے۔ اگر کسی وقت کوئی آیت اس سے پوچھی بتا نہ سکا۔ توجہ نہ رہی۔ پہلا تو قرآن سے جاہل۔ دوسرا ناسی، تیسرا ذاہل ہوا + انبیائے کرام کو بعض وقت کسی خاص چیز کا نسیان ہو سکتا ہے مگر بعد میں اس پر قائم نہیں رہتے۔ قرآن کریم سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا وہ بھول گئے۔ ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر لوح محفوظ پر تھی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر ارادۂ الٰہی کہ کچھ مدت کے لئے نسیان ہوگیا۔ قیامت میں شفیع کی تلاش میں سارے مسلمان جن میں محدثین و مفسرین و فقہاء سب ہی ہیں۔ انبیاء کرام کے پاس جائیں گے کہ آپ شفاعت فرمادیں۔ وہ شفاعت نہ کریں گے اور نہ شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ خیال سے فرمادیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جاؤ وہاں جاؤ وہاں جاؤ شاید وہ تمہاری شفاعت کریں۔ حالانکہ دنیا میں سب کا عقیدہ تھا اور ہے کہ قیامت میں شفیع المذنبین حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ یہ ہوا ذھول کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ اگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں۔ تو اس کی وجہ ذھول (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہو سکتی ہے۔ بے علمی ثابت نہ ہوگی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِیْنَ اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پرواہ تھے غافل فرمایا جاہل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے مگر ادھر دھیان نہیں۔ گلستان میں فرماتے ہیں۔ کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا ؎

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی ؛ چرا در چاہ کنعانش ندیدی

کہ آپ نے حضرت یوسف کے کرتہ کی خوشبو مصر سے تو پائی۔ مگر کنعان کے کنوئیں میں رہے تو آپ معلوم نہ کرسکے۔ جواب دیا ؎

بگفت احوال ما برق جہان است ؛ دمے پیدا و دیگر دم نہان است

گہے بر طارم اعلےٰ نشینم ٭ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فرمایا کہ ہمارا حال بجلی کی تڑپ کی طرح ہے کبھی ظاہر کبھی چھپا ہوا۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہِ کنعان مصر میں تجلی دے رہا ہے فرماتے ہیں وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ مجھے خدا کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم ٭

روح البیان پارہ ۱۲ زیر آیت وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ میں ہے۔ کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے۔ حضرت نوح اتنا روئے کہ نام ہی نوح ہوا۔ یعنی نوحہ اور گریہ زاری کرنے والے۔ حضرت یعقوب کے رونے کے لئے فراق یوسف ظاہری تھا۔ ورنہ ان کا رونا بلندی درجات کا سبب تھا۔ لہٰذا ان کا یہ رونا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِیْقَةِ۔ مثنوی میں ہے ؂

عشق لیلیٰ نیست ایں کارِ منست ٭ حسنِ لیلیٰ عکس رخسارِ منست

خوش بیاید نالۂ شب ہائے تو ٭ ذوقہا دارم بسیار ہائے تو

بنیامین کو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک حیلہ سے روک لیا۔ بھائیوں نے آکر قسم کھائی اور قافلے والوں کی گواہی پیش کی۔ کہ بنیامین مصر میں شاہی قیدی بنا لئے گئے۔ مگر فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا کہ تمہارے نفس نے تمہیں حیلہ سکھا دیا یعنی یوسف کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی خدا کیا اور بنیامین کو بھی میری اولاد یعنی حضرت یوسف نے حیلہ ہی سے روکا جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اصل واقعہ کی خبر ہے۔ پھر بظاہر مصر میں یعقوب علیہ السلام کے دو فرزند گئے تھے۔ ایک تو بنیامین دوسرے یہودا۔ مگر فرماتے ہیں عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا قریب ہے کہ اللہ ان تینوں کو مجھ سے ملائے۔ تین کون تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تو تھے جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر میں بند کر کے بُری خواہش ظاہر کرنا چاہی۔ تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور دانت تلے انگلی دبا کر اشارہ کیا۔ کہ ہرگز نہیں۔ اے فرزند یہ کام تمہارا نہیں ہے۔ تم نبی کے بیٹے ہو۔ جس کو قرآن فرماتا ہے وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ وہ بھی زلیخا کا قصد کر لیتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔ یہ بھی خیال رہے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ اُن کو بھیڑیا کھا گیا۔ اور آپ کو قمیص اور

بھیڑیئے کی خبر سے اُن کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیڑیئے نے عرض کیا تھا کہ ہم پر انبیاء کا گوشت حرام ہے۔ دیکھو تفسیر خازن، روح البیان سورۂ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل کیوں نہ گئے؟ معلوم ہوا کہ باخبر تھے مگر رازدار تھے، جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں ملاقات ہوگی اسی طرح یوسف علیہ السلام کو بہت سے موقعہ ملے۔ مگر والدہ کو اپنی خبر نہ دی معلوم ہوا کہ حکم کا انتظار تھا تو کنعان سے بیٹھے ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات تو دیکھ لیں مگر حضور علیہ السلام اپنی طیبہ طاہرہ صدیق کی بیٹی صدیقہ کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جو رب کہ اُن کو اتنا دیتا ہے طاقتِ ضبط بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں مگر بے مرضی الٰہی راز فاش نہیں کرتے ہیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ہماری یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہوگی ان شاء اللّٰہ۔

(۸) حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض ازواج کے گھر شہد ملاحظہ فرمایا اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللّٰہ آپ کے دہن پاک سے مغافیر کی بُو آرہی ہے تو فرمایا کہ ہم نے مغافیر نہیں استعمال فرمایا۔ شہد پیا ہے۔ پھر حضور نے اپنے پر شہد حرام کر لیا۔ جس پر یہ آیت اُتری لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ معلوم ہوا کہ آپ کو اپنے دہن پاک کی بُو کا بھی علم نہ تھا کہ اس سے بُو آرہی ہے یا نہیں۔

جواب۔ اس کا جواب اسی آیت میں ہے تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ اے حبیب یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لئے ہے۔ نیز اپنے مُنہ کی بُو غیب نہیں محسوس چیز ہے ہر صحیح الدماغ محسوس کر لیتا ہے۔ کیا دیوبندی انبیاء کے حواس کو بھی ناقص ماننے لگے۔ اُن کے حواس کی قوت کو مولانا نے بیان فرمایا ؎

نطق آب و نطق خاک و نطق گل　＊　ہست محسوس از حواس اہل دل
فلسفی کو منکر حنانہ است　＊　از حواس اولیاء بیگانہ است

(۹) اگر نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو علمِ غیب تھا تو خیبر میں زہر آلودہ گوشت کیوں کھا لیا؟ اگر جانتے ہوئے کھایا تو یہ خودکشی کی کوشش ہے۔ جس سے نبی معصوم ہیں۔

جواب۔ اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے۔ اور یہ بھی خبر تھی۔ کہ زہر ہم پر بحکمِ الٰہی اثر نہ کرے گا۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہی ہے کہ ہم اسے کھا لیں۔

تاکہ بوقتِ وفات اس کا اثر لوٹے اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جاوے۔ راضی برضا تھے ۰

(۱۰) اگر حضور علیہ السلام کو علمِ غیب تھا تو بیر معونہ کے منافقین دھوکے سے آپ سے ستر (۷۰) صحابہ کرام کیوں لے گئے؟ جنہیں وہاں لے جاکر شہید کر دیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ السلام نے کیوں پھنسایا؟

جواب۔ جی ہاں حضور علیہ السلام کو یہ بھی خبر تھی کہ بیر معونہ والے منافقین ہیں۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ یہ لوگ۔ اُن ستر صحابہ کو شہید کر دینگے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی۔ کہ مرضی الٰہی یہ ہی ہے۔ اور اُن ستر کی شہادت کا وقت آگیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے ابراہیم علیہ السلام تو مرضی الٰہی پاکر فرزند پر چھری لے کر تیار ہو گئے۔ کیا یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پہ رضا تھی۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے۔ اور بیر معونہ والے ان ستر کو شہید کر دینگے۔ اُس نے وحی بھیجکر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے ۰

تیسری فصل

علمِ غیب کے خلاف عباراتِ فقہا کے بیان میں

(۱) فتاویٰ قاضی خاں میں ہے رَجُلٌ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْءَةُ خدا و رسول را گواہ کردیم قَالُوْا يَكُوْنُ كُفْرًا لِاَنَّهٗ اِعْتَقَدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِيْنَ كَانَ فِي الْحَيٰوةِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا کہ ہم نے خدا اور رسول کو گواہ کیا۔ تو لوگوں نے کہا ہے کہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اُس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے چہ جائیکہ موت کے بعد ۰

(۲) شرح فقہ اکبر میں ملّا علی قاری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں وَذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيْحًا بِالتَّكْفِيْرِ بِاِعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللهُ حنفیوں نے صراحتہً ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدائے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرمادو آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اِن دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور

علیہ السلام کو علم غیب ماننا کفر ہے ۔

جواب۔ ان دونوں عبارتوں کا اجمالی اور الزامی جواب تو یہ ہے۔ کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی کافر ہوئے۔ کیونکہ ان عبارتوں میں کُل یا بعض کا تو ذکر نہیں۔ یہ ہے کہ جو بھی حضور کو علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک کا مانے یا زیادہ کا۔ تو وہ بھی خیر منائیں۔ مولوی اشرف علی صاحب نے حفظ الایمان میں بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بعض علم غیب مانا ہے۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع علم غیب مانا۔ مولوی قاسم صاحب نے تحذیر الناس میں کمال ہی کر دیا۔ کہ ساری مخلوقات سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ مانا۔ اب ان تینوں صاحبوں پر کیا حکم لگایا جاویگا؟ تفصیلی جواب یہ ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں ہے قَالُوْا لوگوں نے کہا۔ اور قاضی خان وغیرہ فقہاء کی عادت یہ ہے کہ وہ قَالُوْا اس جگہ بولتے ہیں جہاں ان کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شامی جلد پنجم صفحہ ۴۷۵ میں ہے لَفْظَةُ قَالُوْا تُذْكَرُ فِيْمَا فِيْهِ خِلَافٌ لفظ قَالُوْا وہاں بولا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو۔ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے كَلَامُ قَاضِیْ خَانْ يُشِيْرُ اِلٰى عَدَمِ اِخْتِيَارِهٖ لَهٗ حَيْثُ قَالَ قَالُوْا لَا يُصَلِّیْ عَلَيْهِ فِی الْقَعْدَةِ الْاَخِيْرَةِ فَفِیْ قَوْلِهٖ قَالُوْا اِشَارَةٌ اِلٰى عَدَمِ اسْتِحْسَانِهٖ لَهٗ وَاِلٰى اَنَّهٗ غَيْرُ مَرْوِیٍّ عَنِ الْاَئِمَّةِ كَمَا قُلْنَا لَا فَاِنَّ ذٰلِكَ مُتَعَارَفٌ فِیْ عِبَارَاتِهِمْ لِمَنِ اسْتَقْرَاهَا قاضی خان کا کلام ان کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے قَالُوْا الخ ان کے قَالُوْا کہنے میں اشارہ ادھر ہے کہ یہ قول پسندیدہ نہیں۔ اور یہ اماموں سے مروی نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ کیونکہ یہ فقہاء کی عبارات میں شائع ہے۔ اس کو معلوم ہے جو ان کی تلاش کرے۔ درمختار کتاب النکاح میں ہے تَزَوَّجَ رَجُلٌ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَمْ يَجُزْ بَلْ قِيْلَ يَكْفُرُ ایک شخص نے نکاح کیا اللہ و رسول کی گواہی سے تو نہیں جائز ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جاویگا۔ اس عبارت کے ماتحت شامی نے تاتارخانیہ سے نقل کیا وَفِی الْحُجَّةِ ذُكِرَ فِی الْمُلْتَقَطِ لَا يَكْفُرُ لِاَنَّ الْاَشْيَاءَ تُعْرَضُ عَلٰى رُوْحِ النَّبِیِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَنَّ الرُّسُلَ يَعْرِفُوْنَ بَعْضَ الْغَيْبِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ قُلْتُ بَلْ ذُكِرُوْا فِیْ كُتُبِ الْعَقَائِدِ اَنَّ مِنْ جُمْلَةِ كَرَامَاتِ الْاَوْلِيَاءِ الْاِطِّلَاعُ عَلٰى بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ ملتقط میں ہے کہ

وہ کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ تمام چیزیں حضور علیہ السلام کی روح پر پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب جانتے ہیں رب نے فرمایا ہے کہ پس ظاہر فرماتا اپنے غیب پر کسی کو سوائے پسندیدہ رسول کے میں کہتا ہوں کہ کتب عقائد میں ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے بعض غیبوں پر مطلع ہونا بھی ہے + شامی باب المرتدین میں مسئلہ بزازیہ ذکر فرماکر فرمایا حاصِلُہٗ اَنَّ دَعْوَی الْغَیْبِ مُعَارِضَۃٌ لِنَصِّ الْقُرْاٰنِ یَکْفُرُ بِھَا اِلَّا اِذَا اسْنَدَ ذٰلِکَ صَرِیْحًا اَوْدَلَالَۃً اِلٰی سَبَبٍ کَوَحْیٍ اَوْاِلْھَامٍ اس کا خلاصہ یہ ہے دعوی علم غیب نص قرآنی کے خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگیا۔ مگر جبکہ اس کو صراحۃً یا دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کردے۔ جیسے کہ وحی یا الہام + معدن الحقائق شرح کنز الدقائق۔ اور خزانۃ الروایات میں ہے وَفِی الْمُضْمَرَاتِ وَالصَّحِیْحُ اَنَّہٗ لَایَکْفُرُ لِاَنَّ الْاَنْبِیَاءَ یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ وَیُعْرَضُ عَلَیْھِمُ الْاَشْیَاءُ فَلَا یَکُوْنُ کُفْرًا مضمرات میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ انبیائے کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں پیش کی جاتی ہیں پس یہ کفر نہ ہوگا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ علم غیب پر فتوی کفر لگانا غلط ہے بلکہ فقہاء کا بھی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا + ملا علی قاری کی عبارت پوری نقل نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے مطلب جو واضح کرتی ہے ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یَعْلَمُوا الْمُغَیَّبَاتِ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَھُمُ اللہُ وَذَکَرَ الْحَنَفِیَّۃُ تَصْرِیْحًا بِالتَّکْفِیْرِ الخ پھر جانو کہ انبیائے کرام غیب چیزوں کو نہیں جانتے سوائے اس کے جو ان کو اللہ نے بتادیں اور حنفیوں نے تصریح کی کہ جو نبی علیہ السلام کو علم غیب جانے الخ + اب پورا مطلب معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو ملا علی قاری کفر فرمارہے ہیں نہ کہ عطائی۔ کیونکہ عطائی کو تو مان رہے ہیں۔ اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کرچکے ہیں۔ کہ ملا علی قاری حضور علیہ السلام کو تمام ماکان ومایکون کا علم مانتے ہیں

چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

(۱) علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الصفت ہے لہٰذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے +

جواب۔ غیب جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔ اور حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے

عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اسی طرح سُننا دیکھنا زندہ ہونا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم مانا یا کسی کو سمیع یا بصیر یا حی مانا ہر طرح شرک ہوا۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ ہمارا سُننا دیکھنا زندہ رہنا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی عطائی اور حادث اور متناہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کُل معلوماتِ غیر متناہیہ کا ہے۔ نیز یہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب مانتے ہو بعض ہی کا سہی۔ اور خدا کی صفت میں کُلاً و بعضاً ہر طرح شریک کرنا شرک ہے۔ نیز مولوی حسین علی صاحب واں بھچروالے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب بلغۃ الحیران زیر آیت يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں تب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت رہی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا؟

(۲) حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا۔ تم کبھی تو کہتے ہو کہ معراج میں قطرہ ٹپکایا گیا اس سے علم غیب ملا اور کبھی کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اُس نے اپنا دستِ قدرت حضور علیہ السلام کے شانہ پر رکھا جس سے تمام علوم حاصل ہوئے۔ کبھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے اس کے نزول ختم ہونے سے علم غیب ملا۔ اس میں کون سی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے پہلے علم مل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

جواب۔ حضور علیہ السلام کو نفس علم غیب تو ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ اور نبی کہتے ہی اُس کو ہیں جو غیب کی خبریں دے۔ مگر ماکان و مایکون کی تکمیل شب معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے اُن ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا۔ اسی لئے قرآن میں ہے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کا بیان اور معراج میں ہوا فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَّعَرَفْتُ دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر اُن کو تمام چیزیں دکھا دیں۔ بعد میں اُن کے نام بتائے۔ وہ مشاہدہ تھا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ کے کیا معنے ہونگے یعنی پھر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش فرمایا۔

لہٰذا دونوں قول صحیح ہیں۔ کہ معراج میں بھی علم ملا اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جاوے۔ کہ پھر نزولِ قرآن سے فائدہ کیا۔ سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نامعلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزولِ قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سے ہزارہا دیگر فائدے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہونگے۔ اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی۔ اگر نزولِ قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لئے ہے تو بعض سورتیں دو بار کیوں نازل ہوئیں؟ تفسیر مدارک میں ہے فَاتِحَةُ الْكِتٰبِ مَكِّيَّةٌ وَّقِيْلَ مَدَنِيَّةٌ وَّالْاَصَحُّ اَنَّهَا مَكِّيَّةٌ وَّمَدَنِيَّةٌ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ ثُمَّ نَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ سورۃ فاتحہ مکی ہے اور کہا گیا ہے۔ کہ مدنی ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ یہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی۔ اولاً مکہ میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں + مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شبِ معراج میں پانچ نمازیں اور سورۂ بقر کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے سوال کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورۂ بقر مدنی ہے۔ پھر اس کی آخری آیات معراج میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں حَاصِلُهٗ اَنَّهٗ مَا وَقَعَ تَكَرُّرُ الْوَحْيِ فِيْهِ تَعْظِيْمًا لَّهٗ وَاهْتِمَامًا لِّشَانِهٖ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ بِلَا وَاسِطَةِ جِبْرِيْلَ خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مقرر ہوئی۔ حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپ کے اہتمامِ شان کے لئے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی + اسی حدیث کے ماتحت لمعات میں ہے نَزَلَتْ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ بِلَا وَاسِطَةٍ ثُمَّ نَزَلَ بِهَا جِبْرِيْلُ فَاُثْبِتَتْ فِي الْمَصَاحِفِ شبِ معراج میں یہ آیات بغیر واسطے کے اتریں پھر ان کو جبریل نے اتارا تو قرآن میں رکھی گئیں + بتاؤ کہ دو بار نزول کس لئے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پہلے نزول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور علیہ السلام کو سارا قرآن سناتے تھے + مقدمہ نور الانوار تعریف کتاب میں ہے لِاَنَّهٗ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ دُفْعَةً وَّاحِدَةً فِيْ كُلِّ شَهْرِ رَمَضَانَ جُمْلَةً بتاؤ یہ نزول کیوں تھا؟ بلکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ یعنی اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارے وہ رسول آگئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب

آسمانی نہیں تو اُن کا ظاہر فرمانا یا نہ فرمانا کیا معنیٰ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اوّل ہی سے قرآن کے عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے۔ اسی لئے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے غارِ حرا میں پہلی بار آکر عرض کیا اِقْرَءْ آپ پڑھیئے۔ یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھئے اور پڑھو اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَآ اَنَا بِقَارِئٍ میں نہیں پڑھنے والا یعنی میں تو پڑھانے والا ہوں۔ پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے۔ لوح محفوظ میں قرآن ہے اور لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں بغیر وحی کے نبوت کیسی۔ لہٰذا ماننا ہوگا کہ قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں + آج بھی بعض بچے حافظ پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عیسٰی نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اٰتَانِیَ الْکِتٰبَ رب نے مجھے کتاب دی + معلوم ہوا کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں۔ بعض پیغمبروں کے لئے فرمایا اٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ہم نے انہیں بچپن ہی سے علم و حکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے اُمّت کی شفاعت کی۔ حالانکہ سجدہ اور شفاعت حکم قرآنی ہے۔ حضور غوث پاک نے ماہِ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔ نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے یعنی اِنَّ الْعَمَلَ بِالْقُرْاٰنِ کَانَ جِبِلَّةً لَّهٗ مِنْ غَیْرِ تَکَلُّفٍ۔ معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور علیہ السلام کی پیدائشی عادت ہے۔ ہمیشہ حلیمہ دائی کا ایک پستان پاک چوسا۔ دوسرا بھائی کے لئے چھوڑا۔ یہ عدل و انصاف بھی قرآنی حکم ہے۔ اگر ابتدا سے قرآن کے عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرما رہے ہیں + دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے۔ کہ تمہاری پیش کردہ آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر تم اُن آیتوں میں قیامت تک کی قید لگاتے ہو مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ میں نہ تو قیامت کی قید ہے نہ ماکان اور یکون کا ذکر۔ اور ایک دفعہ خاص ہونے سے آئندہ خصوص کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ دیکھو کتب اصول۔ لہٰذا ہم ان آیتوں میں احکام شرعیہ کی قید لگاتے ہیں یعنی اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں + جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں بلکہ عقلی استثنا ہے۔ کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے۔ مخلوق کا دماغ غیر متناہی علوم نہیں لے سکتا برہانِ ابطالِ تسلسل وغیرہ سے لہٰذا متناہی ہوگا۔ احادیث سے پتہ لگا کہ قیامت تک کی حضور نے خبر دی اسی لئے دعویٰ کیا گیا۔ استثنا کا اور حکم ہے تخصیص کا حکم دوسرا۔ دیکھو اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ سے بچہ، دیوانہ حائضہ خارج ہے۔ یہ تخصیص نہیں بلکہ استثنا ہے +

فقیر نے یہ مختصر سی تقریر علم غیب کے متعلق کردی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو رسالہ مبارکہ الکلمتہ العلیا کا مطالعہ کرو۔ جو کچھ میں نے کہا یہ اس بحر کی ایک لہر ہے۔ چونکہ مجھے اور مسائل پر بھی گفتگو کرنا ہے لہٰذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ٭

حاضر وناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور باب ہیں:-

مقدمہ حاضر وناظر کی لغوی اور شرعی معنیٰ کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنیٰ ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب ہونا۔ اَلْمِصْبَاحُ الْمُنِیْر میں ہے۔ حَاضِرٌ حَضَرَهُ مَجْلِسِ الْقَاضِیْ وَحَضَرَ الْغَائِبُ حُضُوْرًا قَدِمَ مِنْ غَيْبَتِهٖ۔ منتہی الارب میں ہے حاضر حاضر شوند ٭ ناظر کے چند معنٰے ہیں۔ دیکھنے والا، آنکھ کا تل، نظر، ناک کی رگ، آنکھ کا پانی۔ اَلْمِصْبَاحُ الْمُنِیْر میں ہے وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ الْاَصْغَرُ مِنَ الْعَيْنِ الَّذِیْ يُبْصَرُ بِهِ الْاِنْسَانُ شَخْصَهٗ ٭ قاموس اللغات میں ہے وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ فِی الْعَيْنِ اَوِالْبَصَرُ بِنَفْسِهٖ وَعِرْقٌ فِی الْاَنْفِ وَفِيْهِ مَاءُ الْبَصَرِ٭ مختار الصحاح میں ابن ابی بکر رازی کہتے ہیں اَلنَّاظِرُ فِی الْمُقْلَةِ السَّوَادُ الْاَصْغَرُ الَّذِیْ فِيْهِ اِنْسَانُ الْعَيْنِ۔ جہاں تک ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں۔ اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تصرف کرلیں وہاں ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم ناظر یعنی دیکھنے والے ہیں۔ مگر وہاں ہم حاضر نہیں۔ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجرے یا گھر میں ہم موجود ہیں۔ وہاں حاضر ہیں۔ کہ اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنیٰ یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کفِ دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجتمندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے۔ ان سب معنیٰ کا ثبوت بزرگانِ دین کے لئے قرآن وحدیث واقوال علماء سے ہے ٭

پہلا باب حاضر و ناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ہیں:-

پہلی فصل۔ آیاتِ قرآنیہ سے ثبوت

(۱) یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ اے غیب کی خبریں بتانے والے بیشک ہم نے تم کو بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

شاہد کے معنٰے گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر ناظر بھی۔ گواہ کو شاہد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر تھا۔ حضور علیہ السلام کو شاہد یا تو اس لئے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لئے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے۔ یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا مبشّر اور نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے۔ کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے مگر سن کر۔ حضور علیہ السلام نے دیکھ کر۔ اسی لئے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں۔ وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے گھر گھر میں موجود۔ آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۲) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ۝ اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تم کو سب اُمتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔

(۳) فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا ۝ تو کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمّت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تم کو اُن سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔

ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی اُمتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیائے کرام عرض کرینگے۔ کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور اپنی گواہی کے لئے اُمّتِ مصطفےٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کرینگے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاوے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے۔

ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ یہ میری اُمّت والے قابلِ گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم۔ انبیاء کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی اُمّت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا۔ تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ جیسی کہ اُمّت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی۔ اور پہلی سُنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علمِ غیب میں کر چکے ہیں ؛

(۴) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے ؛

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔ ایک یہ کہ جَآءَكُمْ میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں۔ تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا مِنْ اَنْفُسِكُمْ تمہاری نفسوں میں سے ہیں یعنی اُن کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جاں کا قالب میں آنا۔ کہ قالب کی رگ رگ اور رونگٹے رونگٹے میں موجود اور ہر ایک سے خبردار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں ؎

آنکھوں میں ہیں لیکن مثلِ نظر یوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں و لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

اگر آیت کے صرف یہ معنیٰ ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو مِنْكُمْ کافی تھا مِنْ اَنْفُسِكُمْ کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ فرمایا گیا عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے۔ تب ہی تو ہماری تکلیف سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے۔ ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں اَنْفُسِكُمْ کا بیان ہے کہ جس طرح جسم کے کسی عضو کو دُکھ ہو تو روح کو تکلیف۔ اسی طرح تم کو دُکھ درد ہو۔ تو آقا کو گرانی۔ اُس کے کرم کے قربان، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛

(۵) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور

حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اُن کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں ؀ اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں. اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرمادیں. اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں. ورنہ پھر ہم فقیر پردیسی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہو گی. اور مالدار بھی عمر میں ایک دو بار ہی پہنچتے ہیں اور گناہ دن رات کرتے ہیں. لہٰذا تکلیف مَا فَوْقَ الطَّاقَتْ ہو گی. لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ وہ تو تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ ادھر متوجہ ہو جاؤ ؎

یار نزدیک تر از من بمن است ؀ دیں عجب بیں کہ من از وے دُورم

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں ؀

(۶) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے پھر فرماتا ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے ؀

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط. لہٰذا حضور علیہ السلام جہانوں کو محیط ۔ خیال رہے کہ رب کی شان ہے رب العٰلمین. حبیب کی شان ہے رحمۃً للعٰلمین معلوم ہوا کہ اللہ جس کا رب حضور علیہ السلام اُس کے لئے رحمت ؀

(۷) مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اور اللہ کا کام نہیں کہ اُنہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم اُن میں تشریف فرما ہو یعنی عذابِ الٰہی اس لئے نہیں آتا کہ اُن میں آپ موجود ہیں. اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آوے ؀

اِس سے معلوم ہوا حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں. بلکہ روح البیان میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں. اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے. رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں. یہ تمام صحابہ کرام سے خطاب ہے اور صحابہ کرام تو مختلف جگہ رہتے تھے معلوم ہوا کہ حضور سب جگہ اُن کے پاس ہیں

(۸) وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ؀

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم کا بچشم سر ملاحظہ کرا دیا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تحقیق بحث علم غیب میں گذر گئی ؛

(۹) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا ؟

(۱۰) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کیساتھ کیا کیا ؟ قوم عاد اور اصحاب فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے۔ مگر فرمایا جاتا ہے اَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہ دیکھا یعنی دیکھ لیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں + کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھا انہوں نے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس آیت میں ان کفار کے اجڑے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے۔ اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفروں میں ان مقامات سے گذرتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاست فرمائی اور نہ قوم عاد وغیرہ کے اجڑے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ یہاں نورِ نبوت سے دیکھنا مراد ہے ؛

(۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ جبکہ موسےٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا وغیرہ وغیرہ۔ اس جگہ مفسرین محذوف نکالتے ہیں اُذْكُرْ یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی بھالی ہو ادھر توجہ نہ ہو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تمام گذشتہ واقعات دیکھے ہوئے ہیں + روح البیان نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے + اگر کوئی کہے کہ بنی اسرائیل سے بھی خطاب ہے وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم کو آل فرعون سے نجات دی تھی۔ تو حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے۔ مگر مفسرین یہاں بھی اُذْكُرُوْا محذوف نکالتے ہیں۔ جواب دیا جاویگا۔ کہ ان بنی اسرائیل کو تاریخی واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں اس طرف ان کو متوجہ کیا گیا

حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پڑھا، نہ کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی مورّخ کی صحبت میں رہے، نہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی۔ اب آپ کو بجز نورِ نبوّت علم کا ذریعہ کیا تھا ؟

(۱۲) اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ نبی مسلمانوں سے اُن کی جانوں سے قریب ہیں ؟

مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اِس آیت میں اَوْلٰی کے معنی قریب تر۔ تو آیت کے معنےٰ ہوئے نبی مسلمانوں سے اُن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی زیادہ قریب نبی علیہ السلام ہیں اور زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے۔ اسی زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے ؟

تنبیہ - اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں۔ وہ تو قول امام پیش کرے لہٰذا تم صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر سکتے ہو۔ اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ تقلید کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہادیہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیات و احادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں ان سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا + طحاوی میں ہے وَمَا فُہِمَ الْاَحْکَامُ مِنْ نَحْوِ الظَّاہِرِ وَالنَّصِّ وَالْمُفَسَّرِ فَلَیْسَ مُخْتَصًّا بِہٖ (اَیْ بِالْمُجْتَہِدِ) بَلْ یَقْدِرُ عَلَیْہِ الْعُلَمَاءُ الْاَعَمُّ جو احکام ظاہر نص و مفسّر سے سمجھے جاویں۔ وہ مجتہد سے خاص نہیں بلکہ اس پر عام علماء قادر ہیں + مسلم الثبوت میں ہے وَاَیْضًا شَاعَ وَذَاعَ اِحْتِجَاجُہُمْ سَلَفًا وَّخَلَفًا بِالْعُمُوْمَاتِ مِنْ غَیْرِ نَکِیْرٍ نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف و سلف میں بغیر کسی انکار کے شائع ہے + قرآن بھی فرماتا ہے فَاسْئَلُوْٓا اَہْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکر والوں سے پوچھو۔ تو اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ جانتے ہیں۔ اس میں تقلید نہیں ؛ چوتھے یہ کہ مسئلہ حاضر و ناظر پر فقہاء محدّثین اور مفسّرین کے اقوال بھی آئندہ فصلوں میں آرہے ہیں دیکھو اور غور کرو کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے ؛

دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گذر چکی ہیں. خصوصاً حدیث نمبر ۶ و ۷ و ۱۸ و ۱۹ جن کا مضمون یہ ہے. کہ ہم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں. ہم پر ہماری اُمت اپنی صورتوں میں پیش ہوئی. اور ہم اُن کے نام، اُن کے باپ دادوں کے نام، اُن کے گھوڑوں کے رنگ جانتے ہیں وغیرہ وغیرہ. اسی طرح اُن کی شرح میں محدثین کے اقوال گذر چکے ہیں. وہ پیش کئے جاویں گے خصوصاً مرقاۃ، زرقانی وغیرہ کی عبارتیں ان کے علاوہ حسب ذیل احادیث اور بھی پیش کی جاویں گی + مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے :-

(۱) فَيَقُوْلَانِ مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ نکیرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم اُن کے (محمد رسول) کے بارے میں کیا کہتے تھے ؟ + اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے یعنی ہٰذا الرجل کہ می گویند آنحضرت رامی خواہند. ہٰذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے + اشعۃ اللمعات میں حدیث یا باحضار ذات شریف وے درعیانے بہ ایں طریق کہ درقبر مثالے وے علیہ السلام حاضر ساختہ باشند و دریں جا بشارتے است عظیم مر مشتاقانِ غمزدہ را کہ اگر برامید ایں شادی جاں دہند و زندہ در گور روند جائے دارد. یا قبر میں ظاہر ظہور آپ کی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں. اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کی وجود مثالی موجود کر دیتے ہیں اور اس جگہ مشتاقانِ غمزدہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقعہ ہے + حاشیہ مشکوٰۃ میں یہ ہی حدیث قِيْلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتّٰى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرٰى عَظِيْمَةٌ. کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اُٹھا دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے + قسطلانی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے فَقِيْلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتّٰى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرٰى عَظِيْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ صَحَّ. کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نبی علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمان کے لئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے + بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہٰذا الرجل معہود ذہنی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جو تیرے ذہن میں موجود ہیں اُنہیں تو کیا کہتا تھا ؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ

اگر ایسا ہوتا تو کافر میت سے یہ سوال نہ ہوتا. کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی الذہن ہے. نیز کافر اس کے جواب میں یہ نہ کہتا. مَیں نہیں جانتا. بلکہ پوچھتا کہ تم کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے لَاَدْرِیْ کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے. مگر پہچانتا نہیں اور یہ اشارہ خارجی ہے ؛

اِس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرا کر سوال ہوتا ہے کہ تو اس شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں کیا کہتا تھا. ہٰذا اشارہ قریب ہے. معلوم ہوا کہ دکھا کر قریب کرکے پھر پوچھتے ہیں. اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں اور قبر کی پہلی رات کو دولہا کے دیدار کی رات کہتے ہیں اعلیحضرت فرماتے ہیں ؎

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے ؛ کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

مولانا آسی فرماتے ہیں ؎

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسیؔ ؛ جس کے جویاں تھے ہے اُس گُل کی ملاقات کی رات

ہم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے ؎

مرقد کی پہلی شب ہے دولہا کی دید کی شب ؛ اس شب کے عید صدقے اس کا جواب کیسا

اسی لئے بزرگانِ دین کے وصال کے دن کو روزِ عرس کہتے ہیں. عرس کے معنی ہیں شادی کیونکہ عروس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا کے دیدار کا دن ہے ؛

اور ایک وقت میں ہزار ہا جگہ ہزاروں مُردے دفن ہوتے ہیں. تو اگر حضور علیہ السلام حاضر ناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے ملائکہ اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں. جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اُس کی نگاہ سے غائب ہو. کسی نے اُس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھا دیا ؛

(۲) مشکوٰۃ باب التحریض علیٰ قیام اللیل میں ہے اِسْتَیْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃً فَزِعًا یَقُوْلُ سُبْحٰنَ اللّٰہِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّیْلَۃَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا اُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں + اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے

فتنوں کو بچشم ملاحظہ فرما رہے ہیں :

(۳) مشکوٰۃ باب المعجزات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نَعَی النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ زَیْدًا وَّجَعْفَرَ وَابْنَ رَوَاحَۃَ لِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَہُمْ خَبَرُھُمْ فَقَالَ اَخَذَ الرَّایَۃَ زَیْدٌ فَاُصِیْبَ اِلٰی حَتّٰی اَخَذَ الرَّایَۃَ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ یَعْنِیْ خَالِدَ ابْنَ الْوَلِیْدِ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ حضور علیہ السلام نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی ان کی خبر آنے سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جھنڈا زید نے لے لیا۔ اور وہ شہید ہوگئے۔ یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلوار یعنی خالد ابن ولید نے لیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو فتح دے دی + اس سے معلوم ہوا۔ کہ بیر معونہ جو مدینہ منورہ سے بہت ہی دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں

(۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات کے بعد باب وفاۃ النبی علیہ السلام میں ہے وَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْحَوْضُ وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَیْہِ وَاَنَا فِیْ مَقَامِیْ تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں :

(۵) مشکوٰۃ باب تسویۃ الصف اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَّرَائِیْ اپنی صفیں سیدھی رکھو کیونکہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں :

(۶) ترمذی جلد دوم باب العلم بَابُ مَا جَاءَ فِیْ ذَھَابِ الْعِلْمِ میں ہے کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَشَخَصَ بِبَصَرِہٖ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ قَالَ ھٰذَا اَوَانُ یُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰی لَا یَقْدِرُوْا مِنْہُ عَلٰی شَیْئٍ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ علم لوگوں سے چھین لیا جاویگا حتّٰی کہ اس پر بالکل قابو نہ پائینگے

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاۃ کتاب العلم میں فرماتے ہیں فَکَاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمَّا نَظَرَ اِلَی السَّمَآءِ کُوْشِفَ بِاقْتِرَابِ اَجَلِہٖ فَاَخْبَرَ بِذٰلِکَ جب حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا تو آپ پر آپ کی موت کا قرب ظاہر ہوگیا۔ تو اس کی خبر دے دی :

(۷) مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا۔ کہ نہیں۔ فرمایا فَاِنِّیْ اَرَی الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُیُوْتِکُمْ کَوَقْعِ الْمَطَرِ میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے

گرتے دیکھتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ یزیدی وحجازی فتنے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے +

اِن احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آئندہ کے واقعات اور دُور قریب کے حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے ؛

(۸) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو بنا کر نہاوند بھیجا فَبَيْنَمَا عُمَرُ يَخْطُبُ فَجَعَلَ يَصِيحُ يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے کہ اے ساریہ پہاڑ کو لو + کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ساریہ پہاڑ کو لو۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لیا۔ تب خدا نے ان کو شکست دے دی ؛

(۹) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر[۱] اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حارث ابن نعمان اور حارثہ ابن نعمان رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار نے مجھ سے سوال فرمایا کہ اے حارث تم نے کس حال میں دن پایا۔ میں نے عرض کیا کہ سچا مومن ہو کر۔ فرمایا کہ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي بَارِزًا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِيهَا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ فِيهَا میں گویا عرشِ الٰہی کو ظاہرا دیکھ رہا ہوں اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھتا ہوں ؛

اِسی قصہ کو مثنوی شریف میں نقل کیا ہے ؎

ہشت جنت ہفت دوزخ پیشِ من ؛ ہست پیدا ہمچو بُت پیشِ شمن
یک بیک وا می شناسم خلق را ؛ ہمچو گندم مَن زجُو در آسیا

---

[۱] مولانا وکیل احمد سکندر پوری علیہ الرحمتہ نے حیدر آباد سے فقہ اکبر کا نسخہ حاصل کیا اس کی شرح الدر الازہر شرح اکبر لکھی جس میں وہ دعوے کرتے ہیں کہ اصل فقہ اکبر یہ ہے۔ اس سے یہ واقعہ لیا گیا۔ ان تمام نسخوں میں نہیں ہے۔ یہ مطبوعہ فقہ اکبر مراد آباد میں موجود ہے ؛

کہ بہشتی کہ و بیگانہ کی است ٭ پیشِ من پیدا چو مور و ماہی است

من بگویم یا فرو بندم نفس ٭ لب گزیدش مصطفےٰ یعنی کہ بس

میرے سامنے بہشت اور دوزخ ایسے ظاہر ہیں جیسے ہندو کے سامنے بت۔ میں ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جو اور گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے مچھلی اور چیونٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کہوں۔ حضور نے اُن کا منہ پکڑ لیا کہ بس۔

جب اس آفتاب کے ذرّوں کی نظر کا یہ حال کہ جنّت و دوزخ، عرش و فرش، جنّتی و دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کونین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

تیسری فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء اور علماء اُمّت کے اقوال سے

درمختار جلد سوم باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے یَا حَاضِرُ یَا نَاظِرُ لَیْسَ بِکُفْرٍ اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔ شامی میں اسی کے ماتحت ہے فَاِنَّ الْحُضُوْرَ بِمَعْنَی الْعِلْمِ شَائِعٌ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَالنَّاظِرُ بِمَعْنَی الرُّؤْیَۃِ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی فَالْمَعْنٰی یَا عَالِمُ مَنْ یَّرٰی (بزازیہ) کیونکہ حضور بمعنی علم مشہور ہے۔ قرآن میں ہے کہ نہیں ہوتا تین کا مشورہ مگر رب کا چوتھا ہوتا ہے اور ناظر بمعنی دیکھنا ہے رب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے پس اس کے معنے یہ ہوئے کہ اے عالم اے دیکھنے والے۔ درمختار جلد اول باب کیفیۃ الصلوٰۃ میں ہے وَیَقْصِدُ بِاَلْفَاظِ التَّشَھُّدِ الْاِنْشَاءَ کَاَنَّہٗ یُحَیِّیْ عَلَی اللّٰہِ وَیُسَلِّمُ عَلٰی نَبِیِّہٖ نَفْسِہٖ التحیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نمازی رب کو تحیۃ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے۔ شامی میں اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں اَیْ لَا یَقْصِدُ الْاِخْبَارَ وَالْحِکَایَۃَ عَمَّا وَقَعَ فِی الْمِعْرَاجِ مِنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَمِنْ رَّبِّہٖ وَمِنَ الْمَلٰئِکَۃِ یعنی التحیات میں معراج کے اس کلام کے قصہ کی نیت نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہوا۔

فقہاء کی اِن عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔ اور التحیات میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر سلام عرض کرے۔ التحیات کے متعلق اور بھی عبارات آتی ہیں۔ مجمع البرکات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "وے علیہ السلام بر احوال و اعمالِ امت مطلع است بر مقربانِ و خاصانِ درگاہِ خود مفیض و حاضر و ناظر است" حضور علیہ السلام اُمّت کے

حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور حاضرین بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں + شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ہزدہم مسمیٰ بہ سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل میں فرماتے ہیں باچندیں اختلاف وکثرتِ مذاہب کہ در علماء اُمت ہست یک کس رادریں مسئلہ خلافی نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی است وبراعمالِ اُمت حاضر و ناظر است ومرطالبانِ حقیقت را ومتوجہاں آنحضرت رامفیض ومربی (ادخال السنان) اس اختلاف ومذاہب کے باوجود جو علمائے اُمت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل ومجاز کے احتمال کے باقی اور دائم ہیں اور اُمت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلبگار اور حاضرین بارگاہ کو فیض رساں اور مربی + شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح فتوح الغیب صفحہ ۳۳۲ میں فرماتے ہیں "اما انبیاء علیہم السلام بحیاتِ حقیقی دنیاوی حی وباقی و متصرف اند دریں جاسخن نیست" انبیاء علیہم السلام دنیاوی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی اور عملدر آمد فرمانے والے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں ؛

مرقاۃ باب مَایُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ کے آخر میں ہے وَلَا تَبَاعُدَ عَنِ الْاَوْلِیَاءِ حَیْثُ طُوِیَتْ لَهُمُ الْاَرْضُ وَحَصَلَ لَهُمْ اَبْدَانٌ مُکْتَسَبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ وَجَدُوْهَا فِیْ اَمَاکِنَ مُخْتَلِفَةٍ فِیْ اٰنٍ وَّاحِدٍ یعنی اولیاء اللہ ایک آن میں چند جگہ ہوسکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہوسکتے ہیں + شفا میں ہے اِنْ لَّمْ یَکُنْ فِی الْبَیْتِ اَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں + اس کے ماتحت ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں لِاَنَّ رُوْحَ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِیْ بُیُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے + شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں "ذکر کن اورا و درود بفرست بر وے علیہ السلام وباش درحالِ ذکر گویا حاضر است پیش تو درحالتِ حیات دمی بینی تو اورامتادب باجلال وتعظیم وہیبت وحیا وبدانکہ وے علیہ السلام می بیند ومی شنو وکلام ترا زیرا کہ وے علیہ السلام متصف است بصفات الٰہیہ ویکے از صفات الٰہی آنست کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ " حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور درود بھیجو اور حالتِ ذکر میں ایسے رہو کہ حضور حالتِ حیات

میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو۔ ادب اور جلال اور تعظیم وہیبت وحیا سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سُنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفاتِ الٰہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہمنشین ہوں + امام ابن الحاج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۳۸۷ فصل ثانی زیارۃ قبرہ الشریف میں فرماتے ہیں وَقَدْ قَالَ عُلَمَاءُنَا لَافَرْقَ بَیْنَ مَوْتِہٖ وَحَیٰوتِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ مُشَاھَدَتِہٖ لِاُمَّتِہٖ وَمَعْرِفَتِہٖ بِاَحْوَالِھِمْ وَنِیَّاتِھِمْ وَعَزَائِمِھِمْ وَخَوَاطِرِھِمْ وَذٰلِكَ جَلِیٌّ عِنْدَہٗ لَاخَفَاءَ بِہٖ ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی اُمت کو دیکھتے ہیں اور اُن کے حالات ونیات اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں یہ آپ کو بالکل ظاہر ہیں اس میں پوشیدگی نہیں ؛

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں وَقَالَ الْغَزَالِیْ سَلِّمْ عَلَیْہِ اِذَا دَخَلْتَ فِی الْمَسٰجِدِ فَاِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَحْضُرُ فِی الْمَسٰجِدِ امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تو حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں + نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے اَلْاَنْبِیَاءُ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ مِنْ جِھَۃِ الْاَجْسَامِ وَالظَّوَاھِرِ مَعَ الْبَشَرِ وَبَوَاطِنُھُمْ وَقُوَاھُمُ الرُّوْحَانِیَۃُ مَلَکِیَّۃٌ وَلِذَا تَرٰی مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَھَا تَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَاءِ وَتَشُمُّ رَائِحَۃَ جِبْرِیْلَ اِذَا اَرَادَ النُّزُوْلَ اِلَیْھِمْ انبیائے کرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور اُن کے باطن اور روحانی قوتیں ملکی ہیں اسی لئے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چرچراہٹ سُنتے ہیں اور جبریل کی خوشبو پالیتے ہیں جب وہ اُن پہ اُترتے ہیں + دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے وَقِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ اَرَءَیْتَ صَلٰوۃَ الْمُصَلِّیْنَ عَلَیْكَ مِمَّنْ غَابَ عَنْكَ وَمَنْ یَّاْتِیْ بَعْدَكَ مَاحَالُھُمَا عِنْدَكَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ وَاَعْرِفُھُمْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلٰوۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سے دُور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا۔ کہ ہم محبت والوں کے درود کو تو خود سُنتے ہیں اور اُن کو پہچانتے ہیں اور غیر محبین کا درود ہم پر پیش کردیا جاتا ہے + شفا قاضی عیاض جلد دوم میں ہے عَنْ عَلْقَمَۃَ قَالَ اِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ اَقُوْلُ السَّلَامُ

عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔ اس کی تائید ابوداؤد وابن ماجہ باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے + مدارج النبوۃ صفحہ ۴۵۰ جلد دوم قسم چہارم وصل حیات انبیاء میں ہے "اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالیٰ جسد شریف را حالتے وقدرتے بخشیدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد خواہ بعینہٖ خواہ بمثال خواہ بر آسمان خواہ بر زمین خواہ در قبر یا غیر وے صورتے دارد باوجود ثبوت نسبت خاص بقبر در ہمہ حال" اس کے بعد اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت وقدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہٖ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے + مصباح الہدایت ترجمہ عوارف المعارف مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے "پس باید کہ بندہ ہمچناں کہ حق سبحانہٗ را پیوستہ بر جمیع احوال خود ظاہراً و باطناً واقف ومطلع بیند رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر وباطن حاضر داند تا مطالعہ صورت تعظیم ووقار او ہموارہ بہ محافظت آداب حضرتش دلیل بود واز مخالفت وے سراً واعلاناً شرم دارد و ہیچ دقیقہ از دقائق آداب صحبتِ او فرو نگذارد" پس چاہیئے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کو ہر حال میں ظاہر وباطن طور پر واقف جانتا ہے اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر وباطن حاضر جانے تاکہ آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تعظیم ووقار کرنے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے۔ اور آپ کی ظاہر وباطن میں مخالفت سے شرم کرے اور حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے ادب کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑے +

فقہاء وعلماء امت کے ان اقوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر وناظر ہونا بخوبی واضح ہوا۔ اب ہم آپ کو یہ دکھاتے ہیں کہ نمازی نماز میں حضور علیہ السلام کے متعلق کیا خیال رکھے۔ اس کے متعلق ہم درمختار اور شامی کی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگانِ دین کی اور عبارتیں سنئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے + اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب التشہد اور مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۳۵ باب پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "وبعضے عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذرات

مصلّیاں موجود و حاضر است پس مصلّی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نہ بود تا انوار قرب واسرار معرفت منور و فائز گردد" بعض عارفین نے کہا ہے کہ التحیات میں یہ خطاب اس لئے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور ممکنات کی ہر فرد میں سرایت کئے ہے پس حضور علیہ السلام نمازیوں کی ذات میں موجود و حاضر ہیں نمازی کو چاہئے کہ اِس معنیٰ سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہو. تاکہ قرب کے نور اور معرفت کے بھیدوں سے کامیاب ہو جاوے + احیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم نماز کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں وَاَحْضِرْ فِیْ قَلْبِكَ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ شَخْصَهُ الْكَرِیْمِ وَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ. اسی طرح مرقاۃ باب التشہد میں ہے + مسک الختام میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی وہابی صفحہ ۲۴۳ پر وہ ہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعۃ اللمعات کی التحیات کے بارے میں لکھی. کہ نمازی کو چاہیئے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر التحیات میں سلام کرے. پھر یہ شعر لکھتے ہیں ؎

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست ⁂ می بینمت عیان ودعا می فرستمت

عشق کی راہ میں دُور و قریب کی منزل نہیں ہے. مَیں تم کو دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں +

علامہ شیخ مجد فرماتے ہیں وَخُوْطِبَ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَاَنَّهٗ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّهٗ تَعَالٰی یَكْشِفُ لَهٗ عَنِ الْمُصَلِّیْنَ مِنْ اُمَّتِهٖ حَتّٰی یَكُوْنَ كَالْحَاضِرِ یَشْهَدُ لَهُمْ بِاَفْضَلِ اَعْمَالِهِمْ وَلِیَكُوْنَ تَذَكُّرُ حُضُوْرِهٖ سَبَبًا لِمَزِیْدِ الْخُشُوْعِ وَالْخُضُوْعِ حضور علیہ السلام کو نماز میں خطاب کیا گیا. شاید کہ یہ اس طرح اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اُمّت میں سے نمازیوں کا حال آپ پر ظاہر فرما دیتا ہے حتّٰی کہ آپ مثل حاضر کے ہوتے ہیں. اُس کے اعمال کو سمجھنے میں اور اس لئے کہ آپ کی حاضری کا خیال زیادتی خشوع و خضوع کا سبب ہو جاوے +

مسئلہ حاضر و ناظر پر بعض فقہی مسائل بھی موقوف ہیں. فقہاء فرماتے ہیں کہ زوج مشرق میں ہو اور زوجہ مغرب میں اور بچہ پیدا ہو. اور زوج کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اُسی کا ہے کہ شاید یہ ولی اللہ ہو اور کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو. دیکھو شامی جلد دوم باب ثبوت النسب + شامی جلد سوم باب المرتدین مطلب کرامات اولیاء میں ہے وَطَیُّ الْمَسَافَةِ مِنْهُ لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ زُوِیَتْ

لِیَ الْاَرْضُ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ مَا قَالُوْا فِيْمَنْ كَانَ فِي الْمَشْرِقِ وَتَزَوَّجَ اِمْرَأَةً بِالْمَغْرِبِ فَاَتَتْ بِوَلَدٍ يَلْحَقُهُ وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ تُؤَيِّدُ الْجَوَازَ اور راستہ طے کرنا بھی ایسی کرامت میں سے ہے حضور کے فرمانے کی وجہ سے کہ میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی اس پر وہ مسئلہ دلالت کرتا ہے جو فقہا نے کہا کہ کوئی شخص مشرق میں ہو اور مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے پھر وہ عورت بچہ جنے تو بچہ اس مرد سے ملحق ہوگا اور تتار خانیہ میں ہے کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہونے کی تائید کرتا ہے + شامی یہی مقام وَالْاِنْصَافُ مَا ذَكَرَهُ الْاِمَامُ النَّسْفِيُّ حِيْنَ سُئِلَ عَمَّا يُحْكٰى اَنَّ الْكَعْبَةَ كَانَتْ تَزُوْرُ وَاحِدًا مِّنَ الْاَوْلِيَاءِ هَلْ يَجُوْزُ الْقَوْلُ بِهٖ فَقَالَ نَقْضُ الْعَادَةِ عَلٰى سَبِيْلِ الْكَرَامَةِ لِاَهْلِ الْوِلَايَةِ جَائِزٌ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ انصاف کی بات وہ ہی ہے جو امام نسفی نے اس وقت کہی جبکہ اُن سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعبہ ایک ولی کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لئے خلاف عادت کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے ؛

اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کیلئے عالم میں چکر لگاتا ہے ؛

تفسیر روح البیان سورہ ملک کے آخر میں ہے قَالَ الْاِمَامُ الْغَزَالِيُّ وَالرَّسُوْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ الْخِيَارُ فِيْ طَوَافِ الْعَالَمِ مَعَ اَرْوَاحِ الصَّحَابَةِ لَقَدْ رَاٰهُ كَثِيْرٌ مِّنَ الْاَوْلِيَاءِ امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں سیر فرمانے کا اپنے صحابہ کرام کی روحوں کے ساتھ اختیار ہے آپکو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے + انتباہ الاذکیاء فی حیاۃ الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں اَلنَّظَرُ فِيْ اَعْمَالِ اُمَّتِهٖ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ مِّنَ السَّيِّئَاتِ وَالدُّعَاءُ بِكَشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ وَالتَّرَدُّدُ فِيْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَالْبَرَكَةُ فِيْهَا وَحُضُوْرُ جَنَازَةِ مَنْ صَالِحِيْ اُمَّتِهٖ فَاِنَّ هٰذِهِ الْاُمُوْرَ مِنْ اَشْغَالِهٖ كَمَا وَرَدَتْ بِذٰلِكَ الْحَدِيْثُ وَالْاٰثَارُ اپنی اُمت کے اعمال میں نگاہ رکھنا اُن کے لئے گناہوں سے استغفار کرنا اُن سے دفع بلا کی دعا فرمانا اطراف زمین میں آنا جانا اُس میں برکت دینا اور اپنی اُمت میں کوئی صالح آدمی مرجاوے تو اُس کے جنازے میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں جیسے کہ اس پر احادیث اور آثار آئے ہیں + امام غزالی المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں ؛ ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در بیداری انبیاء و ملائکہ را وہمکلام می شوند بایشان ؛ صاحب نل

حضرات جاگتے ہوئے انبیاء وملائکہ کو دیکھتے ہیں اور اُن سے بات چیت کرتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح صدور میں فرماتے ہیں اِنِ اعْتَقَدَ النَّاسُ اَنَّ رُوْحَهٗ وَمِثَالَهٗ فِیْ وَقْتِ قِرَآءَةِ الْمَوْلِدِ وَخَتْمِ رَمَضَانَ وَقِرَآءَةِ الْقَصَائِدِ یَحْضُرُ جَازَ اگر لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کی روح اور آپ کی مثال مولود شریف پڑھتے اور ختم رمضان اور نعت خوانی کرتے وقت آتی ہے تو جائز ہے۔ مولوی عبدالحی صاحب رسالہ ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان میں فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص نعت خواں تھا اور حقہ بھی پیتا تھا اُس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں مگر جب حقہ آجاتا ہے تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہوجاتے ہیں۔

اِن عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہِ پاک ہر وقت عالم کے ذرہ ذرہ پر ہے اور نماز تلاوتِ قرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجالس میں اسی طرح صالحین کی نمازِ جنازہ میں خاص طور پر اپنے جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورۂ فتح زیر آیت اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ہے فَاِنَّهٗ لَمَّا كَانَ اَوَّلَ مَخْلُوْقٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ كَانَ شَاهِدًا بِوَحْدَانِيَّةِ الْحَقِّ وَشَاهِدًا بِمَا اَخْرَجَ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ مِنَ الْاَرْوَاحِ وَالنُّفُوْسِ وَالْاَجْرَامِ وَالْاَرْكَانِ وَالْاَجْسَادِ وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيْوٰنِ وَالْمَلَكِ وَالْجِنِّ وَالشَّيْطٰنِ وَالْاِنْسَانِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ لِئَلَّا يَشِذَّ عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْمَخْلُوْقِ وَاَسْرَارِ اَفْعَالِهٖ وَعَجَائِبِهٖ چونکہ حضور علیہ السلام اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لیے اُس کی وحدانیت کے گواہ ہیں اور ان چیزوں کو مشاہدہ کرنے والے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے ارواح، نفوس اجسام معدنیات نباتات حیوانات فرشتے اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار اور عجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لیے ممکن ہیں اسی جگہ کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں فَشَاهَدَ خَلْقَهٗ وَمَا جَرٰى عَلَيْهِ مِنَ الْاِكْرَامِ وَالْاِخْرَاجِ مِنَ الْجَنَّةِ بِسَبَبِ الْمُخَالَفَةِ وَمَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِلٰى اٰخِرِ مَا جَرٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَشَاهَدَ خَلْقَ اِبْلِيْسَ وَمَا جَرٰى عَلَيْهِ حضور علیہ السلام نے حضرت آدم کا پیدا ہونا ان کی تعظیم ہونا اور خطا پر جنت سے علیحدہ ہونا اور پھر توبہ قبول ہونا آخر تک کے اُن کے سارے معاملات جو اُن پر گذرے سب کو دیکھا اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اُس پر گذرا اُس کو بھی دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم

ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالات کا مشاہدہ فرمایا + یہ ہی صاحب روح البیان کچھ آگے چل کر اسی مقام پر فرماتے ہیں قَالَ بَعْضُ الْكُبَارِ اِنَّ مَعَ كُلِّ سَعِيْدٍ رَقِيْقَةً مِّنْ رُّوْحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ هِيَ الرَّقِيْبُ الْعَتِيْدُ عَلَيْهِ وَلَمَّا قَبِضَ الرُّوْحُ الْمُحَمَّدِيُّ عَنْ اٰدَمَ الَّذِيْ كَانَ بِهٖ دَائِمًا لَا يَضِلُّ وَلَا يَنْسٰى جَرٰى عَلَيْهِ مَا جَرٰى مِنَ النِّسْيَانِ وَمَا يَتْبَعُهٗ بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر سعید کے ساتھ حضور علیہ السلام کی روح رہتی ہے اور یہ ہی رقیب عتید سے مراد ہے. اور جس وقت روح محمدی کی توجہ دائمی حضرت آدم سے ہٹ گئی. تب ان سے نسیان اور اس کے نتائج ہوئے ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے + روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفےٰ ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو حضور کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے. اور جو گناہ کرتا ہے وہ اس طرف کی بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے + اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر وناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا + امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں ؎

وَاِذَا سَمِعْتُ فَعَنْكَ قَوْلًا طَيِّبًا + وَاِذَا نَظَرْتُ فَلَا اَرٰى اِلَّا كَ

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں ۔ اور جب دیکھتا ہوں تو آپکے سوا کچھ نظر نہیں آتا

امام صاحب کوفہ میں رہ کر حضور علیہ السلام کو ہر طرف دیکھتے ہیں "

چوتھی فصل حاضر وناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں کہ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کو بعد لحاظ صلہ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے دیکھئے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں. کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے + ترجمہ صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی صفحہ ۱۳ میں چوتھی ہدایت حب عشقی کے بیان میں کوئلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں " اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں احدیت کے دریاؤں کی تہ میں کھینچکر لے جاتی ہیں. تو اَنَا الْحَقُّ اور لَيْسَ فِيْ جُبَّتِيْ سِوَى اللّٰهِ کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا ایک اور روایت کی رو سے لِسَانَهُ الَّذِيْ يَتَكَلَّمُ بِهٖ اسی حالت کی حکایت ہے. اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو

جاتا ہے تو خدائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوتا اور بولتا ہے یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے یہ ہی حاضر و ناظر کے معنے ہیں۔ اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاویں تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فنا فی اللہ کون ہو سکتا ہے۔ تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوئے + امداد السلوک صفحہ۔ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں "ہم مرید بیقین داند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگرچہ از شیخ دور است اما روحانیت او دور نیست چوں ایں امر محکم دارد ہر وقت شیخ را بیاد دارد و ربط قلب پیدا آید و ہر دم مستفید بود مرید در حال واقعہ محتاج شیخ بود۔ شیخ را بقلب حاضر آوردہ بلسانِ حال سوال کند البتہ روحِ شیخ باذن اللہ تعالیٰ القا خواہد کرد مگر ربط تام شرط است و بسبب ربط قلب شیخ را لسانِ قلب ناطق می شود و بسوئے حق تعالیٰ راہ مے کشاید و حق تعالیٰ او را محدث می کند" مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور یا نزدیک اگر پیر کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں۔ جب یہ بات پختہ ہوگئی تو ہر وقت پیر کی یاد رکھے اور دلی تعلق اس سے ظاہر ہو اور ہر وقت اس سے فائدہ لیتا رہے۔ مرید واقعہ کی حالت میں پیر کا محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبانِ حال سے اس سے مانگے پیر کی روح اللہ کے حکم سے ضرور القا کرے گی مگر پورا تعلق شرط ہے اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ سے دل کی زبان گویا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف راہ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اس کو صاحبِ الہام کر دیتا ہے ؛

اس عبارت میں حسب ذیل فائدے ہیں :۔ (۱) پیر کا مریدوں کے پاس حاظر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہنا (۳) پیر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے پیر سے مانگے (۵) پیر مرید کو القا کرتا ہے (۶) پیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے + جب پیر میں یہ طاقتیں ہیں تو جو ملائکہ اور انسانوں کے شیخ الشیوخ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات ماننا کیوں شرک ہے ؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی ہی پھیر دیا وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ سب تقویۃ الایمان ختم + حفظ الایمان صفحہ ۷ میں مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں کہ ابویزید سے پوچھا گیا طے زمین کی نسبت۔ تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں۔ دیکھو ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک لحظہ میں قطع کر جاتا ہے + اس

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ آناً فاناً مشرق سے مغرب تک پہنچ جانا اہل اللہ کو تو کیا کفار و شیاطین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنے ہیں۔ تقویۃ الایمان کے لحاظ سے شرک ہے۔ مسک الختام مصنفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وہابی کی عبارت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ التحیات میں السلام علیک سے خطاب اس لئے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے ذرہ ذرہ میں موجود ہیں لہٰذا نمازی کی ذات میں موجود حاضر ہیں۔

اِن عبارات سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہے۔

پانچویں فصل حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع کمالات ہے یعنی جس قدر کمالات کہ دیگر انبیائے کرام یا آئندہ اولیائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے وہ سب بلکہ اُن سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام کو عطا فرما دیئے۔ بلکہ حضور ہی کے ذریعہ سے اُن کو ملے۔ قرآن کریم فرماتا ہے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ آپ اُن سب کی راہ چلو۔ اس کی تفسیر روح البیان میں ہے فَجَمَعَ اللّٰهُ كُلَّ خَصْلَةٍ فِي حَبِيْبِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اللہ نے ہر نبی کی خصلت حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی۔ مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری ؛ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نیز مولوی محمد قاسم صاحب تحذیر الناس صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں اور انبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اُمتوں کو پہنچاتے ہیں عرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے اس قاعدے پر بہت سے دلائل قرآن واحادیث واقوالِ علماء سے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ مخالفین اس کو مانتے ہیں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلم ہے کہ صفتِ کمال کسی مخلوق کو ملی وہ تمام علیٰ وجہ الکمال حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا تو بہت سی مخلوقات کو عطا کیا گیا ماننا پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا کس کس مخلوق کو عطا ہوا۔ ہم نے اس بحث حاضر و ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر و ناظر ہونے کے تین معنی ہیں ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو مثل کفِ دست کے دیکھنا۔ ایک آن میں عالم کی سیر کر لینا اور صدہا کوس پر کسی کی مدد کر دینا۔ اس جسم یا جسم مثالی کا متعدد جگہ موجود ہو جانا۔ یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں۔

(۱) روح البیان اور خازن و تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر میں پارہ ۷ سورۂ انعام زیر آیت حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ہے جُعِلَتِ الْاَرْضُ لِمَلَکِ الْمَوْتِ مِثْلَ الطَّشْتِ یَتَنَاوَلُ مِنْ حَیْثُ شَآءَ یعنی ملک الموت کے لئے ساری زمین طشت کی طرح کر دی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں لے لیں + اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے لَیْسَ عَلٰی مَلَکِ الْمَوْتِ صُعُوْبَةٌ فِیْ قَبْضِ الْاَرْوَاحِ وَاِنْ کَثُرَتْ وَکَانَتْ فِیْ اَمْکِنَةٍ مُتَعَدِّدَةٍ ملک الموت پر روحیں قبض کرنے میں کوئی دشواری نہیں اگرچہ روحیں زیادہ ہوں اور مختلف جگہ میں ہوں + تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے مَامِنْ اَهْلِ بَیْتِ شَعْرٍ وَّلَا مَدَرٍ اِلَّا مَلَکُ الْمَوْتِ یُطِیْفُ بِهِمْ یَوْمًا مَرَّتَیْنِ کوئی خیمہ اور مکان والے نہیں مگر ملک الموت ہر روز ان کے پاس دو بار جاتے ہیں + مشکوٰۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ جب اذان اور تکبیر ہوتی ہے تو شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے پھر جہاں یہ ختم ہوئیں کہ پھر موجود اس ناری کی رفتار کا یہ عالم ہے +

جب ہم سوتے ہیں تو ہماری ایک روح جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے جسے روح سیرانی کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے وَیُمْسِکُ الْاُخْرٰی اور جہاں کسی نے جسم کے پاس کھڑے ہو کر اس کو اٹھایا وہ ہی روح جو ابھی مکہ معظمہ یا مدینہ پاک میں تھی آناً فاناً جسم میں آکر داخل ہو گئی اور آدمی بیدار ہو گیا + روح البیان زیر آیت وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ ہے فَاِذَا انْتَبَهَ مِنَ النَّوْمِ عَادَتِ الرُّوْحُ اِلٰی جَسَدِہٖ بِاَسْرَعِ مِنْ لَحْظَةٍ یعنی جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو روح جسم میں ایک لحظہ سے بھی کم میں لوٹ آتی ہے + ہمارا نور نظر آن کی آن میں آسمانوں پر جا کر زمین پر آجاتا ہے ہمارا خیال آن واحد میں تمام عالم کی سیر کر لیتا ہے۔ بجلی تار ٹیلیفون اور لاؤڈ سپیکر کی قوت کا یہ عالم ہے کہ آدھے سیکنڈ میں زمین کے قطر کو طے کر لیتے ہیں۔ حضرت جبریل کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب آدھے کنوئیں سے نیچے چلے اور حضرت جبریل سدرہ سے چلے یوسف علیہ السلام ابھی کنوئیں کی تہ کو نہ پہنچے تھے کہ جبریل سدرہ سے وہاں پہنچ گئے۔ دیکھو تفسیر روح البیان زیر آیت اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ حضرت خلیل نے حلق اسمٰعیل پہ چھری چلائی۔ ابھی چھری روانہ نہ ہوئی تھی کہ جبریل سدرہ سے مع دنبہ خلیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سلیمان کے وزیر آصف ابن برخیا نے ایک پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت یمن سے لا کر شام میں حضرت سلیمان کی خدمت

میں حاضر کر دیا جس کا ثبوت قرآن میں ہے کہ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ معلوم ہوا کہ آصف کو یہ بھی خبر تھی کہ تخت کہاں ہے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ پلک جھپکنے سے پہلے یمن گئے بھی اور لوٹ بھی آئے اور اتنا وزنی تخت بھی لے آئے۔ رہی یہ بحث کہ حضرت سلیمان میں تخت لانے کی طاقت تھی یا کہ نہیں۔ وہ ہم اسی بحث کے دوسرے باب میں بیان کریں گے انشاء اللہ ٭

معراج میں سارے انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی حضور براق پر تشریف لے گئے اور براق کی رفتار کا یہ عالم کہ تاحدِ نظر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ مگر رفتارِ انبیاء کا یہ عالم کہ ابھی بیت المقدس میں مقتدی تھے اور ابھی مختلف آسمانوں پر پہنچ گئے۔ حضور فرماتے ہیں کہ ہم نے فلاں آسمان پر فلاں پیغمبر سے ملاقات کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ براق کی برق رفتاری خیال تھی کہ دولہا گھوڑے پر سوار ہو کر خراماں ہی جایا کرتے ہیں۔ اور انبیاء کی خدمت گذاری کا وقت تھا۔ ابھی بیت المقدس اور ابھی افلاک پر ٭ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات آخر باب زیارۃ القبور میں فرمایا کہ ہر پنجشنبہ کے دن مُردوں کی رُوحیں اپنے خویش و اقارب کے یہاں جا کر ان سے ایصالِ ثواب کی تمنا کرتی ہیں۔ اب اگر کسی میت کے خویش و اقربا دوسرے ممالک میں بھی رہتے ہوں تو وہاں ہی پہنچیں گی ٭

ہماری اس گفتگو سے یہ بخوبی معلوم ہو گیا کہ سارے عالم پر نگاہ رکھنا ہر جگہ کی آنًا فانًا سیر کر لینا۔ ایک وقت میں چند جگہ پایا جانا یہ وہ صفات ہیں کہ رب نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں ٭ اس سے دو باتیں لازم۔ ایک تو یہ کہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا شرک نہیں۔ کہ شرک کہتے ہیں خدا کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک ماننا۔ یہاں یہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کے خدام میں ہر جگہ رہنے کی طاقت ہے تو حضور علیہ السلام میں بدرجہ اولیٰ یہ صفت ہے ٭

(۲) دنیا میں پانی اور دانہ ہر جگہ موجود نہیں بلکہ خاص خاص جگہ ہے۔ پانی تو کنوئیں اور تالاب و دریا وغیرہ میں ہے دانہ کھیت یا گھروں وغیرہ میں۔ مگر ہوا اور دھوپ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک خلا محال ہے ہر جگہ ہوا ہے اس لئے کہ ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور حبیبِ خدا علیہ السلام کی بھی ہر مخلوقِ الٰہی کو ہر وقت ضرورت ہے جیسا کہ ہم روح البیان وغیرہ کے حوالہ سے ثابت کر چکے۔ تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ جلوہ گری ہو ٭

(۳) حضور علیہ السلام تمام عالم کی اصل ہیں وَكُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُوْرِیْ اور اصل کا اپنی فرع میں مادہ کا سارے مشتقات میں ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے ؎

ہر اک اُن سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے
بنے دو جہاں کی وہ ہی بناء وہ نہیں جو اُن سے بنا نہیں

دوسرا باب مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراضات کے بیان میں

(۱) ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ لہٰذا غیر میں یہ صفت ماننا شرک فی الصفت ہے۔

جواب ۔ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدائے پاک جگہ اور مکان سے پاک ہے۔ کتب عقائد میں ہے لَا یَجْرِیْ عَلَیْهِ زَمَانٌ وَّلَا یَشْتَمِلُ عَلَیْهِ مَكَانٌ خدا پر نہ زمانہ گذرے۔ کیونکہ زمانہ سفلی اجسام پر زمین میں رہ کر گذرتا ہے انہیں کی عمر ہوتی ہے۔ چاند سورج تارے حور و غلمان فرشتے بلکہ آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام معراج میں حضور علیہ السلام زمانہ سے علیحدہ ہیں اور نہ کوئی جگہ خدا کو گھیرے خدا تعالیٰ حاضر ہے مگر بغیر جگہ کے۔ اسی لئے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کو متشابہات سے مانا گیا ہے اور بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ وغیرہ آیات میں مفسرین فرماتے ہیں عِلْمًا وَّ قُدْرَةً یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت عالم کو گھیرے ہوئے ہے ؎

وہ ہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے تو بھی حضور علیہ السلام کی یہ صفت عطائی۔ حادث مخلوق قبضۂ الٰہی میں ہے اور خدا کی یہ صفت ذاتی قدیم غیر مخلوق ہے کسی کے قبضے میں نہیں اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ جیسے کہ حیوٰۃ سمع بصر وغیرہ۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ میں ہے" فخر دو عالم علیہ السلام کو مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے اگر باعلام اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے۔" یہ ہی مضمون براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ میں ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب نے رجسٹری فرمادی کہ غیر خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا بعطاء الٰہی شرک نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ خالقیت وجوب

قدم وغیرہ دیگر صفاتِ الٰہیہ بھی پیغمبروں کو عطائی مان لو اور حضور کو خالق واجب قدیم کہا کرو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چار صفات قابل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے۔ وجوب، قدیم، خلق، نہ مرنا۔ دیگر صفات کی تجلی مخلوقات میں بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے سمع بصر حیات وغیرہ مگر ان میں بھی بڑا فرق ہوگا۔ رب کی یہ صفات ذاتی، واجب، نہ مٹنے والی اور مخلوق کی عطائی، ممکن، فانی ؎

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل ٭ خدا ان کے آتا وہ بندہ خدا کا

(۲) قرآن کریم نے فرمایا وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ وہ لوگ اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال رہے تھے + حضرت مریم کے حاصل کرنے کے لئے وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کیا وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى آپ مغربی کنارہ میں نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کی طرف بھیجا وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا آپ طور کی طرف نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کو آواز دی +

ان آیات سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں جو یہ مذکورہ واقعات ہوئے اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے صاف ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں؟

جواب۔ یہ سوال اس وجہ سے ہے کہ معترض کو حاضر و ناظر کے معنی کی خبر نہیں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حاضر و ناظر کی تین صورتیں ہیں ایک جگہ رہ کر سارے عالم کو دیکھنا۔ آن کی آن میں سارے عالم کی سیر کر لینا۔ ایک وقت میں چند جگہ ہونا۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ آپ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے۔ اس جسد عنصری سے وہاں ہونا اور ہے اور ان کے واقعات کو مشاہدہ فرمانا اور۔ بلکہ آیات مذکورہ بالا کا مطلب ہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ وہاں بایں جسم موجود نہ تھے لیکن پھر آپ کو ان واقعات کا علم اور مشاہدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں۔ یہ آیات تو حضور کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کر رہی ہیں + تفسیر صاوی میں وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ الآیۃ کی تفسیر میں ہے وَهٰذَا بِالنَّظَرِ اِلَى الْعَالَمِ الْجِسْمَانِيِّ لِاِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَى الْخَصْمِ وَاَمَّا بِالنَّظَرِ اِلَى الْعَالَمِ الرُّوْحَانِيِّ فَهُوَ حَاضِرٌ رِسَالَةَ كُلِّ رَسُوْلٍ وَمَا وَقَعَ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ اِلٰى اَنْ ظَهَرَ بِجِسْمِهِ الشَّرِيْفِ (تفسیر صاوی سورۂ قصص) یعنی یہ فرمانا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی جگہ نہ تھے جسمانی لحاظ سے ہے عالم روحانی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام ہر رسول کی

رسالت اور آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جسمانی ظہور تک۔ کے تمام واقعات پر حاضر ہیں + نیز ہجرت کے دن غار ثور میں صدیق صدق کو لئے ہوئے جلوہ گر ہیں کہ کفار مکہ دروازہ غار پر آ پہنچے حضرت صدیق پریشان ہوئے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ تو ہے مگر ان کفار کے ساتھ نہیں۔ لہٰذا خدا ہر جگہ نہیں۔ کیونکہ کفار بھی تو عالم ہی میں تھے + نیز غزوہ احد سے فارغ ہو کر کفار سے خطاب کر کے فرمایا۔ اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ اللہ ہمارا مولیٰ ہے تمہارا مولیٰ کوئی نہیں + جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سلطنت و حکومت فقط مسلمانوں پر تو ہے کفار پر نہیں۔ مولیٰ بمعنی والی۔ تو جس طرح ان دونوں کلاموں میں توجیہ کرو گے کہ پہلے کلام سے مراد ہے کہ اللہ رحم و کرم سے ہمارے ساتھ ہے اور جبر و قہر سے کفار کے ساتھ اور دوسری کلام میں مراد ہے کہ مددگار والی ہمارا ہے تمہارا والی تو ہے مگر ناصر اور مہربان نہیں۔ اسی طرح ان آیات میں بھی کہا جائے گا کہ بطریق ظاہر بہ این جسد عنصری آپ اس وقت ان کے پاس نہ تھے ؛

(۳) قرآن فرماتا ہے وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق ان کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں ؛

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر نہیں ورنہ آپ کو منافقین کے اندرونی راز دل کی بھی خبر ہوتی حالانکہ آپ ان سے بے خبر تھے ؛

جواب۔ اس کا تفصیلی جواب ہم بحث علم غیب میں اسی آیت کے ماتحت دے چکے ہیں ؛

(۴) بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ زید ابن ارقم نے عبد اللہ ابن اُبی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مسلمانوں کو کچھ خرچ نہ دو۔ عبد اللہ ابن اُبی نے بارگاہ عالی میں آ کر جھوٹی قسم کھالی کہ مَیں نے یہ نہ کہا تھا فَصَدَّقَھُمْ وَکَذَّبَنِیْ حضور علیہ السلام نے ان کو سچا مان لیا اور مجھ کو جھوٹا۔ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو ابن اُبی کی غلط تصدیق کیوں کر دی۔ جب آیت کریمہ نے نازل ہو کر زید ابن ارقم کی تصدیق کی تو یہ سچے ہوئے ؛

جواب۔ عبد اللہ ابن اُبی کی تصدیق فرما دینے سے لازم نہیں کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو شرعاً مقدمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے ورنہ مدعیٰ علیہ قسم کھا کر مقدمہ جیت لیگا کیونکہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعا علیہ کی قسم پر ہوتا ہے نہ کہ قاضی کے ذاتی علم پر۔ زید ابن ارقم رضی اللہ

عنہ مدعی تھے کہ ابن ابی نے توہین کی اور ابن ابی منکر چونکہ حضرت زید کے پاس گواہی نہ تھی عبداللہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا. پھر جب قرآن نے زید کی گواہی دی تب اس گواہی سے اُن کی تصدیق ہوئی. قیامت میں گذشتہ کفار انبیاء کی تبلیغ کا انکار کرینگے اور انبیاء دعویٰ. رب العٰلمین اُمتِ مصطفےٰ علیہ السلام سے انبیاء کے حق میں گواہی لیکر انبیاء کی تصدیق فرمائیگا. اسی طرح کفار عرض کرینگے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے. تب اُن کے نامہ اعمال اور ملائکہ بلکہ خود اُن کے اعضاء سے گواہی لیکر اُن کے خلاف فیصلہ ہوگا. تو کیا رب کو بھی اصل واقعہ کا پتہ نہ تھا ضرور تھا مگر یہ قانون کی پابندی ہے گَذَّبَنِیْ کے معنیٰ ہیں کہ میری بات نہ مانی. یہ معنیٰ نہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا. کیونکہ جھوٹا فاسق ہوتا ہے. اور تمام صحابہ عادل ہیں. اور کسی مسلمان کو بلا دلیل فاسق نہیں کہا جا سکتا. کبھی دیوبندی کہتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام گندی جگہ اور دوزخ میں بھی حاضر ہیں. اُن کو وہاں ماننا بے ادبی ہے. اس کا جواب یہ ہے. کہ حضور علیہ السلام کا ہر جگہ حاضر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کی شعاع یا نورِ نظر یا فرشتوں کا ہر جگہ ہونا کہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں مگر گندگی سے گندی نہیں ہوتیں. بتاؤ تم رب کو اِن سب جگہ حاضر مانتے ہو یا نہیں ؟ اگر مانتے ہو تو اس کی بے ادبی ہوئی یا نہیں. نور آفتاب گندی جگہ پڑنے سے ناپاک نہیں. تو حقیقتِ محمدیہ جسے رب نور فرمائے اس پر ناپاکی کے احکام کیوں جاری ہونگے ٭

(۵) ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے لَا يُبَلِّغُنِیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِیْ شَيْئًا فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دل آیا کریں + اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو خبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی. آپ کو ویسے ہی خبر رہتی ٭

جواب. انبیائے کرام کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ رہنا ضروری نہیں. اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں حاجی امداد اللہ صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں. اب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کسی کی طرف سے ناراض نہ بناؤ. ایک جگہ ارشاد ہوا ہے ذَرُوْنِیْ مَا تَرَكْتُكُمْ جب تک ہم تم کو چھوڑے رہیں تم بھی چھوڑے رہو ٭

(۶) بیہقی میں ہے مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَیَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهٗ

جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں اور جو دور سے درود بھیجتا ہے تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے + اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی ورنہ پہنچائے جانے کی کیا ضرورت ہے + جواب۔ اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ دور کا درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں اور دور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے۔ ہم حاضر وناظر کے ثبوت میں دلائل الخیرات کی وہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم بہ نفس نفیس خود سن لیتے ہیں اور غیر محبت والوں کا درود پہنچا دیا جاتا ہے۔ تو دور و قریب سے مراد دلی دور قریب ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے ؎

گر بے منی و پیش منی در یمنی ٭ گر با منی و در یمنی پیشِ منی

پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ ورنہ ملائکہ بندوں کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی پیشی میں بندوں کی عزت ہے کہ درود پاک کی برکت سے ان کا یہ رتبہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہِ انام کی بارگاہ میں آگیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم +

فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توبہ قبول نہیں۔ دیکھو شامی باب المرتدین کیونکہ یہ توہین حق العباد ہے جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا اگر توہین کی حضور کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق العبد کیونکر بنی۔ غیبت اسی وقت حق العبد بنتی ہے جب اس کی خبر اس کو ہو جاوے جس کی غیبت کی گئی ورنہ حق اللہ رہتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری ٭

کتاب جلاء الافہام مصنفہ ابن قیمؒ شاگرد ابن تیمیہ صفحہ ۷۳ حدیث نمبر ۱۰۸ میں حدیث نقل ہے لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُّصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ قُلْنَا بَعْدَ وَفَاتِکَ قَالَ وَ بَعْدَ وَفَاتِیْ یعنی کوئی کہیں سے درود شریف پڑھے مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعدِ وفات بھی رہے گا + جلاء الافہام مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیریہ صفحہ ۷۳۔ انیس الجلیس مصنفہ مولانا جلال الدین سیوطی صفحہ ۲۲۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَصْحَابِیْ اَخْوَانِیْ صَلُّوْا عَلَیَّ فِیْ کُلِّ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ وَالْجُمُعَۃِ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَاِنِّیْ اَسْمَعُ صَلٰوتَکُمْ بلا واسطۃٍ یعنی ہر جمعہ و پیر کو مجھ پر درود زیادہ پڑھو میری وفات کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں ٭

(۷) فتاوی بزازیہ میں ہے مَنْ قَالَ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَۃٌ تَعْلَمُ یَکْفُرُ جو کہے کہ

مشائخ کی روحیں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہے + شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے لئے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سننا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے ہیں + اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے کسی اور میں ماننا صریح کفر ہے. بزازیہ فقہ کی معتبر کتاب ہے وہ حکم کفر دے رہی ہے، جواب. فتاویٰ بزازیہ کی ظاہر عبارت کے زد میں تو مخالفین بھی آتے ہیں اوّلاً تو اس لئے کہ ہم امداد السلوک مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جاننے کی تعلیم دی ہے. دوسرے اسلئے کہ بزازیہ کی عبارت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روحِ مشائخ کو حاضر جانے ہر جگہ یا بعض جگہ. اِس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا بھی علم مانے تو کافر ہے. اب مخالفین بھی ارواحِ مشائخ کو ان کی قبر یا مقامِ علیّین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں. وہاں تو حاضر مانیں گے ہی. بس کہیں بھی ماننا کفر ہوا. تیسرے اس لئے کہ ہم اس بحث حاضر و ناظر میں شامی کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ یا حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں ہے. چوتھے کہ ہم اشعۃ اللمعات اور احیاء العلوم بلکہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وہابی کی عبارات بیان کر چکے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہے. اب ان اکابر فقہاء پر بزازیہ کا فتویٰ جاری ہوگا یا نہیں لہٰذا ماننا ہوگا کہ بزازیہ میں جس حاضر و ناظر ماننے کو کفر فرمایا جارہا ہے وہ وہ حاضر و ناظر ہوتا ہے جو صفت الٰہیہ ہے یعنی ذاتی، قدیم، واجب، بغیر کسی جگہ میں ہوئے کہ ایسا حاضر ہونا رب کی صفت ہے. وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں. پہلے سوال کے جواب میں ہم فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب البدعات صفحہ ۹۱ کی عبارت اور براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ مولوی رشید احمد و خلیل احمد صاحبان بھی اس فتوے میں ہم سے متفق ہیں + شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشائخ و انبیاء کی قدرت تمام مقدورات الٰہیہ پر اللہ کی طرح ماننا کفر ہے ورنہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر ناظر مانتے ہیں. ان کی عبارات ہم بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں +

(۸) بعض مخالفین جب کوئی راستہ نہیں پاتے تو کہدیتے ہیں کہ ہم ابلیس میں ہر جگہ پہنچ جانے کی طاقت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک الموت اور ملائکہ میں یہ طاقت تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ دیگر مخلوق کے کمالات پیغمبروں میں یا حضور علیہ السلام میں جمع ہیں + مولوی قاسم صاحب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ "رہا عمل اس میں بسا اوقات غیر نبی نبی سے بڑھ جاتے ہیں" + رحوم المذنبین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو تخت بلقیس لانے کی طاقت حضرت سلیمان میں نہ تھی اور آصف میں تھی ورنہ آپ خود ہی کیوں نہ لے آتے۔ اسی طرح ہُدہُد نے کہا کہ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا اے سلیمان میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں۔ نیز ہُدہُد کی آنکھ زمین کے اندر کا پانی دیکھ لیتی ہے اسی لئے وہ حضرت سلیمان کی خدمت میں رہتا تھا کہ جنگل میں زمین کے اندر کا پانی بتائے اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر نہ تھی۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کے علم وطاقت سے غیر نبی بلکہ جانور کا علم وطاقت زیادہ ہو سکتا ہے + جواب۔ غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبارات ہم پیش کر چکے + یہ آٹھواں اعتراض خود اپنے مذہب کو چھوڑنا ہے + شفا شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ فلاں کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے وہ کافر ہے۔ کسی بھی کمال میں کسی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے۔ کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر ۸ سو سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے اور کہے کہ میری عبادت تو ۸ سو سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل پچیس برس کی + لہٰذا عبادت میں حضور سے بڑھ گیا۔ وہ بے دین ہے۔ ان کے ایک سجدے کا جو ثواب ہے وہ ہماری لاکھوں برس کی عبادات سے کہیں بڑھ کر ہے۔ صرف یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الٰہی، درجہ اور ثواب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شانِ نبی تو بہت بلند وبالا ہے + مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ میرے صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ شمسون بنی اسرائیل نے ایکہزار ماہ یعنی ۸۳ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ کیسے پائیں۔ تو آیت کریمہ اتری لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے یعنی اے مسلمانو تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت بنی اسرائیل

کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے۔ تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جس مسجد پاک کے ایک گوشہ میں سید الانبیاء آرام فرما ہیں یعنی مسجد نبوی وہاں کی ایک رکعت پچاس ہزار کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ جن کے قریب میں ہماری عبادت ایسی پھولتی پھلتی ہے تو ان کی عبادۃ کا کیا حال پوچھنا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ آصف ابن برخیا میں تخت لانے کی طاقت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض بیہودہ بکواس ہے قرآن فرماتا ہے وَقَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت بلقیس کو آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے حاضر خدمت کر دونگا۔ معلوم ہوا کہ آصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کو اسم اعظم دیا تھا جس سے وہ یہ تخت لائے۔ ان کو یہ علم حضرت سلیمان کی برکت سے ملا۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ ان میں یہ قدرت ہو۔ اور ان کے استاذ سیدنا سلیمان علیہ السلام میں نہ ہو۔ رہا یہ کہ پھر آپ خود کیوں نہ لائے۔ وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کام کرنا خدام کا کام ہے نہ کہ سلاطین کا۔ ہدیہ سلطنت چاہتا ہے کہ خدام سے کام لیا جاوے۔ بادشاہ اپنے نوکروں سے پانی منگوا کر پیتا ہے تو کیا خود اس میں پانی لینے کی طاقت نہیں۔ رب العٰلمین دنیا کے سارے کام فرشتوں سے کراتا ہے کہ بارش برسانا، جان نکالنا پیٹ میں بچہ بنانا سب ملائکہ کے سپرد ہے تو کیا خدا میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کیا فرشتے خدا سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں؟ تفسیر روح البیان نے زیر آیت فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ پارہ پنجم سورۃ نساء بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان کا آصف کو بلقیسی تخت لانے کا حکم دینا اس لئے تھا کہ آپ نے اپنے درجہ سے اترنا نہ چاہا یعنی یہ کام خدام کا ہے۔ اسی طرح ہدہد کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی ان کو خبر نہ تھی ہدہد سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی یہ کہدیا۔ لہٰذا اس سے سند نہیں پکڑی جا سکتی۔

نیز ہدہد نے عرض کیا کہ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خبرا میں وہ بات دیکھ کر آیا جو آپ نے نہ دیکھی یعنی اس ملک میں آپ بہ این جسم شریف مشاہدہ فرمانے نہ گئے خبر کی نفی نہیں۔ حضرت سلیمٰن علیہ السلام کو سب کچھ خبر تھی مگر منشاء الٰہی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام ایک ہدہد چڑیا کے ذریعہ ہو۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کے پاس بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو

سکتے۔ اگر حضرت سلیمان کو خبر نہ تھی تو آصف ابن برخیا بغیر کسی سے پتہ پوچھے یمن کے شہر سبا میں بلقیس کے گھر کیسے پہنچے اور آن کی آن میں تخت کیسے لے آئے؟ معلوم ہوا کہ سارا ملک یمن حضرت آصف کے سامنے تھا۔ تو پھر حضرت سلیمان سے کیسے مخفی رہ سکتا ہے + یوسف علیہ السلام کو باپ کا پتہ معلوم تھا مگر وقت سے پہلے اپنی خبر نہ دی تاکہ قحط سالی پڑے اور آپ کی شان دنیا کو معلوم ہو۔ پھر باپ سے ملاقات ہو + نیز زمین کے نیچے کا پانی معلوم کرنا ہُدہُد کی یہ خدمت تھی۔ سلاطین ان کاموں کو اپنے آپ نہیں کرتے + مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ ایک بار حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے، موزے اُتار کر رکھ دیئے کہ ایک چیل نے جھپٹ کر ایک موزہ اٹھالیا اور اوپر لے جاکر اُلٹا کر کے پھینک دیا جس میں سے سانپ نکلا حضور علیہ السلام نے چیل سے دریافت کیا۔ کہ تُو نے میرا موزہ کیوں اُٹھایا؟ عرض کیا کہ جب میں اُڑتی ہوئی آپ کے سر مبارک کے مقابل آئی۔ تو آپ کے سر سے آسمان تک وہ نور تھا۔ کہ اس میں آکر مجھ پر زمین کے ساتوں طبقے روشن ہو گئے۔ اس سے میں نے آپ کے موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا۔ تو اس خیال سے اٹھالیا کہ شاید آپ بے توجہی میں اس کو پہن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جاوے۔ مولٰنا فرماتے ہیں ؎

مارِ در موزہ بہ بینم در ہوا ٭ نیست از من عکس تست اے مصطفٰے

پھر حضور نے فرمایا ؎

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود ٭ دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

عکس نور حق ہمہ نوری بود ٭ عکس دراز حق ہمہ دوری بود

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ایک بار عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آج بہت تیز بارش آئی اور آپ قبرستان میں تھے۔ آپ کے کپڑے کیوں تر نہ ہوئے؟ فرمایا کہ عائشہ تم نے کیا اوڑھا ہوا ہے؟ عرض کیا کہ آپ کا تہبند شریف۔ فرمایا ؎

گفت بہر آں نمود اے پاک جیب ٭ چشم پاکت را خدا باران غیب

نیست ایں باراں ازیں ابر شما ٭ ہست باراں دیگر و دیگر سما

اے محبوبہ اس تہبند شریف کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے یہ بارش نور تھی نہ کہ پانی کی بارش۔ اس کا بادل اور آسمان ہی دوسرا ہے۔ اے عائشہ یہ کسی کو نظر

نہیں آیا کرتی۔ تم نے ہمارے تہبند کی برکت سے اس کو دیکھ لیا۔ ہُدہُد کی آنکھ کو یہ طاقت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پانی ڈالنے کی برکت سے ملی اور حضرت سلیمان کی صحبت سے۔

(۹) اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ پاک حاضر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب۔ جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر معراج میں حضور علیہ السلام کے عرش پر جانے کا کیا فائدہ تھا؟ جناب مدینہ منورہ دار السلطنت ہے اور خاص تجلی گاہ۔ جیسے کہ برقی طاقت کے لئے پاور ہوس بلکہ اولیاء اللہ کی قبور مختلف پاوروں کے قمقمے ہیں ان کی بھی زیارت ضروری ہے وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۵

حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مُقَدَّمَہ نبی کی تعریف اور ان کے درجات کے بیان میں

عقیدہ۔ نبی وہ انسان مرد ہیں جن کو اللہ نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لئے بھیجا (شرح عقائد) لہٰذا نبی نہ تو غیر انسان ہو اور نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر ان مردوں کو جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جن، فرشتہ، عورت وغیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔ **عقیدہ۔** نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان اور عالی نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ان کو عطا ہوتے ہیں۔ ذلیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہار شریعت) بخاری جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس حضور علیہ السلام کا فرمان عالی پہنچا کہ اَسْلِمْ تَسْلَمْ اسلام لے آ سلامت رہیگا۔ تو ہرقل نے ابو سفیان کو بلا کر حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ كَيْفَ نَسَبُهٗ فِيْكُمْ تم میں ان کا خاندان و نسب کیسا ہے؟ ابو سفیان نے کہا هُوَ فِيْنَا ذُوْ نَسَبٍ وہ ہم میں نہایت اعلیٰ خاندان ہیں یعنی قریشی ہاشمی مطلبی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے جواب میں ہرقل نے کہا وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِيْ قَوْمِهَا ہمیشہ انبیائے کرام عالی قوم و اعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس

سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام عالی خاندان میں تشریف فرما ہوتے ہیں ٭

تنبیہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاذ اللہ بھنگیوں چاروں ہندوؤں بدھ اور جینی وغیرہ میں اُن ہی کی قوم سے آئے۔ لہٰذا لال گرو، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لئے اُن کو بُرا نہ کہو۔ قرآن فرماتا ہے لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم میں ہادی ہیں + نیز عورتیں بھی نبی ہوئی ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى وغیرہ لہٰذا یہ عورتیں نبی ہیں۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں اوّل تو اس لئے کہ وہ آیت پوری نہیں بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ تم ڈر سنانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے اور انبیاء خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت کے یہی معنٰی ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ ہر قوم میں اُس ہی قوم سے ہادی ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے۔ دیگر قومیں بھی اُن کے ماتحت رہیں۔ حضور علیہ السلام قریشی ہیں مگر پٹھان شیخ سیّد غرضکہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں۔ نیز ہادی عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنٰی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم میں اُس قوم میں سے بعض بعض کے لئے رہبر ہوئے + بلکہ مہادیو، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں۔ قرآن وحدیث نے ان کی خبر نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعہ اُن کا پتہ لگا۔ وہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں۔ کسی کے مُنہ پر ہاتھی کی سی سُونڈ کسی کے چُوتڑ پر لنگور کی سی دُم، اُن کے نام بھی گھڑے ہوئے اور اُن کی صورتیں بھی + رب نے عرب کے بُت پرستوں کو فرمایا۔ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ یہ تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کے گھڑے ہوئے نام ہیں + جب ان کے ہونے کا ہی یقین نہیں تو انہیں نبی مان لینا کونسی عقلمندی ہے ٭

دوسرا قول اس لئے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القاء یا الہام کیا گیا تھا جسے قرآن نے اَوْحَيْنَا سے تعبیر کیا۔ وحی بمعنی الہام بھی آتی ہے جیسے قرآن میں ہے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی۔ یہاں وحی بمعنی دل میں ڈالنا ہے۔ حضرت مریم کو وہ وحی تبلیغی نہ تھی اور نہ وہ تبلیغ احکام کیلئے بھیجی گئیں + نیز فرشتے کا ہر کلام وحی نہیں اور ہر وحی تبلیغی نہیں۔ بعض صحابہ نے ملائکہ کے کلام سُنے ہیں اور بوقت موت اور قبر وحشر میں سب ہی ملائکہ سے کلام کرینگے

حالانکہ سب بنی نہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان میں دیکھو +
عقیدہ کوئی شخص اپنی عبادت و اعمال سے نبوت نہیں پا سکتا۔ نبوت محض عطاء الٰہی ہے
اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں اپنی رسالت رکھے + اور غیر نبی خواہ غوث
ہو یا قطب ابدال یا کچھ اور۔ نہ تو نبی کے برابر ہو سکتا ہے نہ اس سے بڑھ سکے۔ یہ چند امور خیال میں رہیں

پہلا باب

اس بیان میں کہ نبی علیہ السلام کو بشر یا بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں جن یا فرشتہ نہیں ہوتے۔ یہ دنیاوی احکام ہیں ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ کیونکہ وہ ہی ابو البشر ہیں اور حضور علیہ السلام اس وقت نبی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں ہیں خود فرماتے ہیں کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ اس وقت حضور نبی ہیں بشر نہیں۔ سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہکر پکارنا یا حضور علیہ السلام کو یا محمد یا کہ اے ابراہیم کے باپ یا اے بھائی باوا وغیرہ برادری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے۔ اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا تو کافر ہے + عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام کو ھٰذَا الرَّجُلُ یہ مرد اہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع المذنبین وغیرہ عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے۔ شعراء جو اشعار میں یا محمدؐ لکھ دیتے ہیں وہ تنگیٔ موقعہ کی وجہ سے ہے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لے + اسی طرح جو کہتے ہیں کہ ع واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحٰی تیرا + یہ تیرا انتہائی ناز کا کلمہ ہے۔ جیسے اے آقا میں تیرے قربان۔ اے ماں تو کہاں ہے ؟ اے اللہ تو ہم پر رحم فرما! اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے +

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا وَّ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھیرالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جاویں اور تم کو خبر نہ ہو +

ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیست میں ہے "نخوانید او را بنام مبارک او چنانکہ می خوانید بعضے از شما بعض را بلکہ بگوید یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا توقیر

وتوضیح: نبی علیہ السلام کو اُن کا نام پاک لیکر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ توقیر و عزت کے ساتھ + تفسیر روح البیان زیر آیت لَا تَجْعَلُوا ہے وَالْمَعْنٰى لَا تَجْعَلُوْا نِدَاءَ كُمْ اِيَّاهُ وَتَسْمِيَتَكُمْ لَهٗ كَنِدَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا لِاِسْمِهٖ مِثْلُ يَا مُحَمَّدُ وَيَا ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ بِلَقَبِهِ الْمُعَظَّمِ مِثْلُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا ابن عبداللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ جیسا کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول + ان آیاتِ قرآنیہ اور اقوالِ مفسرین و محدثین سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جاوے نداء میں، کلام میں، ہر ادا میں ×

(۲) دنیاوی عظمت والوں کو بھی اُن کا نام لیکر نہیں پکارا جاتا. ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں. اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اُس کا نام لے کر پکارے یا اُس کو بھیا وغیرہ کہے. تو اگرچہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائیگا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا + حضور علیہ السلام تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے + گھر میں بہن ماں بیوی بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر اُن کے نام و کام و احکام جداگانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہکر پکارے، وہ بے ایمان ہی ہے اور جو ان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے ایسے ہی جو نبی کو اُمتی یا امتی کو نبی کیطرح سمجھے وہ ملعون ہے. دیوبندیوں نے نبی کو اُمتی کا درجہ دیا اُن کے پیشوا مولوی اسمٰعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کرسی دی. دیکھو صراط مستقیم کا خاتمہ معاذاللہ ×

(۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرمائے اُس کو عام القاب سے پکارنا اُس کے اُن مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے. اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اُس کو آدمی یا آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب سے یاد نہ کرنا جرم ہے کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم حکومت کے عطا کئے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو. تو جس ذات عالی کو رب کی طرف سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے ×

(۴) خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا اخا مومنین سے نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المزمل یا ایہا المدثر وغیرہ پیارے القابات سے پکارا۔ حالانکہ وہ رب ہے اور ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہکر پکاریں ؛

(۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ انبیاء کو بشر کہتے تھے قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کافر بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو وغیرہ وغیرہ + اس قسم کی بہت سی آیات ہیں۔ اسی طرح مساوات بتانا یا انبیاء کرام کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ اس نے کہا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ خدایا تو نے مجھے آگ سے اور ان کو مٹی سے پیدا فرمایا + مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں + اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مُردے۔ یہ سب ابلیسی کلام ہیں ؛

دوسرا باب

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

(۱) قرآن فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اے محبوب فرماؤ کہ میں تم جیسا بشر ہوں ؛

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں ہیں تو آیت معاذ اللہ جھوٹی ہو جاوے گی۔ جواب۔ اس آیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے۔ ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے قُلْ اے محبوب آپ فرما دو۔ تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکسار و تواضع فرمادیں۔ یہ نہیں کہ قُوْلُوْا اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُنَا اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں بلکہ قُلْ میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہدو ہم تو نہ کہیں گے ہم تو فرمائیں گے شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ہم تو فرمائیں گے یا ایہا المزمل یا ایہا المدثر وغیرہ ہم تو آپ کی شان بڑھائیں گے آپ انکسارًا یہ فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے لہٰذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں + شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے۔ اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار میں سے ہی ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا

ہے۔ ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ۔ طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تاکہ طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز ہے۔ انبیائے کرام رب کا آئینہ ہیں آواز و زبان اُن کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینۂ معقول دوست۔ یہ عکس کا لحاظ ہے ؛

دوسرے اس طرح کہ مِثْلُکُمْ پر آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آرہا ہے یُوْحٰی اِلَیَّ + یُوْحٰی اِلَیَّ کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ زید دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے۔ تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا۔ کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا۔ اور دوسرے حیوانات اور شئے۔ اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور اُمتی میں بہت بڑا فرق بتا دیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے۔ مگر بشریت اور شانِ مصطفوی میں ۲۷ درجہ فرق ہے اوّلاً بشر پھر مومن پھر شہید پھر متقی پھر ولی پھر ابدال پھر اوتاد پھر قطب پھر غوث پھر غوث الاعظم پھر تابعی پھر صحابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمۃ للعالمین وغیرہ یہ ۲۷ مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر اور مصطفےٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی ؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے۔ یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے۔ کیونکہ کلمہ موجود و علیم ہر جگہ بولا جاتا ہے جس طرح ہماری موجودیت اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں ؎

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر ؛ بہرِ حق سوئے غریباں یک نظر

حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار ہا جبریلی حیثیت سے اعلیٰ ہے ؛

تیسرے اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ رب کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے + اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نورِ خدا چراغ کی طرح روشنی ہے + اسی طرح قرآن میں ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اُڑتا ہو مگر تمہاری طرح اُمتیں ہیں + یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے اُلّو جیسا ہے ہرگز نہیں + نیز اِنَّمَا کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا

بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں. جیسے ہاروت و ماروت کا کہنا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَۃٌ ؛

چوتھے اس طرح کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان، عبادات، معاملات غرضکہ کسی شئی میں ہم جیسے نہیں. ہر بات میں فرق عظیم ہے. حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ میں اللہ کا رسول ہوں. اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جاویں. حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب کو جنّت و دوزخ کو ملاحظہ فرمالیا. ہمارا ایمان سُنا ہوا ہے. ہمارے لئے ارکانِ اسلام پانچ حضور علیہ السلام کے لئے چار یعنی آپ پر زکوۃ فرض نہیں. دیکھو شامی شروع کتاب الزکوٰۃ. ہم پر پانچ نمازیں فرض حضور علیہ السلام پر چھ یعنی تہجّد بھی فرض وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ٭ ہم کو چار بیویوں کی اجازت حضور علیہ السلام کیلئے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں + ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں. مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں وَلَا اَنْ تَنْکِحُوْا اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا. ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور کی میراث نہ بٹے. ہمارا پیشاب پاخانہ ناپاک. حضور علیہ السلام فضلات شریفہ امت کے لئے پاک (دیکھو شامی باب الانجاس) مرقات باب احکام المیاہ فصل اوّل میں ہے ومن ثم اختار کثیر من اصحابنا طھارۃ فضلاتہ اسی مرقاۃ باب الستر کے شروع میں ہے ولذا احجمہ ابوطیبہ فشرب دمہ اسی طرح مدارج النبوۃ میں جلد اول وصل عرق شریف صفحہ ۲۵ میں بھی ہے + یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے. ہم کو اُس ذاتِ کریم سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں ؎

بے مثلِ حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو ٭ نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تیرا ہم پایہ پایا

اس قدر فرقِ عظیم ہوتے ہوئے مثلیت کے کیا معنٰی ؟ ؛

پانچویں اس طرح کہ اس آیت میں ہے بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یہ نہیں ہے کہ اِنْسَانٌ مِّثْلُکُمْ بشر کے معنے ہیں ذُوْ بُشْرَہ یعنی ظاہری چہرے مُہرہ والا. بُشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو. تو معنٰے یہ ہوئے کہ میں ظاہر رنگ و روپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے یُوْحٰی اِلَیَّ ہم صاحب وحی ہیں + یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے ورنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور علیہ السلام کے اعضاء مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں. قدرت الٰہی تو دیکھو کہ منہ کا لعاب شریف

کھاری کنوئیں میں پڑے پانی کو میٹھا کر دے۔ حدیبیہ کے خشک کوئیں میں پڑ جاوے تو پانی پیدا کر دے حضرت جابر کی ہانڈی میں پڑ کر شوربا اور بوٹیاں بڑھا دے۔ آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے۔ صدیق کے پاؤں میں پہنچکر سانپ کے زہر کو دفع کرے۔ عبد اللہ ابن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچکر ہڈی کو جوڑ دے۔ حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لگے تو کحل الجواہر کا کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی دوا بھی اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر عضو شریف کی برکات دیکھنا ہیں تو ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان کا مطالعہ کرو۔ ہمارے ہر عضو کا سایہ۔ حضور کے کسی عضو کا سایہ نہیں پسینہ پاک میں مشک و عنبر سے بہتر خوشبو صلی اللہ علیہ وسلم۔

چھٹے اس طرح کہ شیخ عبد الحق مدارج النبوۃ جلد اوّل باب سوم وصل ازالہ شبہات میں فرماتے ہیں "در حقیقت متشابہات اند علماء آں را معانی لائقہ تاویلات رائقہ کردہ راجع بحق ساختہ اند" یہ آیات حقیقت میں متشابہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تاویلیں کر کے حق کی طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ یا مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ وغیرہ آیات جو بظاہر شانِ خداوندی کے خلاف معلوم ہوتی ہیں وہ متشابہات ہیں۔ اسی طرح اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وغیرہ وہ آیات جو بظاہر شانِ مصطفوی کے خلاف ہیں متشابہات ہیں لہٰذا ان کے ظاہر سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

ساتویں اس طرح کہ روزۂ وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ تم میں ہم جیسا کون ہے؟ بیٹھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا لٰکِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ لیکن ہم تمہاری طرح نہیں۔ صحابہ کرام نے بہت موقعوں پر فرمایا اَیُّنَا مِثْلُہٗ ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کون ہے؟ احادیث تو فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں۔ ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے۔ وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

آٹھویں اس طرح کہ تفسیر روح البیان سورۂ مریم میں کٓھٰیٰعٓصٓ کے ماتحت ہے کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری، صورت حقی، صورت ملکی۔ بشریت کا ذکر اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ۔ حقی کا ذکر ہوا مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ جس نے ہم کو دیکھا حق دیکھا۔ صورت ملکی کا ذکر فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سدرہ پہنچکر طاقت جبریلی ختم ہو گئی مگر حضور

علیہ السلام کی بشری طاقت کی ابھی ابتداء نہ تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں یہ تو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو، نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف۔ اسی طرح ہیں عبد اللہ ہوں نہ اللہ ہوں نہ ابن اللہ۔ عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہدیا۔ تم ہمارے صدہا معجزات دیکھ کر یہ نہ کہدینا بلکہ کہنا عبد اللہ ورسولہٗ۔

تفسیر کبیر شروع پارہ ۱۲ زیر آیت فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا قصہ نوح میں ہے کہ نبی بشر اس لئے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ اُن کے معجزات کو اُن کی ملکی طاقت پر محمول کر لیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے۔ غرضکہ انبیاء کی بشریت اُن کا کمال ہے لہٰذا آیت کا مقصود یہ ہوا کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں۔ تم تو دکھا دو۔

دسویں اس طرح کہ بہت سے الفاظ وہ ہیں جو پیغمبر اپنے لئے استعمال فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے۔ مگر دوسرا کوئی اُن کی شان میں یہ کہے تو گستاخی ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام نے عرض کیا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ یونس علیہ السلام نے رب سے عرض کیا اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ لیکن کوئی اور اگر ان حضرات کو ظالم یا ضال کہے۔ تو ایمان سے خارج ہو گا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

(۲) حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ تم اپنے بھائی (ہمارا) احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمارے بھائی ہیں مگر بڑے بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔

(۳) قرآن فرماتا ہے وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا۔ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا۔ ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدین، ثمود اور عاد کا بھائی فرمایا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء اُمتیوں کے بھائی ہوتے ہیں۔

جواب۔ حضور علیہ السلام نے اپنے کرم کریمانہ سے بطور تواضع وانکسار فرمایا اَخَاكُمْ۔ اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہکر پکارے۔ اسی طرح رب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب وصالح وھود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے۔ یہ بتانے کے

لئے اَخَاھُمْ فرمایا۔ یہ کہاں فرمایا ہے کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی تھی ؟ + اور ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام کو برابری کے القاب سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابر کا کلمہ ہے۔ باپ بھی گوارا نہیں کرتا کہ اُس کا بیٹا اُس کو بھائی کہے ۔

(۴) قرآن کہتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام بھی مومن ہیں لہٰذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے۔ تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا جاوے ۔

جواب۔ پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو۔ کیونکہ وہ بھی مومن ہے۔ قرآن میں ہے اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ لہٰذا خدا بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ + نیز بھائی کی بیوی بھابی ہوتی ہے اور اس سے نکاح حلال اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے (قرآن کریم) لہٰذا نبی ہمارے لئے مثل والد ہوئے۔ والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی + جناب ہم تو مومن ہیں اور حضور علیہ السلام عین ایمان + قصیدہ بردہ شریف میں ہے فَالصِّدْقُ فِي الْغَارِ وَالصِّدِّيْقُ لَمْ يَرِمَا یعنی غار ثور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے + حضور علیہ السلام اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت مومن میں۔ ہم اور طرح۔ اس کی تفصیل ہم جواب نمبر ۱ میں بیان کر چکے ہیں ۔

(۵) حضور علیہ السلام اولاد آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور زندگی گذارتے ہیں بیمار ہوتے ہیں۔ موت آتی ہے۔ اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے اُن کو بشر یا اپنا بھائی کیوں نہ کہا جاوے

جواب۔ اس کا فیصلہ مثنوی میں خوب فرمادیا ہے ؎

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ۔ ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ ۔ ہست فرقے درمیاں بے انتہا
ہر دو یک گل خورد زنبور و نحل ۔ زاں یکے شد نیش زاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب ۔ زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب
ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا ۔ واں خورد گردد ہمہ نور خدا

کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں وابستہ ہیں۔ انہوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے + بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے

زہر اور اس سے شہد بنتا ہے + دونوں ہرن ایک ہی دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں۔ اور ایک سے پاخانہ دوسرے سے مشک بنتا ہے + یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے نبی کے کھانے سے نورِ خدا ہوتا ہے یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب اور قرآن یکساں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک کاغذ پر ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حروف تہجی سے دونوں بنیں۔ ایک ہی پریس میں چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھی۔ ایک ہی الماری میں رکھی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے؟ مگر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہیگا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہو گئی۔ تو ہم صاحبِ قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ ان کو معراج ہوئی۔ ان کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام انبیاء و اولیاء ان کے خدام بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف بادشاہ تو کیا ملائکہ کو بھی نہ ملے ؎

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَّا كَالْبَشَرِ ❊ يَاقُوْتٌ حَجَرٌ لَّا كَالْحَجَرِ

حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں ❊ یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہیے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر تم کلمہ میں عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کیوں کہتے ہو؟

جواب۔ یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہ نیت اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطورِ تعظیم فرمایا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اور اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا لہٰذا یہ الفاظ تعظیماً کہنا جائز اور بشر کہنا حرام ہے جیسے رَاعِنَا اور اُنْظُرْنَا ہم معنیٰ ہیں۔ مگر رَاعِنَا کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے ❊

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا ؎

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ❊ او سراپا انتظار او منتظر

حضور کی عبدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے اور رب کی عظمت سے ہماری عبدیت چمکی۔ وزیر بھی شاہی خادم ہے اور سپاہی بھی۔ مگر وزیر سے بادشاہ کی شان کا ظہور اور شاہی نوکری سے سپاہی کی عزت

(۶) شمائل ترمذی میں حضرت صدیقہ کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ حضور علیہ السلام بشروں میں سے ایک بشر تھے + اسی طرح جب حضور علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمانا چاہا۔ تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں آپ کا بھائی ہوں۔ کیا میری دختر آپ کو

حلال ہے. دیکھو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور علیہ السلام کا بھائی بتایا +

جواب. بشر یا بھائی کہکر پکارنا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے. عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے اور احکام ہیں. حضرت صدیقہ یا صدیق رضی اللہ عنہما عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشر نہ کہتے تھے. یہاں ضرورۃً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے. صدیقۃ الکبریٰ تو یہ فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گذری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے. اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے. کیا اس خطاب پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری اولاد حضور کو حلال ہو گی یا نہیں؟ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں + حضرت خلیل نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ کو فرما دیا هٰذَا اُخْتِیْ یہ میری بہن ہیں حالانکہ وہ آپ کی بیوی تھیں. اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت سارہ اب آپ کو بھائی کہکر پکارتیں +

ہم اُن حضرات کا عام محاورہ دکھاتے ہیں. سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام رشتہ میں صدیقہ کے زوج اور سیدنا علی کے بھائی حضرت عباس کے بھائی کی اولاد ہیں. مگر یہ حضرات جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج نے فرمایا، یا حضرت عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی نے یہ فرمایا. سب یہ ہی فرماتے ہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہتے. تو ہم کمینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ بھائی کہیں؟ ؎

نسبتِ خود بسگت کردم وبس منفعلم + زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی ست

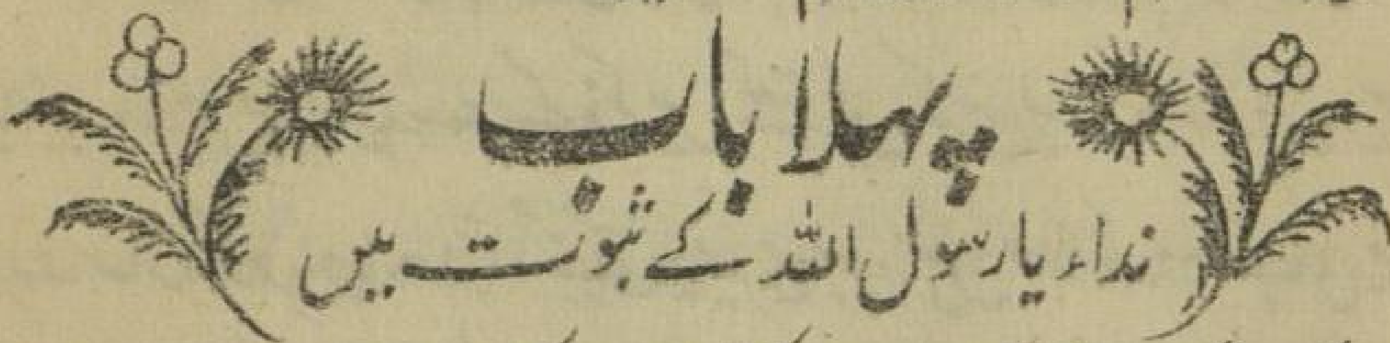
ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب + ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

جناب شروع اسلام میں تو یہ حکم تھا کہ جو حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے وہ پہلے کچھ صدقہ دے دے بعد میں عرض کرے + قرآن فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ط یعنی اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ دے لو + سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کئے (تفسیر خازن یہ ہی آیت) + پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا. مگر محبوب علیہ

السلام کی عظمتِ شان کا تو پتہ لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہمکلام ہو۔ تو صرف وضو کرو۔ لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کرو۔ پھر بھائی کہنا کہاں رہا؟

بحث ندا یارسول اللہ یا نعرۂ یارسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دُور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ اُن کی ظاہری زندگی پاک میں بھی اور بعد وفات شریف بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یارسول اللہ یا ایک جماعت مل کر نعرۂ رسالت لگائے۔ یارسول اللہ ہر طرح جائز ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔



پہلا باب

ندا یارسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو ندا کرنا قرآن کریم فعل ملائکہ فعل صحابہ کرام اور عمل اُمت سے ثابت ہے قرآن کریم نے بہت مقامات میں حضور علیہ السلام کو ندا فرمائی یَاَیُّهَا النَّبِیُّ: یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ: یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ وغیرہ ان تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے۔ ہاں دیگر انبیاء کرام کو اُن کے نام سے پکارا یا موسیٰ یا عیسیٰ یا یحییٰ یا ابراہیم یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پیارے پیارے القاب سے نداء فرمائی ؎

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب ۔ یَاَیُّهَا النَّبِیُّ خطابِ محمدؐ است

بلکہ قرآن نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کو پکارو مگر اچھے القاب سے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا اس میں حضور علیہ السلام کو پکارنے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ اوروں کی طرح نہ پکارو۔ قرآن نے فرمایا اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ اُن کو اُن کے باپ کی طرف نسبت کرکے پکارو۔ اس آیت میں اجازت ہے کہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارو مگر اُن کو ابنِ حارثہ کہو ابن رسول اللہ نہ کہو۔ اسی طرح کفار کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مددگاروں کو اپنی امداد کے لئے بلالیں وَادْعُوْا شُهَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا یا محمد اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ

نداء پائی گئی + مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے۔ کہ بوقتِ وفات ملک الموت نے عرض کیا یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰہَ اَرْسَلَنِیْ اِلَیْکَ نداء پائی گئی + ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجہ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے۔ ان کو یہ دعا ارشاد ہوئی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتَقْضِیَ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔ قَالَ اَبُوْ اِسْحٰقَ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف حضور علیہ السلام نبی الرحمتہ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تاکہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ میرے لئے حضور کی شفاعت قبول فرما ابو اسحاق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ دعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے۔ اس میں نداء بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے +

عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے ثُمَّ یَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں + پھر فرماتے ہیں وَیَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فِی الْغَارِ پھر فرماتے ہیں فَیَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُظْھِرَ الْاِسْلَامِ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُکَسِّرَ الْاَصْنَامِ یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام ہو اے رسول اللہ کے سچے جانشین۔ آپ پر سلام ہو اے رسول اللہ کے غار کے ساتھی + اور حضرت فاروق کو یوں سلام کرے آپ پر سلام ہو اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو اے اسلام کو چمکانے والے آپ پر سلام ہو اے بتوں کے توڑنے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہما + اس میں حضور علیہ السلام کو بھی نداء ہے۔ اور حضور کے پہلو میں آرام فرمانے والے حضرت صدیق و فاروق کو بھی + اکابر امت اولیاء ملت مشائخ و بزرگان دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یارسول اللہ کہتے ہیں۔ قصیدہ بردہ میں ہے ؎

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ ؛ سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے بہترین مخلوق آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں ؎

یَا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اَدْرِکْ لِزَیْنِ الْعَابِدِیْنَ ؛ مَحْبُوْسِ اَیْدِی الظّٰلِمِیْنَ فِیْ مَوْکَبِ الْمُزْدَحِمِ

اے رحمۃ للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو ٭ وہ اس اژدہام میں ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

زمہجوری برآمد جانِ عالم ٭ ترحم یا نبی اللہ ترحم

نہ آخر رحمۃٌ للعالمینی ٭ زمحروماں چرا فارغ نشینی

جدائی سے عالم کی جان نکل رہی ہے ٭ یا نبی رحم فرماؤ رحم فرماؤ ٭ کیا آخر آپ رحمۃٌ للعالمین نہیں ہیں؟ ٭ پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے ٭

حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں ؎

یَا سَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُکَ قَاصِدًا ٭ اَرْجُوْ رِضَاکَ وَاَحْتَمِیْ بِحِمَاکَ

اپنے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے رضا کا امیدوار ہوں. اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں ٭ اِن اشعار میں حضور کو نداء بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے استعانت بھی اور یہ نداء دُور سے بعد وفات شریف ہے ٭ تمام مسلمان نمازمیں کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یہاں حضور علیہ السلام کو پکارنا واجب ہے. التحیات کے متعلق ہم شامی اور اشعۃ اللمعات کی عبارتیں حاضر و ناظر کی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو. یہ گفتگو تھی تنہا تنہا یارسول اللہ کہنے کی. اگر بہت لوگ مل کر نعرۂ رسالت لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ جب ہر شخص کو یارسول اللہ کہنا جائز ہوا تو ایک ساتھ مل کر بھی کہنا جائز ہے. چند مباح چیزوں کو ملانے سے مجموعہ مباح ہی ہوگا جیسے بریانی حلال ہے. اس لئے کہ حلال چیزوں کا مجموعہ ہے. نیز اس کا ثبوت صراحۃً بھی ہے ٭

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث الہجرۃ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک داخل ہوئے فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُیُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِی الطُّرُقِ یُنَادُوْنَ یَا مُحَمَّدُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَا مُحَمَّدُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے تھے یا محمد یارسول اللہ یا محمد یارسول اللہ ٭

اس حدیث مسلم سے نعرۂ رسالت کا صراحۃً ثبوت ہوا اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام نعرہ لگایا کرتے تھے. اسی حدیث ہجرۃ میں ہے کہ صحابہ کرام نے جلوس بھی نکالا ہے اور جب بھی حضور علیہ السلام سفر سے

واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہلِ مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے اور جلوس نکالتے (دیکھو مشکوٰۃ وبخاری وغیرہ) + جلسہ کے معنی ہیں بیٹھک یا نشست، جلوس اس کی جمع ہے۔ جیسے جلدہ کی جمع جلود۔ بمعنی کوڑہ۔ نماز ذکر الٰہی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے۔ اور حج ذکر کا جلوس کہ اس میں پھر گھوم کر ذکر ہوتا ہے۔ قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت سکینہ کو ملائکہ بشکلِ جلوس لائے۔ بوقتِ ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں نے حضور کا جلوس کا نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا بھی باعثِ ثواب ہے۔ لہٰذا یہ جلوس اُس کی اصل کی نقل ہے اور باعثِ ثواب ہے ؛

دوسرا باب

نداءِ یارسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

قرآن کریم فرماتا ہے وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ اللہ کے سوا اُن کو نہ پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہ پہنچا سکیں + معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا منع ہے + وَيَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ خدا کے سوا اُن کو پکارتے ہیں جو اُن کے لئے نافع و مضر نہیں۔ ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے +

جواب - ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دعا ہے۔ اس سے مراد بلانا نہیں۔ بلکہ پوجنا ہے (دیکھو جلالین اور دیگر تفاسیر) معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیات اِس معنی کی تائید کرتی ہیں۔ رب فرماتا ہے وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔ کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے۔ اگر اِن آیات کے یہ معنے نہ کئے جاویں۔ تو ہم نے جو آیات و احادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کئے جن میں غیر خدا کو پکارا گیا ہے سب شرک ہوگا۔ پھر زندہ کو پکارو یا مُردہ کو، سامنے والے کو پکارو یا دُور والے کو، سب ہی شرک ہوگا۔ روزانہ ہم لوگ بھائی بہن دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عالم میں کوئی بھی شرک سے نہ بچا نیز شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آواز دینا پکارنا اس میں کونسی صفت الٰہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا ؟

(۲) فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جپنا شرک ہے۔ صرف خدا ہی کا ذکر چاہیئے ؛

جواب۔ اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا نادانی ہے۔ آیت تو یہ فرما رہی ہے۔ کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ تو ہر حال میں ہر طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہیں یعنی نماز میں تو پابندی تھی۔ کہ بغیر وضو نہ ہو، سجدہ رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم نہ ہو بلا عذر بیٹھ کر یا لیٹ کر نہ ہو۔ مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندیاں اُٹھ گئیں۔ اب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ امر فَاذْکُرُوا اللّٰہَ وجوب کے لئے نہیں۔ صرف جواز کیلئے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کرو خواہ غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو۔ ہر بات کی اجازت ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کیلئے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نقیض نہیں۔ تاکہ ذکر اللہ کے واجب ہونے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی نقیض عدم ذکر اللہ ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نقیض ذکر غیر اللہ مان بھی لی جاوے تب بھی ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض زیادہ سے زیادہ حرام ہو گی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا فرض ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ عدم فعل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرماں برداری کی۔ جب کلمہ نماز حج درود خطبہ اذان غرض کہ ہماری عبادات میں حضور علیہ السلام کا ذکر داخل۔ اور ضروری ہے تو نماز سے خارج ان کا ذکر اٹھتے بیٹھے کیوں حرام ہوگا۔ جو شخص ہر حال میں اُٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں اس طرح کہ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ اور سورہ منافقون اور وہ آیات جن میں کفار یا بُتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں۔ ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی آیات ہیں ہر کلمہ پر ثواب ہے اگرچہ اگر ان آیات میں مذکور کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام الٰہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہوا ہے۔ مگر رحمت الٰہی یا نور الٰہی محمد رسول اللہ کا ذکر ذکر اللہ نہ ہو۔ یہ کیا انصاف ہے، قرآن میں ہے قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے کہا قَالَ پڑھنے پر تیس ۳۰ ثواب اور لفظ فِرْعَوْنُ پڑھنے پر پچاس ثواب۔ کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں۔ تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نیکیاں ملیں۔ اور محمد رسول اللہ کا نام لیا۔ تو مشرک ہو گیا۔ یہ کیا عقل ہے، ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے۔ اور اُن کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اسی طرح حضرت آدم فراق حضرت حوّا میں، حضرت زین العابدین فراق امام حسین

میں اٹھتے بیٹھتے اُن کے نام جپا کرتے تھے اور بزبانِ حال یہ کہتے تھے ؎

حالِ من در ہجرِ دالد کمتر از یعقوب نیست ٭ او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

بتاؤ ان پر یہ حکم شرک جاری ہوگا یا نہیں۔ اگر نہیں تو آج جو عاشق ہر حال میں اپنے نبی کی یاد کرے وہ کیوں مشرک ہوگا؟ ایک تاجر دن رات تجارت کا ذکر کرتا ہے۔ طالب علم دن رات ہر حال میں سبق یاد کرتا ہے وہ بھی غیر خدا کا نام جپ رہا ہے وہ کیوں مشرک نہیں؟

نوٹ :۔ دینا نگر پنجاب میں ہمارا اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ نداء یا رسول اللہ پر مناظرہ ہوا۔ ثناء اللہ صاحب نے یہی آیت پیش کی، ہم نے صرف تین سوال کئے۔ ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنے میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض حرام ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی نقیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے اِن سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے۔ دونوں علم بدعت ہیں یعنی جاہل رہنا سنت ہے۔ پھر اُن سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کر دو جس سے محفل میلاد تو حرام رہے اور اخبار اہلحدیث نکالنا سنت ہو؟ یہ سوالات اب تک اُن پر قائم ہیں ابھی وہ زندہ ہیں۔ کوئی صاحب اُن سے جوابات دلوادیں ہم مشکور ہونگے۔ افسوس کہ ثناء اللہ صاحب تو بغیر جواب دیئے دنیا سے چلے گئے۔ کاش کوئی اُن کے معتقد صاحب جواب دے کر اُن کی روح کو خوش کریں ٭

(۳) بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ سکھایا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى يَعْنِيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ ٭ عینی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں فَظَاهِرُهَا اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ بِكَافِ الْخِطَابِ فِيْ حَيَاةِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا مَاتَ تَرَكُوا الْخِطَابَ وَذَكَرُوْهُ بِلَفْظِ الْغَيْبَةِ فَصَارُوْا يَقُوْلُوْنَ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں السلام علیک کاف خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا اور کہنے لگے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ ٭

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہوا کہ التحیات میں السلام علیک کہنا زندگی پاک مصطفےٰ علیہ السلام میں تھا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی نداء کو چھوڑ دیا گیا. تو جب صحابہ کرام نے التحیات میں سے نداء کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے خارج میں یارسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی مشرک ہے. جواب. بخاری اور عینی کی یہ عبارات تو آپ کے بھی خلاف ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے التحیات کے بدلنے کا حکم نہ دیا. امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی التحیات اختیار فرمائیں. مگر دونوں التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ ہے. غیر مقلد بھی خواہ ثنائی ہوں یا غزنوی یہ ہی خطاب والی التحیات پڑھتے ہیں. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے التحیات کو بدلا. اور حدیث مرفوع کے مقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں + اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لئے تبدیل نہ کیا کہ نداءِ غیب حرام ہے ورنہ زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی التحیات نہ پڑھتے. آخر یمن، خیبر، مکہ مکرمہ، نجد عراق تمام جگہ نماز ہوتی تھی. تو اس میں وہ ہی التحیات پڑھی جاتی تھی، نداء غیب برابر ہوتی تھی. کیونکہ حضور علیہ السلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور نداء والی التحیات ہر جگہ پڑھی جا رہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شبہ کیا + حضور علیہ السلام نے التحیات سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ التحیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات شریف کے بعد دوسری پڑھنا + فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب العقائد صفحہ ۱۷ میں ہے "لہٰذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں. ورنہ خود علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا. بہرحال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے. اصل تعلیم اسی طرح ہے" + خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بعض صحابہ کا یہ فعل حجت نہیں ورنہ لازم آویگا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا. اور منع نہ فرمایا گیا. بعد میں بھی بعض نے بدلا نہ کہ کل نے. بلکہ مرقات باب التشہد آخر فصل میں ہے.

وَاَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كُنَّا نَقُوْلُ الخ فَهُوَ رِوَايَةُ اَبِىْ عَوَانَةَ وَرِوَايَةُ الْبُخَارِىِّ اَصَحُّ فِيْهَا بَيَّنَتْ اَنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ بَلْ مِنْ فَهْمِ الرَّاوِىْ عَنْهُ وَلَفْظُهَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا سَلَامٌ يَعْنِىْ عَلَى النَّبِىِّ فَقَوْلُهٗ قُلْنَا سَلَامٌ يَحْتَمِلُ اَنَّهٗ اَرَادَ بِهٖ اِسْتَمْرَرْنَا عَلٰى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِىْ حَيَاتِهٖ. اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے التحیات ہرگز نہ بدلی یہ صرف راوی کی فہم ہے نہ کہ

اصل واقعہ (۴) بعض وہابی کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دُور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دُور کی آواز سُننا تو خدا ہی کی صفت ہے۔ غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یارسول اللہ یا غوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو نداء دیا کرتے ہیں "سُن اے بادِ صبا" وغیرہ کہ وہاں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوا سُنتی ہے۔ آج کل عام وہابی یہ ہی عذر پیش کرتے ہیں (فتاوی رشیدیہ وغیرہ) میں بھی اسی پر زور دیا ہے ٭

جواب۔ دُور سے آواز سُننا ہرگز خدا کی صفت نہیں کیونکہ دُور سے آواز تو وہ سُنے جو پکارنے والے سے دُور ہو۔ رب تعالیٰ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ خود فرماتا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ہم تو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو فرمادو کہ ہم قریب ہیں نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۔ ہم اس بیمار سے بمقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔ لہٰذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سنتا ہے ہر آواز اُس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے + اور اگر مان لیا جاوے کہ دُور کی آواز سُننا اُس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سُننا بھی تو اُس کی صفت ہے لہٰذا چاہیئے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہو جاؤ گے سب کو بہرا جانو + نیز جس طرح دُور کی آواز سُننا خدا کی صفت ہے۔ اسی طرح دور کی چیز دیکھنا، دُور کی خوشبو پالینا بھی تو صفت الٰہی ہے۔ اور ہم علم غیب اور حاضر و ناظر کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے دُور و نزدیک یکساں ہیں۔ جب ان کی نظر دور و قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر اُن کے کان دور و قریب کی آواز سن لیں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ وصف اُن کو بہ عطاء الٰہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دُور کی آواز انبیاء و اولیاء سُنتے ہیں ٭

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو پالی اور فرمایا اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو مقام نہاوند میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت ساریہ نے وہ آواز سن لی (دیکھو مشکوٰۃ باب الکرامات فصل ثالث) حضرت فاروق کی آنکھ نے دُور سے دیکھا حضرت ساریہ کے کان نے دُور سے سُنا + تفسیر روح البیان و جلالین و مدارک وغیرہ تفاسیر میں زیر آیت وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ

ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام روحوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں سب نے وہ آواز سن لی جس نے لبیک کہدیا وہ ضرور حج کرے گا۔ اور جو روح خاموش رہی وہ کبھی حج نہیں کرسکتی۔ کہئے یہاں تو دور کے علاوہ پیدائش سے پہلے سب نے حضرت خلیل کی آواز سن لی یہ شرک ہوا یا نہیں ؟ اسی طرح حضرت خلیل نے بارگاہ رب جلیل میں عرض کیا۔ کہ مولے مجھے دکھادے۔ کہ تو مردے کس طرح زندہ فرمائے گا۔ تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ذبح کرکے ان کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا تم انہیں پکارو دوڑتے ہوئے آئیں گے + دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ دوڑے۔ تو کیا اولیاء اللہ ان جانوروں سے بھی کم ہیں ؟ + آج ایک شخص لنڈن میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آلہ کے ذریعے میری بات سنتا ہے۔ یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں ؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوت نبوت ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے۔ تو حضرات انبیاء اس قوت خداداد سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ پھر پکارے یارسول اللہ الغیاث تو کیوں شرک ہوا ؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چیونٹی کی آواز دور سے سنی۔ وہ کہتی ہے يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ پارہ ۱۹ سورۂ نمل + اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں + تفسیر روح البیان وغیرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تین میل سے چیونٹی کی یہ آواز سنی + خیال تو کرو کہ چیونٹی کی آواز اور تین میل کا فاصلہ۔ کہئے یہ شرک ہوا یا کہ نہیں ؟ + مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتا ہے اور زائرین کو دیکھتا اور پہچانتا ہے۔ اسی لئے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہیئے۔ اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آہستہ آواز کو سنتا کس قدر دور کی آواز سنتا ہے۔ کہو شرک ہوا یا کہ نہیں ؟ + ہم بحث علم غیب اولیاء اللہ میں مشکوٰۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کرچکے ہیں۔ کہ اللہ کا ولی خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنی قوت عطا فرمادے۔ وہ اگر دور سے سن لے تو کیوں شرک ہے ؟ مخالفین کے معتمد اور معتبر عالم مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی فتاویٰ عبد الحی کتاب العقائد صفحہ ۴۳ میں اس سوال کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ کُمْ بِلَدٍ وَكُمْ يَوْلَ حضور علیہ السلام

کی شان ہے اور قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ حضور علیہ السلام کی صفت ہے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔
حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا جبکہ آپ چہل روزہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مادر مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت سے مجھ کو رونا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا حضرت عباس نے عرض کیا کہ اُن دنوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے۔ یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سُنتا تھا حالانکہ شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے۔ اور میں اُن کی تسبیح کی آواز سُنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا + اِس روایت سے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام والد ماجدہ کے شکم میں ہی عرش و فرش کی تمام آوازیں سنتے تھے + حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر سے لڑے تو جنت سے حُور پکار کر اُسے ملامت کرتی ہے۔ معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جنگ کو حُور اتنی دُور سے دیکھتی اور سُنتی ہے اور پھر اُسے علمِ غیب بھی ہے۔ کہ اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا۔ دُوربین سے دُور کی چیزیں دیکھتے ہیں ریڈیو و ٹیلیفون سے دُور کی آواز سُنتے ہیں۔ تو کیا نورِ نبوت وولایت کی طاقت بجلی کی طاقت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ السلام نے جنت میں حضرت بلال کے قدم کی آہٹ سُنی۔ حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی اور اپنے گھر ہی میں تھے۔ یہاں نماز تہجد کے لئے چل پھر رہے ہونگے۔ وہاں آہٹ سُنی جا رہی تھی۔ اور اگر حضرت بلال بھی بجسمِ مثالی جنت میں پہنچے تو حاضر وناظر کا ثبوت ہوا +

اِن سب باتوں کے متعلق مخالف یہ ہی کہے گا کہ وہ تو خدا نے سُنایا تو اِن حضرات نے سُن لیا ہیں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو خدا دُور کی آوازیں سُناتا ہے تو یہ سُنتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی۔ اُن کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادث۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں۔ ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں۔ خدا کا سُننا بغیر کان وغیرہ عضو کے۔ ان کا سُننا کان سے۔ اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ اس نداء کے متعلق اور بہت کچھ کہا جاسکتا ہے مگر اسی قدر پر ہی کفایت ہے +

بحث اولیاء اللہ وانبیاء سے مدد مانگنا

اولیاء اللہ اور انبیائے کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب

تعالیٰ ہی کی ہے۔ یہ حضرات اس کے مظہر ہیں۔ اور مسلمان کا یہی عقیدہ ہوتا ہے۔ کوئی جاہل بھی کسی ولی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اِس بحث میں دو باب ہیں ؂

پہلا باب
غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیثِ صحیحہ اور اقوالِ فقہاء و محدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے۔ ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں + قرآن کریم فرماتا ہے وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمائتیوں کو بلالو + اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورۃ بنا کر لے آؤ اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمائتیوں کو بلالو۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی + قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ کہا مسیح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کرینگے اللہ کے دین کی۔ اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کرکے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے؟ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر نیک کاموں کے اور تقویٰ کے اور نہ مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر گناہ اور زیادتی کے + اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ اگر مدد کروگے تم اللہ کے دین کی مدد کرے گا وہ تمہاری + اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی + رب تعالیٰ نے یثاق کے دن ارواحِ انبیاء سے حضور علیہ السلام کے بارے میں عہد لیا۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ ولتنصرنه کہ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا + معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد کا یثاق کے دن سے حکم ہے + وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ مدد طلب کرو ساتھ صبر اور نماز کے + اِس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو + اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں + فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ مدد کرو میری ساتھ قوت کے + اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذو القرنین نے دیوار آہنی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی + رب تعالیٰ فرماتا ہے اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ اے نبی رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی + فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اے

نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں + فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔ فرماتا ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ یعنی اے مسلمانو تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں + فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ + دوسری جگہ فرماتا ہے نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ط معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے۔ مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا۔ تو عرض کیا وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ خدایا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کر دے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کر دے۔ رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کا سہارا کیوں لیا؟ میں کافی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمالی + معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا بننا سُنّتِ انبیاء ہے +

مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ میں ربیعہ ابن کعب اسلمی سے بروایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوَغَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ کچھ مانگ لو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور مانگنا ہے۔ میں نے کہا صرف یہ ہی۔ فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو +

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے۔ بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے کچھ اور بھی مانگو + یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام بھی فرماتے ہیں اَعِنِّيْ اے ربیعہ تم بھی اس کام میں میری اتنی مدد کرو کہ زیادہ نوافل پڑھا کرو۔ یہ بھی غیر اللہ سے طلب مدد ہے + اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے "واز اطلاق سوال کہ فرمود سَلْ وتخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد"

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا ۞ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری ۞ بدرگاہش بیاد ہرچہ می خواہی تمنا کن

سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کہ کچھ مانگ لو۔ کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دے دیں کیونکہ دنیا و آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیا و آخرت کی خیر چاہتے ہو تو اُن کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو ۞

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بُت رہے اور تین سو سال تک رہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کعبہ پاک ہوا۔ رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر کعبہ بغیر میرے محبوب کے مداوا کے پاک نہیں ہو سکتا تو تمہارا دل اُن کی نظرِ کرم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا ۞

نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے هُوَ الْجُوْدُ بِالْكَوْنَيْنِ وَالتَّوَجُّهُ اِلٰى خَالِقِهَا یعنی دونوں جہان اوروں کو بخش دینا اور خود خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ السلام کا خلق ہے اور ظاہر ہے دونوں جہان دوسروں کو وہ ہی بخشے گا جو خود اُن کا مالک ہوگا۔ ملکیت ثابت ہوئی ۞

شیخ عبد الحق کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ السلام سے مانگو۔ اولاد مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔ ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں

محمدؐ از تو مے خواہم خدا را ۞ خدایا از تو عشقِ مصطفیٰ را

یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں ، اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں

حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا: اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرکے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی اُن کے لئے دعائے مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پا لیتے۔ مگر کس شان میں تَوَّابًا رَّحِيْمًا توبہ قبول فرمانے والا مہربان یعنی آپ کے پاس آنے سے اُن کو خدا مل جاتا۔

ع اللہ کو بھی پایا مولیٰ تری گلی میں

اشعۃ اللمعات کی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت فرمایا ہے کہ فَيُعْطِيْ لِمَنْ

شاءَ مَاشَاءَ حضور علیہ السلام جس کو جو چاہیں دے دیں + تفسیر کبیر جلد سوم پارہ ۷ سورۂ انعام زیر آیت وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ہے وَثَالِثُهَا الْاَنْبِيَاءُ وَهُمُ الَّذِيْنَ اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْعُلُوْمِ وَالْمَعَارِفِ مَا لِاَجْلِهٖ يَقْدِرُوْنَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِيْ بَوَاطِنِ الْخَلْقِ وَاَرْوَاحِهِمْ وَاَيْضًا اَعْطَاهُمْ مِنَ الْقُدْرَةِ وَالْمُكْنَةِ مَا لِاَجْلِهٖ يَقْدِرُوْنَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِيْ ظَوَاهِرِ الْخَلْقِ تیسرے ان میں انبیاء ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت وقوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں "

اسی تفسیر کبیر پارہ الٓمٓ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ کی تفسیر میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں پھنس جائے تو کہے اَعِيْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے + تفسیر روح البیان سورۂ مائدہ پارہ ۶ زیر آیت وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا کہ شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں کہ مجھ کو رب نے قدرت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرا دوں۔ اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم اصلاح کی دعا کرتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

اولیا را ہست قدرت از الٰہ ؞ تیر جستہ باز گرداند ز راہ

اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے ، کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کر لیں

اشعۃ اللمعات شرح باب زیارت القبور میں ہے "امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ مے شود بوے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہاء ایشاں در حیات خود یا بیشتر۔ قومے مے گویند کہ امداد حی قوی تر است و من مے گویم کہ امداد میت قوی تر و اولیاء را تصرف در اکوان حاصل است و آں نیست مگر ارواح ایشاں را و ارواح باقی است" امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہ ہی عملدر آمد کرتے ہیں جو کہ زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی۔ اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر ان کی

روحوں کو ارواح باقی ہیں + حاشیہ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے وَاَمَّا الِاسْتِمْدَادُ بِاَهْلِ الْقُبُوْرِ فِیْ غَیْرِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَوِ الْاَنْبِیَاءِ فَقَدْ اَنْكَرَهٗ كَثِیْرٌ مِّنَ الْفُقَهَاءِ وَاَثْبَتَهُ الْمَشَائِخُ الصُّوْفِیَّةُ وَبَعْضُ الْفُقَهَاءِ: قَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ قَبْرُ مُوْسَی الْكَاظِمِ تِرْیَاقٌ مُجَرَّبٌ لِاِجَابَةِ الدُّعَاءِ وَقَالَ الْاِمَامُ الْغَزَالِیُّ مَنْ یُّسْتَمَدُّ فِیْ حَیَاتِهٖ یُسْتَمَدُّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہلِ قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اس کو ثابت کیا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کے لئے آزمودہ تریاق ہے اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جا سکتی ہے اس سے بعدِ وفات بھی مدد مانگی جا سکتی ہے + اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے میں اختلاف ہے علمائے ظاہر بین نے انکار کیا صوفیاء کرام اور فقہاء اہلِ کشف نے جائز فرمایا +

حصین حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے وَاِنْ اَرَادَ عَوْنًا فَلْیَقُلْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ جب مدد لینا چاہے تو کہے کہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو +

اس کی شرح الحرز الثمین میں مُلّا علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ اَحَدِكُمْ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْیُنَادِ یَا عِبَادَ اللّٰهِ احْبِسُوْا یعنی جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دے کہ اے اللہ کے بندو اسے روک دو + عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں اَلْمُرَادُ بِهِمْ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَوِ الْمُسْلِمُوْنَ مِنَ الْجِنِّ اَوْ رِجَالُ الْغَیْبِ الْمُسَمُّوْنَ بِاَبْدَالٍ یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال الغیب یعنی ابدال مراد ہیں + پھر فرماتے ہیں هٰذا حدیث حسن یحتاج الیه المسافرون و انّه مجرّب یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے +

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں "باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد باشد و او را عونِ الٰہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانبِ حق است و او را یکے از مظاہر عونِ الٰہی دانستہ و بکارخانہ اسبابی و حکمتِ او تعالیٰ در آں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز و رواست و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کردہ اند

ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر" سمجھنا چاہیئے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اور اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانۂ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں بھی جائز ہے اور اس کو انبیاء و اولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مانگنا نہیں ہے بلکہ اس کی مدد ہے + تفسیر عزیزی سورۂ بقر صفحہ ۴۶۰ میں شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں" افعال عادی الٰہی رامثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفاء مریض و امثال ذالک رامشرکان نسبت بہ ارواح خبیثہ اصنام می نمایند کافر می شوند و حداں از تاثیر الٰہی یا خواص مخلوقات اومی دانند از ادویہ وعقاقیر یا دعائے صلحاء بندگان او کہ ہمہ از جناب او درخواستہ انجاح مطلب می کنانند می فہمند و در ایمان ایشاں خلل نمی افتد" اللہ کے کام جیسے لڑکا دینا رزق بڑھانا بیمار کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو مشرکین خبیث روحوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو حکم الٰہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا عقاقیر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔

بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابوالعباس احمد زرونی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں

اَنَا لِمُرِیْدِیْ جَامِعٌ لِشَتَاتِہٖ ٭ اِذَا مَا سَطٰی جَوْرُ الزَّمَانِ بِنَکْبَۃٖ

وَاِنْ کُنْتَ فِیْ ضِیْقٍ وَّکَرْبٍ وَّوَحْشَۃٍ ٭ فَنَادِ بِیَا زَرُّوْقُ اٰتِ بِسُرْعَۃٖ

میں اپنے مرید کی پراگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں اور اگر تو تنگی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار کہ اے زروق! میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورۂ یوسف زیر آیت فلبث فی السجن بضع سنین الاستعانۃ بالناس فی دفع الضرر والظلم جائزۃ اور خازن زیر آیت فانساہ الشیطٰن ہے الاستعانۃ بالمخلوق فی دفع الضرر جائز مصیبت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے + درمختار جلد سوم باب اللقطہ کے آخر میں گمی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کے لئے ایک عمل لکھا اِنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا ضَاعَ لَہٗ شَیْءٌ وَّاَرَادَ اَنْ یَّرُدَّہُ اللہُ عَلَیْہِ فَلْیَقِفْ عَلٰی مَکَانٍ عَالٍ مُّسْتَقْبِلَ

اَلْقِبْلَةَ وَيَقْرَءُ الْفَاتِحَةَ وَيَهْدِيْ ثَوَابَهَا لِلنَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يَهْدِيْ ثَوَابَهَا لِلسَّيِّدِيْ اَحْمَدَ اِبْنِ عَلْوَانِ يَقُوْلُ يَا سَيِّدِيْ يَا اَحْمَدُ ابْنُ عَلْوَانِ اِنْ لَمْ تَرُدَّ عَلَيَّ ضَالَّتِيْ وَاِلَّا نَزَعْتُكَ مِنْ دِيْوَانِ الْاَوْلِيَاءِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَرُدُّ ضَالَّتَهٗ بِبَرَكَتِهٖ جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے۔ پھر سیدی احمد ابن علوان کو، پھر یہ دعا پڑھے اے میرے آقا اے احمد اے ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال دوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اس کی گمی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا۔

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد بھی مانگی ان سے گمی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی۔ حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب در مختار نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں ؎

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى ✽ جُدْ لِيْ بِجُوْدِكَ وَاَرْضِنِيْ بِرِضَاكَ
اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ لَمْ يَكُنْ ✽ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْاَنَامِ سِوَاكَ

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمایئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں۔ آپ کے سواء ابو حنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔ قصیدہ بردہ میں ہے ؎ يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِيْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ ✽ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ کے سوا کوئی نہیں۔ جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت

اگر ہم ان علماء و فقہاء و مشائخ کا کلام جمع کریں جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔ صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبد القادر مصنفہ ملا علی قاری صفحہ ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا مَنِ اسْتَغَاثَ بِيْ فِيْ كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَمَنْ نَادَانِيْ بِاسْمِيْ فِيْ شِدَّةٍ فُرِّجَتْ

عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِيْ اِلَى اللّٰهِ فِيْ حَاجَةٍ قُضِيَتْ یعنی جو کوئی رنج وغم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج وغم دُور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ سختی دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اُس کی حاجت پوری ہوگی ؎

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے ہر رکعت میں ۱۱-۱۱ بار سورہٴ اخلاص پڑھے۔ سلام پھیر کر ۱۱ بار صلوٰۃ وسلام پڑھے۔ پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے۔ ہر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور یہ دو شعر پڑھے ؎

اَيُدْرِكُنِيْ ضَيْمٌ وَّاَنْتَ ذَخِيْرَتِيْ ؎ وَاُظْلَمُ فِي الدُّنْيَا وَاَنْتَ نَصِيْرِيْ

وَعَارٌ عَلٰى حَامِي الْحِمٰى وَهُوَ مُنْجِدِيْ ؎ اِذَا ضَاعَ فِي الْبَيْدَاءِ عِقَالُ بَعِيْرِيْ

یہ کہکر ملا علی قاری فرماتے ہیں وَقَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ مِرَارًا فَصَحَّ یعنی بارہا اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا درست نکلا۔ کہئے حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو۔ اور حنفیوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اُسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے ؎ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوال فقہاء و علماء و مشائخ سے ثبوت دیا۔ اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں ؎

مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا حاشیہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے۔ اُس میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے ماتحت فرماتے ہیں۔ "ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اُس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔" بس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہ ہی ہمارا دعویٰ ہے۔ اور کوئی مسلمان بھی کسی ولی یا نبی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند محض وسیلہ مانتا ہے ؎

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحہ صفحہ ۴۶ پر ایک سوال و جواب ہے:-

سوال۔ اشعار اس مضمون کے پڑھنے "یارسول کبریا فریاد ہے ؎ یا محمد مصطفےٰ فریاد ہے ؎ مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفےٰ ؎ میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے ؎ کیسے ہیں؟

الجواب۔ ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات

کو مطلع فرمادیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں + فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۵ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا ورد پڑھنا کیسا ہے ؟ ؎

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا ٭ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا

اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِ ھَمٍّ مُّغْرَقٌ ٭ خُذْ بِیَدِیْ سَھِّلْ لَنَا اَشْکَالَنَا

یا قصیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا ؎

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُبِہٖ ٭ سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمٖ

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا نثر ورد کرنا مکروہ تنزیہی ہیں کفر و فسق نہیں ٭

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کہا + قصائد قاسمی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں ؎

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ٭ نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی خدا کو بھی بھول گئے + ترجمہ صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۰۳ پر مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں" اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں" حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں ؎

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپکے ہاتھوں ٭ تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یارسول اللہ

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے۔ اَعِیْنُوْنِیْ یَاعِبَادَ اللّٰہِ یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں ہے بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے "

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنگلوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لئے رہتے ہیں کہ لوگوں کی مدد کریں۔ ان سے مدد مانگنا جائز ہے + مدعیٰ ہمارا بھی یہ ہی ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں۔ ہم اس کے متعلق بحث کچھ عرض کر چکے۔ اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کرینگے ٭

مولوی محمود حسن صاحب ادلہ کاملہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں "آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ القصہ آپ اصل میں مالک ہیں اور یہ ہی وجہ ہے کہ عدل و مہر آپ کے ذمہ واجب الاداء نہ تھا" صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صفحہ ۶۰ میں مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں "اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے شیخین پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ تفضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت و غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے۔ اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے۔

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب جلد ۴ کتاب العقائد والکلام صفحہ ۹۹ میں ہے "جو استعانت و استمداد باعتقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت" بس فیصلہ ہی فرما دیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر اس سے استمداد جائز ہے۔ اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے۔ یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحبیب کے عربی اشعار کا ترجمہ کیا۔ جس کا نام شم الطیب رکھا۔ جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی۔ اشعار حسب ذیل ہیں:۔

شم الطیب ترجمہ شیم الحبیب مصنفہ مولوی اشرف علی خاں صاحب تھانوی صفحہ ۱۲۵

یاشفیع العباد خذ بیدی ٭ انت فی الاضطرار معتمدی

دستگیری کیجئے میری نبی ٭ کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی

لیس لی ملجأ سواک اغث ٭ مسنی الضر سیدی سندی

جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ ٭ فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی

غَثَّنِی الدھر ابن عبد اللہ ؛ کن مغیثاً فانت لی مددی

ابن عبد اللہ زمانہ ہے خلاف ؛ اے مرے مولیٰ خبر لیجیے مری

نام احمد چوں صفات شد حصین ؛ پس چہ باشد ذات آں روح الامیں

نشر الطیب فی ذکر ابن الحبیب

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اُس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے حشر نشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے. مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے. اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی. نیز فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو. تو ہماری ملکیت میں بُتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو. غرضکہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے بلکہ سلطنت کے کاموں کے لئے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت. پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے منشاء سے ہوتا ہے. لیکن بلا واسطہ اُس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا. اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے. اپنی اکثر ضروریاتِ زندگی خود انجام دے سکتا ہے. لیکن رعب کا تقاضا ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے. اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت اُن مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو. بیماری میں شفاخانہ جاکر ڈاکٹر سے کہو. مقدمات میں کچہری جاکر جج سے وکلاء کے ذریعہ سے کہو وغیرہ وغیرہ ان مصائب میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی منشاء کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو اسی لئے تو مقرر کیا ہے ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب باغی ہیں کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا. جب یہ بات سمجھ میں آگئی. تو سمجھو کہ یہ ہی طریقہ سلطنت الٰہیہ کا ہے کہ وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرما دے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم

کے لیے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا۔ اور اُن کے علیحدہ علیحدہ محکمے کر دیئے۔ جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی حفاظت، رزق پہنچانا، بارش برسانا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا، اُن کی تقدیر لکھنا، مدفون میتوں سے سوالات کرنا، صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا اور قیامت قائم کرنا، پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرضکہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ اُن کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ آئین سلطنت کا یہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے یہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں۔ یہ محض ہمارا قیاس نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں۔ حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں آیا ہوں تاکہ تم کو پاک فرزند دوں + معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بیٹا دیتے ہیں + حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں وَاَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اُس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے + معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الٰہی بے جان کو جان بخشتے ہیں + قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ فرما دو کہ تم کو ملک الموت وفات دیں گے جو تم پر مقرر کئے گئے ہیں + معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں + اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی۔ جس میں خدائی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے + رب تعالیٰ حضور علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ہمارے محبوب اُن کو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ان کو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا + معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا آپ اُن کے مالوں سے صدقے وصول فرمایئے اور اس سے ان کو پاک فرما دیجئے + معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہِ رسالت میں

منظور ہو جائے وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ اور کیا اچھا ہوتا کہ اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ رسول نے اُن کو دیا اور کہتے کہ اللہ ہم کو کافی ہے اب ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دیں گے۔ معلوم ہوا کہ رسول علیہ السلام دیتے ہیں ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ عزت دیتے ہیں مال و اولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے۔ کیونکہ آیات نے یہ بتایا۔ لیکن مقصد وہ ہی ہوگا کہ یہ حضرات حکومتِ الٰہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے وقت اولیاء اللہ یا انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے قرآن نے فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کرکے اے محبوب تمہارے پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے محبوب آپ بھی اُن کے لئے دعائے مغفرت فرماتے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارۃ قبر النبی میں فرماتے ہیں" کہ اب بھی جب زائر روضۂ پاک پر حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دنیا میں تھا۔ قبر میں تین سوال نکیرین کرتے ہیں۔ اول تو مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔ ان سوالوں میں اسلام کی ساری باتیں آگئیں۔ مگر ابھی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ اس سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ **صراحتہً کہلوالیا**۔ کہ ہاں میں اُن کو پہچانتا ہوں یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تب سوالات ختم ہوتے ہیں۔ تو قبر میں اُن کے نام کی امداد سے نجات ہوئی۔ قیامت میں لوگ تنگ آکر شفیع کو ہی ڈھونڈیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے تب حساب وکتاب شروع ہوگا وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور علیہ السلام کا ہی محتاج رہے۔ یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اسی لئے فرمایا وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو یعنی ہر جگہ وسیلۂ مصطفےٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے گنہگار بدعمل اور مسلمانوں کے بچے، دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مرجاویں وہ سب بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی

توحضور ہی کے طفیل سے حاصل ہونگے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے کفار بھی قائل تھے وَكَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا۔ مکہ معظمہ حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبلہ بنا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا۔ بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کہلائیگا ⁂

شیطان بلا واسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب مار دیا جاتا ہے۔ اگر مدینہ کے راستہ سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہی نتیجہ ان کا بھی ہوگا۔ جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان ⁂

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ یہ عین قانون اسلامی اور منشاء الٰہی کے بالکل مطابق ہے۔ جناب معراج میں نماز اوّلاً پچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسےٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ رکھیں آخر یہ کیوں ؟ اسی لئے کہ مخلوق جانے کہ نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسےٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے۔ دو وجہ سے۔ اوّلاً تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر اور ان کو جھوٹا خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اسی لئے ان کو الٰہ یا شرکاء کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے رہیں جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ابن اللہ یا ثالث ثلٰثہ یا عین اللہ مانتے ہیں۔ مومن ان اولیاء و انبیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا مانتے ہیں جیسے کہ اہل دیوبند مالداروں کو مدرسہ کا معاون و مددگار یا طبیب و حاکم کو مختارِ حکومت تسلیم کرتے ہیں + دوسرے اس لئے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اختیارات نہ دیئے۔ وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد وغیرہ طلب کرتے ہیں لہٰذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی + جس کی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں۔ اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے بلا تشبیہ ایک بت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا فعل اپنی ایجاد سے ہے۔ اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھر ہی کی عمارت ہے مگر مشرک نہیں۔ کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکمِ الٰہی سے ہے۔ مشرک کا سجدہ خلافِ حکمِ الٰہی پتھر کو ہے۔ یہ فرق ضروری ہے ⁂ گنگا کے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے۔ مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ مندر کے پتھر کی

تعظیم شرک ہے۔ مگر مقام ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھر ہی ہے ؛

دوسرا باب

استمدادِ اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اِس مسئلہ پر مخالفین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ ہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں :-

(۱) مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ لَآ اُغْنِیْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ جب آپ سے فاطمہ زہرا کی مدد نہ ہو سکی۔ تو دوسروں کی کیا ہو گی ؟

جواب۔ یہ اوّل تبلیغ کا واقعہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دُور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پسر نوح کو اسی لئے من اللہ فرمایا مسلمانوں کی حضور ہر جگہ امداد فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے الاخلاء یومئذٍ بعضهم لبعض عدوٌّ الا المتقون پرہیزگاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے حضور علیہ السلام گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گِرتوں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل المیت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے سوا میرے نسب اور رشتہ کے۔ واقعی دیوبندیوں کی حضور مدد نہ فرمائیں گے۔ ہم چونکہ بحمدہٖ تعالیٰ مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے ؛

(۲) اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں ؛ معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے۔ جب غیر خدا کی عبادت شرک۔ تو غیر خدا کی استمداد بھی شرک ؛

جواب۔ اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا۔ وہ محض واسطۂ فیضِ الٰہی سمجھ کر ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ یا فرمایا گیا لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان و زمین کی چیزیں۔ پھر ہم حکام کا حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعویٰ ملکیت بھی کرتے ہیں۔ یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت۔ مگر بندوں کے لئے بعطائے الٰہی ؛

نیز یہ بتاؤ کہ عبادت اور مدد مانگنے میں تعلق کیا ہے؟ کہ اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ تعلق یہ ہی ہے کہ حقیقی معاون سمجھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بُت پرست بُتوں کی پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں کہ "کالی مائی تیری دُہائی" وغیرہ اس لئے ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی شرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہم اس کا ثبوت اچھی طرح پہلے دے چکے ہیں۔ اب بھی مدرسہ کے چندہ کے لئے مالداروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ دائی کی مدد سے پیدا ہوئے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ مالداروں کی مدد سے زندگی گذاری۔ اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر غسّال و درزی کی مدد سے غسل ملا۔ اور کفن پہنا۔ گورکن کی مدد سے قبر کھدی۔ مسلمانوں کی مدد سے زیرِ خاک دفن ہوئے۔ پھر اہلِ قرابت کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہُوا۔ پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے۔ اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس کی مدد اور کس وقت۔

(۳) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔ معلوم ہُوا کہ رب کے نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

جواب۔ یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے جنہیں کفار نے اپنا ناصر و مددگار مان رکھا تھا یعنی بُت و شیاطین۔ ولی اللہ وہ جسے رب نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا جیسے انبیاء و اولیاء۔ وائسرائے لندن سے حکومت کرنے کے لئے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خود ساختہ حاکم مان لے وہ مجرم ہے۔ سلطانی حکّام کو مانو، خود ساختہ حاکموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حکّام سے مدد لو۔ گھریلو ناصرین سے بچو۔ موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا۔ آپ نے عرض کیا وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِيْ مولیٰ حضرت ہارون کو میرا وزیر بنا دے جس سے میرے بازو کو قوت ہو۔ رب تعالیٰ نے بھی نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کسی اور کا سہارا کیوں لیا؟ بلکہ منظور فرما لیا۔ معلوم ہُوا کہ اللہ والوں کا سہارا لینا طریقۂ انبیاء ہے۔

(۴) درمختار باب المرتدین بحث کراماتِ اولیاء میں ہے کہ قول شَیْئًا لِلّٰہِ قِیْلَ یَکْفُرُہٗ معلوم ہوا کہ یا عبد القادر جیلانی شیئًا للہ کہنا کفر ہے۔

جواب۔ یہاں شیئًا للہ کے یہ معنیٰ ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لئے کچھ دو۔ رب تمہارا محتاج ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ یتیم کے لئے کچھ دو۔ اور یہ معنیٰ واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے فرمایا امّا ان قصد المعنی الصحیح فالظاهر انه لا باس به یعنی اگر اس سے صحیح معنیٰ کی نیت کی کہ اللہ کے لئے مجھے کچھ دو یہ جائز ہے۔ اور ہمارے شیئًا للہ کا یہ ہی مطلب ہے۔

(۵) وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے ٭ جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

جواب۔ وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے ٭ جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے
توسّل کر نہیں سکتے خدا سے ٭ اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

(۶) خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں؟ ہم اس کے بندے ہیں چاہئے کہ اسی سے حاجتیں مانگیں (تقویۃ الایمان)۔

جواب۔ ہم خدا کے بندے خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن بھیج رہا ہے دیکھو گذشتہ تقریر۔ اور خدا نے ان بندوں کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے ؎

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں ٭ مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

(۷) قرآن کریم نے کفار کا کفر یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ بتوں سے مدد مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔

جواب۔ اور تم بھی مشرک ہوئے اغنیاء، پولیس اور حاکم سے مدد مانگ کر۔ یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریر میں بیان کر چکے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرًا جس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے اس کا مددگار کوئی نہیں ہوتا۔ مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اس کے لئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔

(۸) شرح فقہ اکبر میں مُلّا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھی اُن سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں۔ اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں خلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد نہ طلب کرتے؟

جواب۔ یہ وقتِ امتحان تھا۔ اندیشہ تھا کہ حرفِ شکایت منہ سے نکلنا رب کو ناپسند ہوگا۔ اسی لئے خلیل اللہ نے اُس وقت خدا سے بھی دعا نہ کی بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جانتا ہے۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعا نہ کی نہ مصطفےٰ علیہ السلام نے نہ حضرت مرتضےٰ نے نہ حضرت فاطمہ زہرا نے رضی اللہ تعالیٰ عنہما +

(۹) زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مُردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مُردہ میں نہیں۔ لہٰذا یہ شرک ہے +

جواب۔ قرآن میں ہے وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اُس میں زندہ اور مُردے کا فرق کہاں ہے؟ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مُردے کی نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مُردے کی، استمداد بھی مطلقاً شرک ہونی چاہیئے؟

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ڈھائی ہزار برس بعد اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدد فرمائی۔ کہ شبِ معراج میں پچاس نمازوں کی بجائے پانچ کرا دیں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نمازیں پانچ رہینگی۔ مگر بزرگانِ دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر پھر دو پیاروں کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں استمداد کے منکرین کو چاہیئے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے +

نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں اُن کو مُردہ نہ کہو اور نہ جانو وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّ لٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ۝ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو مُردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے + جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا + بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہِ خدا میں مارے جاویں۔ مگر یہ بلا وجہ کی زیادتی ہے۔ اس لئے کہ آیت میں لوہے کی تلوار کا ذکر نہیں ہے جو کہ عشقِ الٰہی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (روح البیان) اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ جو ڈوب کر مرے، جل جاوے، طاعون میں مرے، عورت زچگی کی حالت میں مرے، طالبعلم مسافر وغیرہ وغیرہ سب شہید ہیں + نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں باقی سب مُردے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مُردہ ماننا لازم آویگا۔

حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ یہ حضرات بحیات کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مردے سے مدد مانگنے کی تحقیق ہم ثبوتِ استمداد میں کر چکے ہیں۔ کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد لی جا سکتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جاوے اور اس کی کچھ تحقیق بوسہ تبرکات اور سفر زیارت قبور میں بھی ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ ؛

تفسیر صاوی آخر سورۂ قصص وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ کی تفسیر میں ہے فهينئذٍ فليس فی الآیۃ دلیل علیٰ مازعمہ الخوارج من ان الطلب من الغیر حیاً ومیتاً شرکٌ فانہٗ جھل مرکبٌ لان سوال الغیر من اجراء اللہ النفع او النصر علیٰ یدہٖ قد یکون واجباً لانہٗ من التمسک بالاسباب ولا ینکر الاسباب الاجحوداً او جھولاً یعنی یہاں لاتدع کے معنیٰ ہیں نہ پوجو لہٰذا اس آیت میں اُن خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مُردہ کچھ مانگنا شرک ہے، خارجیوں کی یہ بکواس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب اُن کے ذریعہ سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے۔ اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل ؛

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں ۱؎ غیر خدا سے مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے ۲؎ اس طلب کا انکار خارجی کرتے ہیں ۳؎ لاتدع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکارنے یا مدد مانگنے کی "

(۱۰) بزرگانِ دین کو دیکھا گیا کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست و پا ہیں۔ پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد لینے کی طرح لغو ہے۔ اس کی بُرائی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ وان یسلبھم الذباب شیئًا لایستنقذوا منہ یہ اولیاء اپنی قبروں سے مکھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے ؛

جواب۔ یہ تمام کمزوریاں اس جسم خاکی پر اس لئے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح سے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں۔ بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتی اور قدموں کی آواز سنتی ہے۔ خصوصاً ارواحِ انبیاء۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ہر پچھلی گھڑی گذشتہ گھڑی سے آپ کے لئے بہتر ہے۔ اور استمداد ولی کی روح سے ہے نہ کہ جسم عنصری سے۔ کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں۔ پھر وہ پتھروں کو اپنا

مددگار جانتے ہیں جن میں یہ روح بالکل نہیں ۔

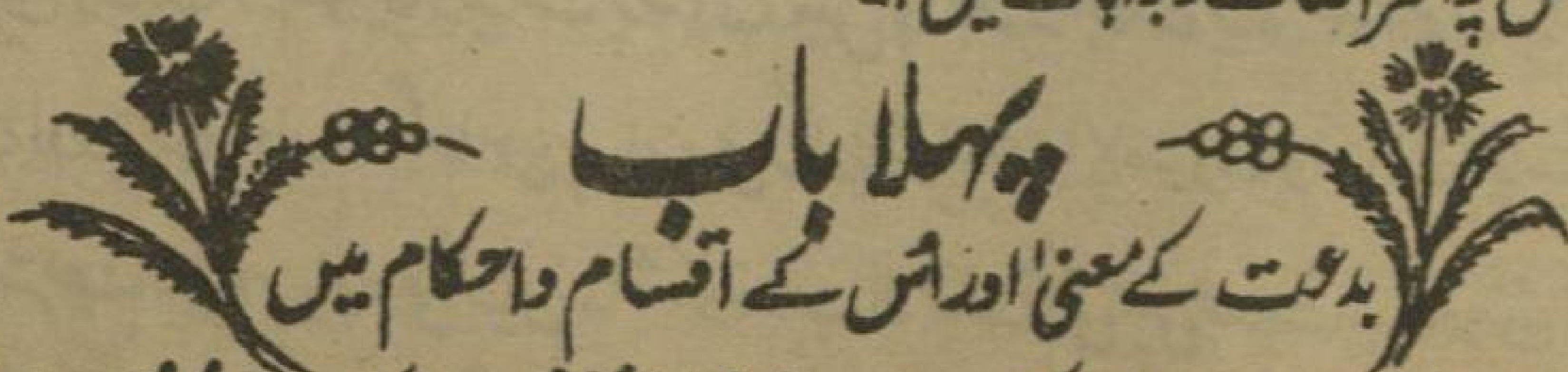
تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ آیت یحلونہ عاماً و یحرمونہ عاماً کی تفسیر میں ہے کہ حضرت خالد و عمر نے زہر پیا رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور علیہ السلام نے خیبر میں زہر کھایا۔ مگر بوقت وفات اثر ظاہر ہوا۔ کہ انھوں نے مقام حقیقت میں رہ کر زہر پیا تھا اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقت وفات بشریت کا ظہور تھا۔ کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہٰذا اب اثر ظاہر ہوا۔ ان حضرات کو قبر کی مکھی تو کیا عالم کو پلٹ دینے کی طاقت ہے مگر اس جانب توجہ نہیں۔ خانہ کعبہ میں تین سو برس بُت رہے۔ رب نے دُور نہ کیے۔ تو کیا خدا کمزور ہے اپنے گھر سے نجاست دُور نہ کر سکا؟ رب سمجھ دے ۔

(۱۱) حضرت علی اور امام حسین میں اگر کچھ طاقت ہوتی۔ تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے؟ جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ کر سکے۔ تو تمہاری مصیبت کیا دفع کریں گے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے و ان یسلبہم الذباب شیئاً لایستنقذ وامنہ ۔

جواب۔ ان میں دفع مصیبت کی طاقت تو تھی مگر طاقت کا استعمال نہ کیا کیونکہ رب تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی۔ موسےٰ علیہ السلام کا عصاء فرعون کو بھی کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا امام حسین علیہ السلام میں طاقت تھی کہ کربلا میں حوض کوثر منگا لیتے فرات کی کیا حقیقت تھی مگر راضی برضاء الٰہی تھے۔ دیکھو رمضان میں پانی ہمارے پاس ہوتا ہے۔ مگر حکمِ الٰہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے۔ بخلاف بُتوں کے ان میں طاقت ہی نہیں۔ لہٰذا یہ آیت انبیاء و اولیاء پر پڑھنا بے دینی ہے یہ بُتوں کے لیے ہے ۔

بحث بدعت کے معنیٰ اور اُس کے اقسام و احکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنیٰ اور اس کے اقسام و احکام میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔



پہلا باب
بدعت کے معنیٰ اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنیٰ ہیں نئی چیز۔ قرآن کریم فرماتا ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ فرما دو کہ میں نیا

رسول نہیں ہوں. نیز فرماتا ہے بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے
نیز فرماتا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ؛
ان آیات میں بدعت لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے. یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا وغیرہ + مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں باب الاعتصام بالکتاب والسنتہ میں ہے قَالَ النَّوَوِیُّ اَلْبِدْعَةُ كُلُّ شَیْءٍ عُمِلَ عَلٰی غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ بدعت وہ کام ہے جو بغیر گزری مثال کے کیا جاوے +
بدعت کے شرعی معنیٰ ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے. نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی. بدعت اعتقادی اور بدعت عملی. بدعت اعتقادی اُن بُرے عقائد کو کہتے ہیں جو کہ حضور علیہ السلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے. عیسائی، یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں. کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے. نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جبریہ، قدریہ، مرجیہ، چکڑالوی، غیر مقلد، دیوبندی عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں کیونکہ یہ سب بعد کو بنے اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں. مثلاً دیوبندی کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے. حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور علیہ السلام کا خیال نماز میں بیل، گدھے کے خیال سے بدتر ہے. یہ ناپاک عقیدے بارھویں صدی کی پیداوار ہیں. جیساکہ ہم شامی سے اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں. بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں ؛
رب تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ پھر فرماتا ہے فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانا ایجاد کیا. رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اجر بھی دیا. ہاں جو اسے نبھا نہ سکے اُن پر عتاب آیا. فرمایا گیا فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا دیکھو ایجاد بدعت پر عتاب نہیں ہوا بلکہ نہ نبھانے پر + معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب. مگر اس پر پابندی نہ کرنا بُرا خیر الامور ادومہا لہٰذا چاہئے کہ مسلمان محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں + مشکوٰۃ باب الاعتصام کی پہلی حدیث ہے کہ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو کہ دین کے

خلاف ہوں وہ مردود ہے. ہم نے مَا کے معنیٰ عقیدے اس لئے کئے کہ دین عقائد ہی کا نام ہے اعمال فرع ہیں. بے نمازی گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں. بد اعتقاد یا تو گمراہ ہے یا کافر + اس کے ماتحت مرقات میں ہے وَالْمَعْنٰی اَنَّ مَنْ اَحْدَثَ فِی الْاِسْلَامِ رَأْیًا فَهُوَ مَرْدُوْدٌ عَلَیْهِ اَقُوْلُ فِیْ وَصْفِ هٰذَا الْاَمْرِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ اَمْرَ الْاِسْلَامِ کَمُلَ معنیٰ یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا الامر کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا :

ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا + اسی مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا بَلَغَنِیْ اَنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ کَانَ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّی السَّلَامَ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا. بدعتی کیسے ہوا ؟ فرماتے ہیں یَقُوْلُ یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِیْ اَهْلِ الْقَدَرِ حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری اُمت میں زمین دھنسنا، صورت بدلنا یا پتھر برسنا ہوگا قدریہ لوگوں میں + معلوم ہوا کہ وہ قدریہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا. اُس کو بدعتی فرمایا + درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں ہے وَمُبْتَدِعٍ اَیْ صَاحِبِ بِدْعَةٍ وَهِیَ اِعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوْفِ عَنِ الرَّسُوْلِ بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے. بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام سے معروف ہیں + اِن عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور بُرے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہی ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی یعنی بدعت اعتقادیہ والے کی + فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے "جس بدعت میں ایسی شدید وعید ہیں وہ بدعت فی العقائد ہے. جیسا کہ روافض خوارج کی بدعت ہے" +

بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ ہو یا اُس کے بھی بعد + مرقات باب الاعتصام میں ہے وَفِی الشَّرْعِ اِحْدَاثُ مَا لَمْ یَکُنْ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامِ بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو + اشعۃ اللمعات یہ ہی باب "بدانکہ ہر چہ پیدا شدہ بعد

از پیغمبر علیہ السلام بدعت است" ـ جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے ؎

ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ ـ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ـ ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنتِ صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ـ ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر فرمایا نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے "

بدعت عملی دو قسم ہے ـ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ ـ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کہ کسی سنّت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سُنّت کے خلاف ہو یا سُنّت کو مٹانے والی ہو ـ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ و عیدین پڑھنا یا کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں سنت خطبہ یعنی عربی میں ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنّت اُٹھ جاتی ہے ـ یعنی بذریعہ مکبّرین کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے ـ اور بدعت سیّئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے ـ اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے بدعت حسنہ اور بدعت سیّئہ کی دلیل سنو ؛ اشعۃ اللمعات جلد اوّل باب الاعتصام زیر حدیث وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ہے ـ " و آنچہ موافق اصول و قواعد سنّت اوست و قیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند و آنچہ مخالف آں باشد باعثِ ضلالت گویند ؛ جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنّت کے موافق ہے اور اُس سے قیاس کی ہوئی ہے ـ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو کہ اس کے خلاف ہے اس کو بدعتِ گمراہی کہتے ہیں ؛

مشکوٰۃ باب العلم میں ہے مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَمِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَّمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اُس کو اُس کا ثواب ملے گا اور ان کا بھی جو کہ اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص کہ اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اُس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو کہ اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہو گی ؛ معلوم ہوا کہ اسلام میں کارِ خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے اور برے کام نکالنا گناہ کا موجب ؛

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابوحنیفہ بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں قَالَ الْعُلَمَاءُ هٰذِهِ اَحَادِيْثُ مِنْ قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ وَهُوَ اَنَّ كُلَّ مَنِ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّرِّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنِ اقْتَدٰى بِهٖ فِيْ ذٰلِكَ وَكُلَّ مَنِ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الْخَيْرِ كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ كُلِّ مَنْ يَعْمَلُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بُری بدعت ایجاد کرے اُس پر اُس کام میں ساری پیروی کرنے والوں کا گناہ ہے۔ اور جو شخص کہ اچھی بدعت نکالے اُس کو قیامت تک کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اچھی بدعت ثواب ہے اور بُری بدعت گناہ۔

بُری بدعت وہ ہے جو سُنّت کے خلاف ہو۔ اس کی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی رائے نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔ دین سے نہیں ہے کے معنیٰ یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے چنانچہ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ "و مراد چیزے است کہ مخالف و مغیّر آں باشد" اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔ اسی مشکوٰۃ باب الاعتصام تیسری فصل میں ہے مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اتنی سُنّت اُٹھ جاتی ہے لہٰذا سُنّت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔ اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔ "وچوں احداث بدعت رافع سُنّت است بہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت خواہد بود" اور جب بدعت نکالنا سُنّت کو مٹانے والا ہے۔ تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والا ہوگا۔

اس حدیث اور اس کی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ یعنی بُری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنّت مٹ جاوے۔ اس کی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیّئہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسی جگہ دھوکا ہوتا ہے۔

بدعت کی قسمیں اور اُن کے احکام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ اب یاد رکھنا چاہیئے کہ بدعت حسنہ تین طرح کی ہے۔ بدعت جائز، بدعت مستحب، بدعت واجب۔ اور بدعت سیّئہ دو طرح کی ہے۔ بدعت

مکروہ اور بدعت حرام + اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو + مرقات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے
اَلْبِدْعَۃُ اِمَّا وَاجِبَۃٌ کَتَعَلُّمِ النَّحْوِ وَتَدْوِیْنِ اُصُوْلِ الْفِقْہِ وَاَمَّا مُحَرَّمَۃٌ کَمَذْھَبِ الْجَبْرِیَّۃِ
وَاَمَّا مَنْدُوْبَۃٌ کَاَحْدَاثِ الرَّوَابِطِ وَالْمَدَارِسِ وَکُلِّ اِحْسَانٍ لَمْ یُعْھَدْ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ
وَکَالتَّرَاوِیْحِ اَیْ بِالْجَمَاعَۃِ الْعَامَّۃِ وَاِمَّا مَکْرُوْھَۃٌ کَزَخْرَفَۃِ الْمَسَاجِدِ وَاِمَّا مُبَاحَۃٌ
کَالْمُصَافَحَۃِ عَقِیْبَ الصُّبْحِ وَالتَّوَسُّعِ بِلَذِیْذِ الْمَاٰکِلِ وَالْمَشَارِبِ بدعت یا تو واجب ہے
جیسے کہ علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے کہ جبریہ مذہب اور یا مستحب
ہے جیسے کہ مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے
عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے کہ مسجدوں کو فخریہ زینت دینا اور یا جائز ہے جیسے
فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا + شامی جلد اوّل
کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں ہے اَیْ صَاحِبِ بِدْعَۃٍ مُحَرَّمَۃٍ وَّاِلَّا فَقَدْ تَکُوْنُ وَاجِبَۃً
کَنَصَبِ الْاَدِلَّۃِ وَتَعَلُّمِ النَّحْوِ وَمَنْدُوْبَۃً کَاَحْدَاثِ نَحْوِ رِبَاطٍ وَّمَدْرَسَۃٍ وَکُلِّ اِحْسَانٍ
لَمْ یَکُنْ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ مَکْرُوْھَۃً کَزَخْرَفَۃِ الْمَسْجِدِ وَمُبَاحَۃً کَالتَّوَسُّعِ بِلَذِیْذِ الْمَاٰکِلِ
وَالْمَشَارِبِ وَالثِّیَابِ کَمَا فِیْ شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے
ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی ہے جیسے کہ دلائل قائم کرنا اور علم نحو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ
اور مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی اُن کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی
فخریہ زینت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے
ان عبارات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ
بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ و اصولِ فقہ یا قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں
اعراب لگانا یا آجکل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں میں تعلیم کے کورس وغیرہ بنانا +

بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنہ اور سیئہ کی پہچان تو بتادی گئی۔ کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے
والی ہو وہ بدعت سیئہ۔ اور جو ایسی نہ ہو وہ بدعت حسنہ ہے۔ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو
بدعت جائزہ:۔ ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور بغیر کسی نیّت خیر کے کیا جاوے۔ جیسے

چند کھانے کھانا وغیرہ اس کا حوالہ مرقاۃ اور شامی سے گذر گیا۔ اِن کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب ۔

بدعت مستحبہ۔ وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور اس کو عام مسلمان کارِ ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کارِ ثواب جانتے ہیں اس کو کرنے والا ثواب پاویگا اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ دلائل ملاحظہ ہوں :۔

مرقاۃ باب الاعتصام میں ہے رُوِیَ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ مَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَفِیْ حَدِیْثٍ مَرْفُوْعٍ لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث مرفوع میں ہے کہ میری اُمت گمراہی پر متفق نہ ہوگی ۔ مشکوٰۃ کے شروع میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِاِمْرِءٍ مَّا نَوٰی اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لئے وہ ہی ہے جو نیت کرے ۔ درمختار جلد اوّل بحث مستحبات وضو میں ہے وَمُسْتَحَبُّہٗ وَھُوَ مَا فَعَلَہُ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَرَّۃً وَتَرَکَہٗ اُخْرٰی وَمَا اَحَبَّہُ السَّلَفُ مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو اور وہ کام کہ گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں ۔ شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے فَاِنَّ النِّیَّاتِ تَجْعَلُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے ۔ اسی طرح مرقاۃ بحث نیت میں بھی ہے ۔

اِن احادیث وفقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جائے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں وہ عند اللہ بھی کارِ ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ برا۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا انشاء اللہ ۔

بدعت واجبہ :۔ وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گذر چکے ۔

بدعت مکروہہ :۔ وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے اگر سنت غیر مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر سنت مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تحریمی۔ اس کی مثالیں اور حوالے گذر گئے۔ **بدعت حرام** :۔ وہ نیا کام جس سے کوئی واجب چھوٹ جاوے یعنی واجب کو مٹانے والی ہو درمختار باب الاذان میں ہے۔ کہ اذان کے بعد سلام کرنا ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا لیکن وہ بدعت

حسنہ ہے۔ اس کے ماتحت شامی میں اذان جوق کے بارے میں فرماتے ہیں فَفِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّہٗ غَیْرُ مَکْرُوْہٍ لِاَنَّ الْمُتَوَارِثَ لَایَکُوْنُ مَکْرُوْھًا وَکَذٰلِکَ تَقُوْلُ فِی الْاَذَانِ بَیْنَ یَدَیِ الْخَطِیْبِ فَیَکُوْنُ بِدْعَۃً حَسَنَۃً اِذْ مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے ۔

آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو:۔

ایمان:۔ مسلمان کے بچہ بچہ کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلٰثہ میں اس کا پتہ نہیں ۔

کلمہ:۔ ہر مسلمان چھ کلمہ یاد کرتا ہے یہ چھ کلمے اُن کی تعداد اُن کی ترتیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلٰثہ میں پتہ بھی نہیں تھا ۔

قرآن:۔ قرآن شریف کے تیس پارہ بنانا، اُن میں رکوع قائم کرنا، اس پر اعراب لگانا، اس کی سنہری روپہلی جلدیں طیار کرنا، قرآن کو بلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں جن کا قرون ثلٰثہ میں ذکر بھی نہ تھا ۔

حدیث:۔ حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا، حدیث کی اسناد بیان کرنا، اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی صحیح قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معضل، یہ مدلس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے، دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حرام و حلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرضکہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلٰثہ میں ذکر بھی نہ تھا ۔

اصول حدیث:۔ یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے۔ اس کے سارے قاعدے، قانون بدعت ۔

فقہ:۔ اس پر آج کل دین کا دارومدار ہے۔ مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلٰثہ میں ذکر نہیں ۔

اصول فقہ و علم کلام:۔ یہ علم بھی بالکل بدعت ہیں ان کے قواعد وضوابط سب بدعت ۔

نماز:۔ نماز میں زبان سے نیت کرنا بدعت۔ جس کا ثبوت قرون ثلٰثہ میں نہیں۔ رمضان میں

بیس تراویح پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے۔ خود امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ
ھٰذِہٖ یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ:۔ روزہ افطار کے وقت زبان سے دعا کرنا اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ الخ اور سحری کے وقت
دعا مانگنا کہ اَللّٰھُمَّ بِالصَّوْمِ الخ غداً نَوَیْتُ بدعت ہے۔

زکوٰۃ:۔ زکوٰۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قرونِ ثلٰثہ میں یہ تصویر والے
سکے نہ تھے نہ ان سے زکوٰۃ جیسی عبادت ادا ہوتی تھی۔ موجودہ لٹے سے ، غلوں سے فطرہ نکالنا یہ
سب بدعت ہیں۔

حج:۔ ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا، موٹروں میں عرفات
شریف جانا بدعت ہے۔ اُس زمانہ پاک میں نہ یہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طریقت:۔ طریقت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوّف کے قریباً سارے مشاغل بدعت
ہیں۔ مراقبے، چلّے، پاس انفاس، تصورِ شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرونِ
ثلٰثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے:۔ شریعت وطریقت، دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی
اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض
کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے
اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچکر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب
ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔ تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

دُنیاوی چیزیں:۔ آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہوگئی ہیں جن کا خیرالقرون میں نام و
نشان بھی نہ تھا۔ اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے
ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانگہ، گھوڑا گاڑی۔ پھر خط، لفافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو
لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلف
استعمال کرتے ہیں۔

بولو دیوبندی، وہابی بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گذار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

دوسرا باب

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات وجوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے ۔ کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے ۔ خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بھی بعد ۔ اس پر دو مشہور اعتراض ہیں :-

(۱) بدعت صرف اُس دینی کام کو کہیں گے کہ جو حضور علیہ السلام کے بعد ایجاد ہو ۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں ۔ لہٰذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تار، ٹیلیفون، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے ۔ اَمْرِنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں کیونکہ حدیث میں سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے ۔

جواب ۔ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء وفقہاء اور محدثین کے خلاف ہے ۔ حدیث میں ہے کُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَةٌ (مشکوٰۃ باب الاعتصام) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں ۔ نیز ہم اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں اُس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی ۔ نیز ہم پہلے باب میں مرقاۃ اور شامی کی عبارتیں دکھا چکے کہ انھوں نے عمدہ کھانے، اچھے کپڑے بدعت جائزہ میں داخل کئے ہیں ۔ یہ کام دنیاوی ہیں مگر بدعت میں اُن کو شمار کیا لہٰذا یہ قید لگانا غلط ہے ۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اُسی کو تو کہتے ہیں جس پر ثواب ملے ۔ مستحبات، نوافل، واجبات، فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے ۔ اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اُس پر ثواب ملتا ہے ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے ۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو ثواب ہے حَتّٰی اللُّقْمَةُ تَرْفَعُهَا فِیْ فِیْ اِمْرَاَتِكَ یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب ۔ لہٰذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے ۔ اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ کھلانا بدعت ہے یا نہیں ؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں کیونکہ دیوبند کا مدرسہ، وہاں کا نصاب، دورۂ حدیث، تنخواہ لے کر مدرسوں کا پڑھانا، امتحان اور تعطیلات کا ہونا آج قرآن پاک میں اعراب لگانا، قرآن وبخاری چھاپنا، مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ

دیوبند میں پندرہ روپیہ لے کر کرایا جاتا ہے بلکہ سارا فن حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا، اس میں رکوع بنانا، اس کے تیس سیپارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں. کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ان میں سے کوئی کام نہ ہؤا تھا. بولو یہ حرام ہیں یا حلال ؟ بیچارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ نے ہی کیا قصور کیا ہے. جو صرف وہ تو اس لئے حرام کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر ذکر کئے ہوئے سب کام حلال ؟

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع اور مانع ہو. تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں بدعت شرک، دین، عبادت اور اب بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس کا مذہب بچ جاوے. آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ ان کی ایسی صحیح تعریف کر دو جس سے محفل میلاد حرام ہو. اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام اور کہے دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی. لہٰذا چاہیئے کہ اپنے اس بے اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہوں. اللہ الموفق + وہ حدیث جو آپ نے پیش کی. اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس سے یا تو مَا سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو لَیْسَ مِنْہُ سے مراد وہ اعمال ہیں جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں. ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں ؟

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں. یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا. نیز شامی، اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارات پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے. جائز، واجب، مستحب، مکروہ اور حرام + اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کرو کہ یہ بھی حرام ہیں. نیز مسائل فقیہ اور اشغال صوفیہ جو کہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے. شریعت کے چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ السلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد بھی ایجاد ہوئے

پھر اُن کے مسائل اجتہادیہ اور اعمال، وظیفے، مراقبے، چلّے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں + چھ کلمے، ایمان مجمل ومفصل، قرآن کے تیس پارے، حدیث کی قسمیں اور اُن کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، یہ حسن ہے یا معضل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب، جلسۂ دستار بندی، سند لینا، پگڑی بندھوانا، ان چیزوں کا کہیں قرآن وحدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی، وہابی اِن چیزوں کو تو کیا اِن کے نام بھی کسی حدیث سے نہیں دکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کر سکتا۔ غرضکہ شریعت وطریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو +

مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں "نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات وریاضات ومجاہدات کی تعیین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں کوشش کی ہے لیکن بحکم ہر سخن وقتی وہر نکتہ مقامی دارد" ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جُدا جُدا ہیں"۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تصوف کے اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں۔ بلکہ راہِ سلوک اِن ہی سے طے ہوتی ہے + کہیے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے؟ ماننا پڑیگا کہ جو کام خلافِ سُنّت ہو وہ بڑا اور باقی عمدہ اور اچھا +

(۲) مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہوگا وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کی ایجادات سُنّت ہیں۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے :-

(۱) فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ تم پر لازم ہے میری سنّت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سُنّت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑ لو + اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنّت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے کام بدعت نہیں +

(۲) مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ اِنَّ بَعْدَ ذٰلِكَ قَوْمًا يَّشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ

میری اُمّت میں بہتر گروہ میرا گروہ ہے. پھر وہ جو اُن کے متصل ہیں پھر وہ جو اُن کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھرے گی اور خیانت کریں گے امین نہ ہونگے اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا، تابعین کا، تبع تابعین کا. اور پھر شر اور خیر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سُنّت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے + نیز مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے

(۳) تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ میری اُمّت کے تہتّر فرقے ہو جائیں گے ایک کے سواء سب جہنّمی ہیں. عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ ایک کون ہے؟ فرمایا جس پر کہ ہم اور ہمارے صحابہ ہیں + معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی جنت کا راستہ ہے. اس لئے اُن کے ایجادات کو بدعت نہیں کہ سکتے + مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے:-

(۴) اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ میرے صحابی تاروں کی طرح ہیں تم جس کے پیچھے ہو لو ہدایت پالوگے + اس سے بھی یہ ہی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعثِ نجات ہے لہٰذا اُن کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے ؎

جواب. یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو. اُس میں صحابہ کرام و تابعین کا ذکر نہیں + نیز اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت کرنے کا حکم دیا اور تراویح کی جماعت کو دیکھ کر فرمایا نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے. خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا. تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں مرقاۃ کے حوالہ سے گذر چکا کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنّت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے جماعت بدعت حسنہ. انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا + چوتھے اس لئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا. تو انہوں نے عرض کیا کہ کَیْفَ تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ خَیْرٌ آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو حضور علیہ

السلام نے نہ کیا، صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہِ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے۔ اور بدعت کیوں کر رہے ہیں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے۔ یعنی اچھی ہے۔ جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے۔ مخالفین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں:-

(۱) فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ خلفاء راشدین کے اقوال و افعال کو لغوی معنی سے سُنّت فرمایا گیا۔ یعنی اے مسلمانو تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو۔ جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا اور وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً اس حدیث میں سنّت بمعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا نیز فرماتا ہے سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ ان آیات اور احادیث میں سُنّت سے مراد سُنّتِ شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے۔ سنّت الٰہیہ اللہ کا طریقہ، سنّتِ انبیاء نبیوں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے "وتحقیقت سنّت خلفاءِ راشدین ہماں سنّت پیغمبر است کہ درزمان آنحضرت علیہ السلام شہرت نیافتہ بود ودرزمان ایشاں مشہور و مضاف بہ ایشاں شدہ" خلفائے راشدین کی سنّت حقیقۃً سنّت نبوی ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہوگئی اور ان کی طرف منسوب ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنّتِ خلفاء اس کو کہتے ہیں کہ جو اصل میں تو سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کرنے والے خلفاءِ راشدین ہوں۔ پانچویں اس لئے کہ محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ خلفائے راشدین کے حکم سنّت سے ملحق ہیں یعنی سُنّت تو نہیں۔ سنّت سے الحاق کئے ہوئے ہیں اگر ان حضرات کے ایجاد فرمودہ کام سنّت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنیٰ۔ نور الانوار کے شروع میں ہے وَقَوْلُ الصَّحَابِيِّ فِيْمَا يُعْقَلُ مُلْحَقٌ بِالْقِيَاسِ وَفِيْمَا لَا يُعْقَلُ فَمُلْحَقٌ بِالسُّنَّةِ صحابی کا فرمان عقلی باتوں میں تو قیاس سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنّت سے ملحق ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول و فعل سنّت ہے تو قیاس اور سُنّت سے الحاق کے کیا معنیٰ؟ اشعۃ اللمعات زیر حدیث فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي ہے۔ "پس ہرچہ خلفائے راشدین بداں حکم کردہ باشد اگرچہ باجتہاد و قیاس ایشاں بود موافق سنّت نبوی است اطلاق بدعت

برآں نتواں کرد" جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہو اگرچہ اپنے قیاس اور اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے موافق ہے اس پر لفظ بدعت نہیں بول سکتے + ان عبارات سے بالکل واضح ہو گیا کہ سنت خلفاء راشدین لمعنی لغوی سنت ہے اور سنت شرعی سے ملحق ہیں۔ ان کو ادباً بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت اکثر بدعت سیئہ کو بولتے ہیں +

(۲) خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ الخ سے تو معلوم ہوا۔ کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہو گی اور ان کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہو اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے۔ ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے۔ کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاوے گا ؟

(۳ و ۴) مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ اور اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی غلامی ان کی پیروی باعث ہدایت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ ہو گیا + نیز وارد ہوا مَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ مَّنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ عَنْ عُنُقِہٖ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی + قرآن میں ہے وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے +

اس آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہے ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہو گا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح کہ ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں اسی طرح سلف صالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں بمعنی لغوی

یعنی پسندیدہ دینی طریقہ ؛

ہدایت ضروریہ :۔ جو حضرات کہ ہر بدعت یعنی کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنیٰ کریں گے کہ اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَآءِ الْاِبَاحَۃُ تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے۔ ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے + یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد کہلانیوالا تو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْہَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ عَفَا اللّٰہُ عَنْہَا اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر ان کو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں گی اللہ ان کو معاف کر چکا + اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام۔ تو معافی میں ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ نیز فرمایا وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ تم سے تفصیل وار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو کہ تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں۔ ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بتا دی ان کے سوا سب حلال۔ مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَمَا سَکَتَ عَنْہُ فَہُوَ مِمَّا عَفٰی عَنْہُ حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحتہً قرآن میں مذکور ہے دوسرے وہ جن کی حرمت صراحتہً آگئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے + شامی جلد اوّل کتاب الطہارہ بحث تعریف سنّت میں ہے اَلْمُخْتَارُ اَنَّ الْاَصْلَ الْاِبَاحَۃُ عِنْدَ الْجُمْہُوْرِ مِنَ الْحَنَفِیَّۃِ وَالشَّافِعِیَّۃِ جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے اس کی تفسیر خازن و روح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہل سنّت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا جائز ہے۔ یا حضور علیہ السلام نے یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین

نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو چاہیئے۔ کہ ان سے پوچھیں۔ کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا حرام ہے جب خدا حرام نہ کرے رسول علیہ السلام منع فرمائیں اور کسی سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً الآیہ نیز فرماتا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ الآیہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی۔ یہ حضرات اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی منطق ہے۔ اچھا بتاؤ کہ ریلوے میں سفر، مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔



اولاً تو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا حمل شریف کے واقعات۔ نور محمدی کے کرامات۔ نسب نامہ یا شیر خوارگی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضور علیہ السلام کی نعت پاک نظم یا نثر میں پڑھنا سب اس کے تابع ہیں۔ اب واقعہ ولادت خواہ تنہائی میں پڑھو یا مجلس جمع کر کے اور نظم میں پڑھو یا نثر میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد شریف کہا جاوے گا۔ محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی منانا۔ اس کے ذکر کے موقعہ پر خوشبو لگانا، گلاب چھڑکنا، شیرینی تقسیم کرنا غرضکہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقہ سے ہو وہ مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔

عیسٰی علیہ السلام نے دعا کی تھی رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا معلوم ہوا کہ مائدہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام عید کا دن بنایا۔ آج بھی اتوار کو عیسائی اسی لئے عید مناتے ہیں کہ اس دن دسترخوان اُترا تھا اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اس مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہٰذا اُن کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے + ہاں اس مجلس پاک میں حرام کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے۔ جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ اجنبی مرد سنیں سخت منع ہے عورت کی آواز اجنبی مرد کو سُننا جائز نہیں۔ اگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے نکلنے سے روکے تو آواز سے سُبحان اللہ کہدے۔ لیکن اگر عورت کسی کو روکے تو سبحان اللہ نہ کہے بلکہ بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنا ہاتھ مارے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عورت نماز میں ضرورت کے وقت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنائے اسی طرح میلاد شریف میں باجے کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے۔ کہ یہ باجہ کھیل کود اور لغویات میں سے ہے۔ ویسے بھی باجہ سے کھیلنا حرام ہے۔ اور خاص نعت خوانی جو کہ عبادت ہے اس کو باجے پر استعمال کرنا اور بھی جرم ہے۔ اگر کسی جگہ میلاد شریف میں یہ خرابیاں پیدا کر دی گئی ہوں تو ان خرابیوں کو دُور کیا جاوے لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے۔ اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا لوگ قرآن باجے سے پڑھنے لگیں تو اِن بیہودگیوں کو مٹادو۔ قرآن پڑھنا نہ رد کو کیونکہ یہ عبادت ہے +

میلاد شریف قرآن و احادیث و اقوالِ علما، اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ (۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہٰذا محفلِ میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے ،،

(۲) وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو اور حضور علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احسان جتایا ہے اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے ، آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے کسی کو سلطنت ملے تو ہر سال اُس تاریخ پر جشنِ جلوس مناتا ہے۔ تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اُس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا ؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد جگہ جگہ ارشاد فرمایا فرماتا ہے لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ الآیۃ اے مسلمانوں تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لے آئے + اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا۔ پھر فرمایا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ حضور علیہ السلام کا نسب نامہ بیان ہوا۔ کہ وہ تم میں سے

یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں + حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ سے آخر تک حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہ ہی تین باتیں بیان ہوتی ہیں "

(۳) لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول علیہ السلام کو بھیجدیا۔ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ رب العٰلمین وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا + غرضکہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا + معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت الٰہیہ ہے۔ اب اگر جماعت کی نماز میں امام یہ ہی آیاتِ ولادت پڑھے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے۔ دیکھو امام صاحب کے پیچھے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے۔ کیونکہ اس میں ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ محمد اللہ کے رسول ہیں رسول کے معنےٰ ہیں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لئے آنا ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہوگیا۔ اصل میلاد پایا گیا +

قرآن کریم نے تو انبیاء علیہم السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے + سورۂ مریم میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادتِ پاک کا ذکر + حتیّٰ کہ حضرت مریم کا دردِ زِہ ۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا پھر ان کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پانا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اس وقت کیا غذا کھائی۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمانا غرضکہ سب ہی بیان فرمایا۔ یہ ہی میلاد خواں بھی پڑھتا ہے۔ کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں معجزات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا۔ پھر اس طرح حورانِ بہشتی آپ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتون کے گھر کو سجدہ کیا وغیرہ وغیرہ وہ ہی قرآنی سنت ہے۔ اسی طرح قرآن نے حضرت موسٰی علیہ السلام کی پیدائش، ان کی شیرخوارگی، ان کی پرورش، ان کی بکریاں چرانا، ان کا نکاح، ان کو نبوت ملنا سب کچھ بیان فرمایا۔ یہ ہی باتیں میلاد پاک میں ہوتی ہیں +

مدارج النبوۃ وغیرہ نے فرمایا کہ سارے پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبریں دیں + حضرت عیسٰی علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل فرمایا وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا

نام پاک احمد ہے۔ سبحان اللہ بچوں کے نام پیدائش کے ساتویں روز ماں باپ رکھتے ہیں مگر ولادت پاک سے ۵۰۰ سال پہلے مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا نام احمد ہے۔ ہوگا نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ان کا نام پاک رب تعالیٰ نے رکھا۔ کب رکھا؟ یہ تو رکھنے والا جانے۔

یہ بھی میلاد شریف ہے۔ صرف فرق اتنا ہوا کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے مجمعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے۔ ہم اپنے مجمعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف لے آئے۔ فرق ماضی و مستقبل کا ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ ثابت ہوا کہ میلاد سنت انبیاء بھی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا یعنی اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔ معلوم ہوا کہ فضل الٰہی پر خوشی منانا حکم الٰہی ہے اور حضور علیہ السلام رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی۔ لہٰذا ان کی ولادت پر خوشی منانا اسی آیت پر عمل ہے۔ اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے لہٰذا ہر جائز خوشی اس میں داخل۔ لہٰذا محفل میلاد کرنا وہاں کی زیب و زینت سجے دھجے وغیرہ سب باعث ثواب ہیں۔

(۴) مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر ولادت میں ہے کہ شب ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔ ہاں ازلی راندہ ہوا شیطان رنج و غم میں بھاگا بھاگا پھرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میلاد سنت ملائکہ بھی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ بوقت پیدائش کھڑا ہونا ملائکہ کا کام ہے۔ اور بھاگا بھاگا پھرنا شیطان کا فعل۔ اب لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو میلاد پاک کے ذکر کے وقت ملائکہ کے کام پر عمل کریں یا شیطان کے۔

(۵) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت پاک اور اپنے اوصاف بیان فرمائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک میں طعن کرتے ہیں فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا پس منبر پر قیام فرما کر پوچھا بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں محمد ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو فرمایا تو ہم کو بہترین مخلوق میں سے

کیا۔ پھر ان کے دو حصے کئے عرب و عجم۔ ہم کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا۔ پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے۔ ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا۔ پھر قریش کے چند خاندان بنائے۔ ہم کو ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم میں سے کیا + اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم خاتم النبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا دیدار ہیں۔ جو کہ انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چمکا جس سے شام کی عمارتیں ان کو نظر آئیں۔ ان میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنے نعت شریف، اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا۔ یہ ہی میلاد شریف میں ہوتا ہے۔ ایسی صدہا احادیث پیش کی جاسکتی ہیں *

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جاکر فرمائش کرتے تھے۔ کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی نعت شریف سناؤ + معلوم ہوا کہ میلاد سنت صحابہ بھی ہے + چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اوّل میں ہے کہ حضرت عطا ابن یسار فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی وہ نعت سناؤ جو کہ توریت شریف میں ہے انہوں نے پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کی نعت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں۔ محمد اللہ کے رسول ہوں گے۔ میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ کج خلق۔ نہ سخت طبیعت۔ ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اور ان کی ہجرت طیبہ میں۔ ان کا ملک شام میں ہوگا۔ ان کی امت خدا کی بہت حمد کرے گی۔ کہ رنج و خوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین) *

(۷) یہ تو مقبول بندوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی۔ تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کر لیا۔ چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ وَمَا يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ میں ہے فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَهَبٍ اُرِيَهٗ بَعْضُ اَهْلِهٖ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ قَالَ اَبُوْلَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَكُمْ خَيْرًا اِنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِهٖ بِعَتَاقَتِيْ ثُوَيْبَةَ جب ابولہب مرگیا تو اس کو اس کے گھر والوں نے خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گذری۔ ابولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی۔ ہاں مجھے اس کلمے کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ کیونکہ میں نے ثویبہ لونڈی کو آزاد کیا تھا + بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبد اللہ کا بھائی تھا۔ اس کی لونڈی ثوبیہ نے آکر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبد اللہ کے گھر فرزند (محمد رسول اللہ) پیدا ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم + اس نے

خوشی میں اُس لونڈی کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے۔ یہ سخت کافر تھا جس کی بُرائی قرآن میں آرہی ہے۔ مگر اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اُس پر یہ کرم کیا۔ کہ جب دوزخ میں وہ پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اسُ انگلی کو چوستا ہے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔ حالانکہ وہ کافر تھا ہم مومن۔ وہ دشمن تھا ہم اُن کے بندے بے دام۔ اُس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی نہ کہ رسول اللہ کی۔ ہم رسول اللہ کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو وہ کریم ہیں ہم اُن کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے ؎

دوستاں را کجا کنی محروم ٭ تو کہ با دشمناں نظر داری

مدارج النبوۃ جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں "دریں جا سند است مراہلِ موالید را کہ در شبِ میلاد آں سرور سرور کنند و بذل اموال نمایند یعنی ابو لہب کہ کافر بود چوں بسرور میلاد آں حضرت و بذل شیر جاریہ وے بجہت آں حضرت جزا دادہ شد تا حالِ مسلمان کہ مملو است بمحبت و سرور و بذل مال در وے چہ باشد و لیکن باید کہ از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ انداز تغنی و آلات محرمہ و منکرات خالی باشد" اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو کہ حضور علیہ السلام کی شبِ ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابو لہب جو کہ کافر تھا جب حضور کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا۔ تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا۔ جو محبت و خوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے۔ لیکن چاہئے کہ محفلِ میلاد شریف عوام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو ٭

(۸) ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء و اولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے جس ملک میں بھی جاؤ مسلمانوں میں یہ عمل پاؤ گے۔ اولیاء اللہ و علماء اُمت نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ اور ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ تاکہ تم اے مسلمانو گواہ ہو۔ حدیث پاک میں بھی ہے اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہٰذا محفلِ میلاد پاک مستحب ہے ٭

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۵۰ میں ہے۔ کہ شیخ محمد طاہر محدث ربیع الاول کے متعلق فرماتے ہیں فانہ شهرٌ اُمِرْنَا بِاِظْهَارِ الْحُبُوْرِ فِيْهِ كُلَّ عَامٍ معلوم ہوا کہ ربیع الاول میں ہر سال خوشی منانے کا حکم ہے ٭

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے وَمِنْ تَعْظِیْمِہٖ عَمَلُ الْمَوْلِدِ اِذَا لَمْ یَکُنْ فِیْہِ مُنْکَرٌ قَالَ الْاِمَامُ السُّیُوْطِیُّ یَسْتَحِبُّ لَنَا اِظْہَارُ الشُّکْرِ لِمَوْلِدِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ بُری باتوں سے خالی ہو امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے + پھر فرماتے ہیں وَقَدْ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ الْہَیْتَمِیُّ اِنَّ الْبِدْعَۃَ الْحَسَنَۃَ مُتَّفِقٌ عَلٰی نَدْبِہَا وَعَمَلُ الْمَوْلِدِ وَاجْتِمَاعُ النَّاسِ لَہٗ کَذٰلِکَ بِدْعَۃٌ حَسَنَۃٌ قَالَ السَّخَاوِیُّ لَمْ یَفْعَلْہُ اَحَدٌ مِّنَ الْقُرُوْنِ الثَّلٰثَۃِ وَاِنَّمَا حَدَثَ بَعْدُ ثُمَّ لَا زَالَ اَہْلُ الْاِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْاَقْطَارِ وَالْمُدُنِ الْکِبَارِ یَعْمَلُوْنَ الْمَوْلِدَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَیَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَۃِ مَوْلِدِہِ الْکَرِیْمِ وَیَظْہَرُ مِنْ بَرَکَاتِہٖ عَلَیْہِمْ کُلُّ فَضْلٍ عَظِیْمٍ قَالَ ابْنُ الْجَوْزِیُّ مِنْ خَوَاصِّہٖ اَنَّہٗ اَمَانٌ فِیْ ذٰلِکَ الْعَامِ وَبُشْرٰی عَاجِلَۃٌ بِنَیْلِ الْبُغْیَۃِ وَالْمَرَامِ وَاَوَّلُ مَنْ اَحْدَثَہٗ مِنَ الْمُلُوْکِ صَاحِبُ اَرْبَلَ وَصَنَّفَ لَہُ ابْنُ دِحْیَۃَ کِتَابًا فِی الْمَوْلِدِ فَاَجَازَہٗ بِاَلْفِ دِیْنَارٍ وَقَدِ اسْتَخْرَجَ لَہُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ اَصْلًا مِّنَ السُّنَّۃِ وَکَذَا الْحَافِظُ السُّیُوْطِیُّ وَرَدَّ عَلٰی اِنْکَارِہَا فِیْ قَوْلِہٖ اِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ بِدْعَۃٌ مَّذْمُوْمَۃٌ ابن حجر ہیتمی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میں ایجاد ہوا۔ پھر ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود شریف کرتے رہے اور کرتے ہیں اور طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے میلاد پڑھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور اس مجلس پاک کی برکتوں سے اُن پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتی ہے اور اس میں مرادیں پوری ہونیکی خوشخبری ہے جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے اور ابن دحیہ نے اس کے لئے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو ہزار اشرفیاں نذر کیں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت سے ثابت کی ہے اور ان کا رد کیا ہے جو کہ اس کو بدعت سیئہ کہکر منع کرتے ہیں ٭

ملّا علی قاری مورد الروی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں لَا زَالَ اَہْلُ الْاِسْلَامِ یَحْتَفِلُوْنَ فِیْ کُلِّ سَنَۃٍ جَدِیْدَۃٍ وَیَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَۃِ مَوْلِدِہِ الْکَرِیْمِ وَیَظْہَرُ عَلَیْہِمْ مِّنْ بَرَکَاتِہٖ کُلُّ فَضْلٍ

عَظِیْم + اور اسی کتاب کے دیباچہ میں یہ اشعار فرماتے ہیں ؎

لِهٰذَا الشَّهْرِ فِي الْاِسْلَامِ فَضْلٌ ÷ وَمَنْقَبَةٌ تَفُوْقُ عَلَى الشُّهُوْرِ

رَبِيْعٌ فِيْ رَبِيْعٍ فِيْ رَبِيْعٍ ÷ وَنُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ (انوار ساطعہ)

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء محدثین مفسرین و صوفیاء نے اس کو اچھا جانا ہے۔ جیسے امام سیوطی، علامہ ابن حجر ہیتمی، امام سخاوی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر وغیرہم۔ تیسرے یہ کہ میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن، مراد پوری ہونا، مقاصد بر آنا حاصل ہوتا ہے +

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے۔ اس میں چند فائدے ہیں۔ مسلمانوں کے دل میں حضور علیہ السلام کے فضائل سن کر حضور علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے + شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی محبت بڑھانے کے لئے زیادتی درود شریف اور حضور علیہ السلام کے احوالِ زندگی کا مطالعہ ضروری ہے۔ پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے ہیں مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ یہ مجلس پاک غیر مسلموں میں تبلیغ احکام کا ذریعہ ہے۔ کہ وہ بھی اس میں شریک ہوں۔ حضور علیہ السلام کے حالات طیبہ سنیں، اسلام کی خوبیاں دیکھیں، خدا توفیق دے تو اسلام لے آویں + تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مسائل دینیہ بتانے کا موقعہ ملتا ہے۔ بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے۔ ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا۔ اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ اُن کو ہدایت کرو اچھا موقعہ ملتا ہے۔ چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جن میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت کی جاویں کیونکہ بمقابلہ نثر کے نظم دل میں زیادہ اثر کرتی ہے اور جلد یاد ہوتی ہے + پانچویں یہ کہ اس مجلس میں سننے سے مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کا نسب شریف، اولاد پاک، ازواج مطہرات اور ولادت پاک و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے + آج مرزائی، رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلومات ہوتی ہیں۔ رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفائے راشدین کے اسماء تبرا کرنے کو یاد ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں۔ میں نے بہت سے

بوڑھوں سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کتنی ہے؟ داماد کتنے ہیں! بے خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چرچا رہے تو بہت مفید ہو۔ بنی ہوئی چیز کو نہ بگاڑو بلکہ بگڑی ہوئی کو بنانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۹ پر فرماتے ہیں "کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں۔ اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں"۔ عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ ہو (کہ شرک و کفر کی محفل ہے محفل میلاد) نہ معلوم کہ اب پیر صاحب پر کیا فتوے لگیگا؟

(۱۱) ہم عرس کی بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں ہو سکتا حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استحباب کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جانیں۔ تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اُس کو نیتِ خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اُس کو اچھا جانتے ہوں وہ مستحب ہے۔ اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ شرعاً یہ منع نہیں اور مسلمان اس کو کار ثواب سمجھتے ہیں اور نیت خیر سے کرتے ہیں لہٰذا یہ مستحب ہے۔ مگر حرام کہنے والے اس کی حرمت پر کونسی قطعی الثبوت قطعی الدلالت حدیث یا آیت لائینگے صرف بدعت کہدینے سے کام نہیں چلتا"

دوسرا باب

میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات میں

مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور اُن کے حسب ذیل جوابات ہیں :-

(۱) محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے لہٰذا مولود حرام "

جواب۔ میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے۔ ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت الٰہیہ، سنتِ انبیاء، سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سنتِ صحابہ کرام، سنتِ سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے پھر بدعت کیسا؟ اور اگر بدعت ہو بھی۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے۔ اور مستحب بھی جائز بھی ہوتی

ہے اور مکروہ وحرام بھی۔ نیز پہلے باب میں تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بتا چکے۔ کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا ذکر کیونکر حرام ہو سکتا ہے؟

(۲) اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کا خلط ملط، داڑھی منڈوں کا نعت خوانی کرنا، غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے لہٰذا حرام ہے۔

جواب۔ اوّلاً یہ حرام چیزیں ہر مجلسِ میلاد میں ہوتی نہیں بلکہ اکثر نہیں ہوتیں۔ عورتیں پردوں میں علیحدہ بیٹھتی ہیں اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں۔ روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے باوضو بیٹھے ہیں سب درود شریف پڑھتے رہتے ہیں اور رقّت طاری ہوتی ہے۔ بسا اوقات آنسو جاری ہوتے ہیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے ؎

لذتِ بادۂ عشقش زمنِ مست مپرس * ذوقِ ایں مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی

ع ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں + اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں۔ تو یہ باتیں حرام ہونگی اصل میلاد شریف یعنی ذکرِ ولادتِ مصطفےٰ علیہ السلام کیوں حرام ہوگا۔ بحثِ عرس میں ہم عرض کرینگے۔ کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سُنّت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں۔ کیونکہ وہاں بے داڑھی والے بچے جوانوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اُن کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اُس کے بُرے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اور ترمذی و بخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث و تفسیر پڑھتے ہیں ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں ہوتیں۔ بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں۔ بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین داڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں۔ تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کئے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان محرمات کو روکنے کی کوشش کی جاوے گی۔ بتاؤ اگر داڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیسا؟ قرآن پڑھنا بند کروگے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر داڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

(۳) محفلِ میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے جس کی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہٰذا میلاد حرام۔

جواب۔ اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا۔ بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں رات کو ہو۔ وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا۔ دس گیارہ بجے تک ختم ہو جاتا ہے۔ اتنی دیر تک لوگ عموماً

ویسے بھی جاگتے ہی ہیں۔ اگر دیر لگ بھی جاوے۔ تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں جیساکہ بارہا کا تجربہ ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض محض ذکرِ رسول علیہ السلام کو رد کرنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر میں ختم ہؤا۔ اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی۔ تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہوگیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے دیگر مذہبی و قومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے ہیں، اور بعض جگہ نکاح کی مجلس آخر رات میں ہوتی ہے۔ رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے۔ تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے۔ کہو کہ یہ جلسے، یہ نکاح، یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفلِ میلاد پاک کیوں حرام ہوگی؟ ورنہ وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے ؂

(۴) علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے۔ اسی طرح تفسیراتِ احمدیہ شریف میں محفلِ میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کافر کہا۔ جس سے معلوم ہؤا کہ محفلِ میلاد سخت بُری چیز ہے ؂

جواب۔ شامی نے مجلسِ میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس مجلس میں گانے باجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں، کارِ ثواب سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔ وَاَقْبَحُ مِنْہُ النَّذْرُ بِقِرَاءَۃِ الْمَوْلِدِ فِی الْمَنَابِرِ مَعَ اِشْتِمَالِہٖ عَلَی الْغِنَاءِ وَاللَّعِبِ وَاِیْہَابِ ثَوَابِ ذٰلِکَ اِلٰی حَضْرَتِ الْمُصْطَفٰی اس سے بھی بُری میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر ماننا ہے۔ باوجودیکہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور علیہ السلام کو ہدیہ کرنا۔ اسی طرح تفسیراتِ احمدیہ نے ان گانے کی مجالس کو منع کیا۔ کہ جن میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔ اور لوگ اس کو سماع کہکر کارِ ثواب جانیں۔ تفسیراتِ احمدیہ نے اِن لغویات کی تصریح بھی کردی ہے۔ دیکھو تفسیراتِ احمدیہ سورۂ لقمان زیرِ آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ۔ ہم نے بھی پہلے عرض کیا کہ محفلِ میلاد میں لغویات نہ ہوں۔ مَیں نے خود کراچی میں دیکھا کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں۔ ایک بار سہسوان ضلع بدایوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے باپ کی فاتحہ کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون ریکارڈ میں سورۂ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ کی روح کو بخشا۔ ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اُس کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ اگر مطلقاً میلاد شریف کو

جائز ماننا کفر ہے. تو حاجی امداد اللہ صاحب پیر و مرشد بھی اس میں شامل ہو گئے جاتے ہیں +

(۵) نعت خوانی حرام ہے. کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئی ہے. اسی طرح تقسیم شیرینی کہ یہ اسراف ہے +

جواب. نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے. سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے. دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان میں + گذشتہ انبیائے کرام نے حضور علیہ السلام کی نعت خوانی کی. صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے. خود حضور علیہ السلام نے اپنی نعتِ پاک سُنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں + حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت منظوم کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لاتے تھے. تو حضور علیہ السلام اُن کیلئے مسجد میں منبر بچھوا دیتے تھے. حضرت حسّان اُس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سُنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعائیں دیتے تھے. کہ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اے اللہ حسّان کی روح القدس سے امداد کر (دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب الشعر) اِس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجلسِ مصطفےٰ علیہ السلام میں منبر دیا گیا + ابو طالب نے نعت لکھی + خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحبِ قصیدہ بردہ کو فالج ہو گیا تھا، کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا. آخر کار قصیدہ بردہ شریف لکھا. رات کو خواب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں کھڑے ہو کر سُنایا. شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مبارک بھی ملی + نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں مولانا جامی، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما. حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کہ سارے اولیاء و علماء نے نعتیں لکھی اور پڑھی ہیں. ان حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں + حدیث و فقہ میں گانے بجانے کی برائیاں ہیں نہ کہ نعت کی. جن گیتوں میں مخرّبِ اخلاق مضامین ہوں + عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں. اس کی پوری تحقیق کے لئے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بَابُ مَا یُقَالُ بَعْدَ التَّکْبِیْرِ (کِتَابُ الصَّلٰوۃ) اور باب الشعر میں دیکھو +

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے. اگرچہ اُن کے مضامین خراب ہوں مگر اُن کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے. دیوان متنبّی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں. تو نعتیہ اشعار سیکھنا، یاد کرنا، پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ، الفاظ بھی پاکیزہ

کس طرح ناجائز ہوسکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعر کی بحث میں ہے وَمَعْرِفَةُ شِعْرِهِمْ رِوَايَةً وَدِرَايَةً عِنْدَ فُقَهَاءِ الْإِسْلَامِ فَرْضُ كِفَايَةٍ لِاَنَّهُ تَثْبُتُ بِهِ قَوَاعِدُ الْعَرَبِيَّةِ وَكَلَامُهُمْ وَاِنْ جَازَ فِيهِ الْخَطَاءُ فِي الْمَعَانِي فَلَا يَجُوزُ فِيهِ الْخَطَاءُ فِي الْاَلْفَاظِ شعراء جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے عربی قواعد ثابت کئے جاتے ہیں اور اُن کے کلام میں اگرچہ معنوی خطا ممکن ہے مگر لفظی غلطی نہیں ہوسکتی۔ گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں قوالی کے ماتحت آوے گی ان شاء اللہ۔

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، خوشی کے موقعہ پر کھانا کھلانا، مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے عقیقہ، ولیمہ وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنت ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ خوشی کا موقعہ ہے خاص نکاح کے وقت خرمے تقسیم کرنا بلکہ اس کا لٹانا سنت ہے، اظہار خوشی کے لئے۔ مسلمان کو ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے، دعوت کرتا ہے، صدقہ وخیرات کرتا ہے، شیرینی تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح اساتذہ کرام کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پر پڑھنے والے سے شیرینی تقسیم کراتے ہیں۔ میں نے مینڈھو ضلع علیگڈھ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا۔ مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کرکے تقسیم شیرینی سنت سلف صالحین ہے اور محفل میلاد بھی اہم دینی کام ہے۔ اس سے پہلے اہل قرابت کو میلاد خوانوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی کرنا اسی میں داخل ہے اس تقسیم کی اصل قرآن وحدیث سے ملتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ (پارہ ۲۸ سورۂ مجادلہ) اے ایمان والو جب تم رسول سے کچھ آہستہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لئے بہتر اور بہت ستھرا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دینار خیرات کرکے حضور علیہ السلام سے دس مسئلے پوچھے اور بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہوگیا (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وخازن ومدارک) اگرچہ وجوب منسوخ ہوگیا۔ مگر اباحت اصلیہ اور استحباب تو باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا، مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر

حاضر ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح احادیث و قرآن یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے۔ میلاد شریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کارِ ثواب ہے۔ کہ ان میں بھی در حقیقت حضور ہی سے کلام کرنا ہے۔ تفسیر فتح العزیز صفحہ ۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی "و بیہقی در شعب الایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر ابن الخطاب سورۂ بقرہ را باحقائق آں در مدت دوازدہ سال خواندہ فارغ شد و روزے ختم شترے را کشتہ طعام وافر پختہ یاران حضرت پیغمبر را خورانید" بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق نے سورۂ بقر بارہ سال کی مدت میں اس کے رموز و اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کرکے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اہم کارِ خیر سے فارغ ہو کر تقسیم شیرینی و طعام ثابت ہوا۔ میلاد پاک بھی اہم کام ہے۔ بزرگانِ دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہلِ قرابت کے یہاں جاؤ تو خالی نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ تَهَادُوْا وَتَحَابُّوْا ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت بڑھے گی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب دیارِ محبوب یعنی مدینہ پاک میں جاوے تو وہاں کے فقراء کو صدقہ دے۔ کہ وہ جیرانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہوگا کہ کیا اعمال لائے؟ ؎

حق بفرماید چہ آوردی مرا ٭ اندراں مہلت کہ من دادم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں۔ کسی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ لَا خَيْرَ فِي السَّرَفِ اسراف میں بھلائی نہیں۔ فوراً جواب دیا لَا سَرَفَ فِي الْخَيْرِ بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

(۶) محفلِ میلاد کے لئے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلا کر نفل کی جماعت بھی منع ہے۔ تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟ (براہین)

جواب۔ مجلسِ وعظ، دعوتِ ولیمہ، مجالس امتحان و محفلِ نکاح و عقیقہ وغیرہ میں لوگوں کو بلایا ہی جاتا ہے۔ بولو یہ امور حرام ہوگئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح و وعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہٰذا ان کے لئے جمع کرنا حلال۔ تو جناب تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہم فرائض ہے لہٰذا اس کے لئے بھی جمع کرنا حلال ہے۔ نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے لہٰذا تلاوتِ قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہئے۔ وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفارق ہے۔

(۷) کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ وقت مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں یہ دونوں

ہیں لہٰذا یہ بھی شرک ہے ۔

جواب۔ خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے۔ اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون۔ اس کو شرک کہنا انتہا درجہ کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں۔ جیسے غرقِ فرعون، من و سلویٰ کا نزول وغیرہ (خزائن عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے۔ ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اوّل میں ہے سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ حضور علیہ السلام سے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔ ثابت ہوا کہ دوشنبہ کا روزہ اس لئے سُنّت ہے کہ یہ دن حضور علیہ السلام کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ یادگار منانا سُنّت ہے۔ اس کے لئے دن مقرر کرنا سنّت ہے۔ حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں عبادت کرنا سنّت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو۔ جیسے کہ روزہ اور نوافل یا مالی جیسے کہ صدقہ و خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ۔ مشکوٰۃ یہ ہی باب فصل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکریہ میں روزہ رکھتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ ہم موسیٰ علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں فَصَامَهٗ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا چنانچہ اوّل اسلام میں یہ روزہ فرض تھا۔ اب فرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر استحباب باقی ہے۔ اسی مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ عاشورہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا سال آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دو روزے رکھیں گے یعنی چھوڑا نہیں۔ بلکہ زیادتی فرما کر مشابہتِ اہلِ کتاب سے بچ گئے۔ ہم نے شانِ حبیب الرحمان میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ پنجگانہ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں۔ فجر میں دو مغرب میں تین عصر وغیرہ میں چار۔ وہاں جواب دیا ہے کہ یہ نمازیں گذشتہ انبیاء کی یادگاریں ہیں کہ حضرت

آدم علیہ السلام نے دنیا میں آکر رات دیکھی تو پریشان ہوئے۔ صبح کے وقت دو رکعت شکریہ ادا کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ دُنبہ پایا۔ لختِ جگر کی جان بچی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکریہ ادا کیں۔ یہ ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ نماز کی رکعت بھی دیگر انبیاء کی یادگار ہیں + حج تو از اوّل تا آخر ہاجرہ و اسمٰعیل و ابراہیم علیہم السلام کی یادگار ہے۔ اب نہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے اور نہ شیطان کا قربانی سے روکنا۔ مگر صفا مروہ کے درمیان چلنا، بھاگنا، منیٰ میں شیطان کو کنکر مارنا بدستور ویسے ہی موجود ہے محض یادگار کے لئے + اِس کی نفیس بحث مطالعہ کرو شانِ حبیب الرحمان میں +

ماہِ رمضان خصوصاً شب قدر اس لئے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اور فرماتا ہے اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ یہ رات تاقیامت اعلیٰ ہو گئے۔ تو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت پاک سے تاقیامت ربیع الاوّل اور اُس کی بارھویں تاریخ اعلیٰ و افضل ہو گئے + حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو روزِ عید قرار دے دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جس دن، جس تاریخ میں کسی اللہ والے پر اللہ کی رحمت آئی ہو وہ دن، وہ تاریخ تاقیامت رحمت کا دن بن جاتا ہے۔ دیکھو جمعہ کا دن اس لئے افضل ہے کہ اس دن میں گذشتہ انبیاء علیہم السلام پر ربّانی انعام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش، اُنہیں سجدہ، اُن کا دنیا میں آنا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگنا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا، موسےٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا، پھر آئندہ قیامت کا آنا یہ سب جمعہ کے دن ہے لہٰذا جمعہ سیّد الایام ہو گیا +

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قوموں پر عذاب آیا اُن سے ڈرو۔ منگل کے دن فصد نہ لو کہ یہ خون کا دن ہے۔ اسی دن ہابیل کا قتل ہوا۔ اسی دن حضرت حوّا کو حیض شروع ہوا۔ دیکھو اِن دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے۔ مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لئے ہو گئی +

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے۔ آج بھی یادگار اسمٰعیل شہید، یادگار مولانا قاسم خود مخالفین مناتے ہیں + اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے۔ تو مدرسہ

دیوبند کی تاریخ امتحان مقرر، تعطیل کے لئے ماہ رمضان مقرر، دستاربندی کے لئے دورہ مقرر، مدرسین کی تنخواہ مقرر، کھانے اور سونے کے لئے وقت مقرر، جماعت کے لئے گھنٹہ اور منٹ مقرر، نکاح و ولیمہ اور عقیقہ کے لئے تاریخیں مقرر + میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو تو آگ نہ لگاؤ۔ یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جائز ہی نہیں۔ اسی لئے ہمارے یو، پی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں + کاٹھیاواڑ میں خاص شادی کے دن، میت کے تیجہ، دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں + پھر ماہ ربیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سُنا گیا ہے کہ وہاں بھی عام باشندے میلاد شریف برابر کرتے ہیں +

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے۔ ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بُت سے نسبت رکھتی ہو جیسے ہولی، دیوالی کو اس کی تعظیم کے لئے دیگ پکائے یا مندر میں جاکر صدقہ کرے + اسی لئے مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی منت کی۔ تو فرمایا۔ کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا جا اپنی نذر پوری کر + یا اس تعین میں کفار سے مشابہت ہو۔ یا اُس تعین کو واجب جانے۔ اسی لئے مشکوٰۃ باب صوم النفل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا گیا۔ کیونکہ اس یہود سے مشابہت ہے + یا اُسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن اُسے روزے کا دن نہ بناؤ +

اِن اعتراضات سے معلوم ہُوا کہ مانعین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں۔ یوں ہی ایک چڑ پیدا ہوگئی ہے۔ اس لئے محض قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے ؛؛ نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔ مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں +

نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قولی اور فعلی۔ قولی تو قرآن کریم کی تلاوت، رکوع سجود کی تسبیح التحیات وغیرہ کا پڑھنا + اور فعلی عبادات چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، بیٹھنا۔ قیام کے معنیٰ ہیں اس

طرح سیدھا ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں + رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں۔ اسی لئے زیادہ کبڑے کے پیچھے تندرست کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ قیام نہیں کرسکتا ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے + سجدہ کے معنی ہیں سات اعضاء کا زمین پر لگنا۔ دونوں پاؤں کے پنجے دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی + اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی اُمتوں میں کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تحیۃ و تعظیم کے لئے۔ خدائے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا۔ اور یعقوب علیہ السلام اور اُن کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیماً بیٹھنے کو تو جائز رکھا مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ کو حرام کردیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ ہوتا ہے۔ کیونکہ غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے۔ اور اس کا فسخ حدیث پاک سے + یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجدہ کی نیت سے یہ کام کرے + لیکن اگر کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے جھکا۔ تو اگرچہ جھکنا تو پایا گیا۔ مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ رکوع نہیں ہاں تاحدِ رکوع جھک کر سلام کرنا حرام ہے یعنی تعظیماً تاحدِ رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لئے تھا اور وہ کام تعظیم کے لئے تو جائز جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے بہت ہی باریک ہے + شامی جلد پنجم کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے اَلْاِیْمَاءُ فِی السَّلَامِ اِلٰی قَرِیْبِ الرُّکُوْعِ کَالسُّجُوْدِ وَفِی الْمُحِیْطِ اَنَّہٗ یُکْرَہُ الْاِنْحِنَاءُ لِلسُّلْطٰنِ وَغَیْرِہٖ اسلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجدہ کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے +



پہلا باب
قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے۔ قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب، قیام مکروہ۔ قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کئے دیتے ہیں۔ جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود معلوم ہو جاوے گا۔ کہ یہ قیام کیسا ہے +

(۱) دنیاوی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ جب نماز جمعہ ہو جاوے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔ پھیلنا بغیر کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اولاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے آب زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرماوے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام ہے وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلٰوةِ وَ يُمَثِّلُ صُوْرَتَهُ الْكَرِيْمَةَ كَاَنَّهُ نَائِمٌ فِيْ لَحْدِهٖ عَالِمٌ بِهٖ يَسْمَعُ كَلَامَهُ روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑے ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔ اسی طرح عام مومنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارت القبور میں ہے يَخْلَعُ نَعْلَيْهِ ثُمَّ يَقِفُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلًا لِوَجْهِ الْمَيِّتِ اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔ روضہ پاک، آب زمزم، وضو کا پانی، قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں ان کی تعظیم قیام سے کرائی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے۔ اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسرا اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا۔ اگر ان کو محض مجبوری کی وجہ سے گھوڑے سے اتارنے کے لئے ہوتا تو سَيِّدِكُمْ نہ فرمایا جاتا۔ اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرداری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے۔ سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ نیز

گھوڑے سے اُتارنے کے لئے۔ تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا۔ خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا۔ ماننا پڑیگا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا۔ اور حضرت سعد انصار ہی کے سردار تھے ان سے تعظیم کرائی گئی جن لوگوں نے اِلٰی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام کے لئے تھا وہ اس آیت میں کیا کہیں گے ؟ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لئے کھڑا ہونا ہوتا ہے + اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے "حکمت در مراعات توقیر و اکرام سعد دریں مقام وامر تعظیم و تکریم او در دریں ہا آں باشد کہ او را برائے حکم کردن طلبیدہ بودند پس اعلانِ شان او دریں مقام اُولیٰ وانسب باشد"۔ اس موقعہ پر سعد کی تعظیم وتکریم کرانے میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو بنی قریظہ پر حکم فرمانے کے لئے بلایا تھا۔ اس جگہ ان کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا + مشکوٰۃ باب القیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاہُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِہٖ جب حضور علیہ السلام مجلس سے اُٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ اپنی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہوگئے + اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام میں زیر حدیث قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ ہے: "اجماع کردہ اند جماہیر علماء بایں حدیث بر اکرام اہل فضل از علم یا صلاح یا شرف و نووی گفتہ کہ ایں قیام مر اہل فضل را وقتِ قدوم آوردن ایشاں مستحب است و احادیث دریں باب درود یافتہ و در نہی ازاں صریحاً چیزے صحیح نہ شدہ از قنیہ نقل کردہ کہ مکروہ نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروئے بجہت تعظیم"۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علماء نے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نووی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اس بارے میں احادیث آئی ہیں۔ اور اس کی ممانعت میں صراحۃً کوئی حدیث نہیں آئی۔ قنیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں + عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے تَجُوْزُ الْخِدْمَۃُ بِغَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْقِیَامِ وَاَخْذِ الْیَدَیْنِ وَالْاِنْحِنَاءِ غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے جھک کر ہر طرح جائز ہے + اس جگہ جھکنے سے مراد حدِ رکوع سے کم جھکنا ہے تا حدِ رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے + درمختار جلد پنجم کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے یَجُوْزُ بَلْ یُنْدَبُ الْقِیَامُ تَعْظِیْمًا لِلْقَادِمِ یَجُوْزُ الْقِیَامُ وَلَوْ لِلْقَارِیِٔ بَیْنَ یَدَیِ الْعَالِمِ آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے۔ جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا

جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تلاوتِ قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آجاوے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے وَقِیَامُ قَارِی الْقُرْاٰنِ لِمَنْ یَجِیُٔ تَعْظِیْمًا لَا یُکْرَہُ اِذَا کَانَ مِمَّنْ یَسْتَحِقُّ التَّعْظِیْمَ قرآن پڑھنے والے کا آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔ شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے اور کوئی عالم آدمی آگیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے۔ یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے۔ لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا۔ تو خود مقتدی بن گئے۔ اور بیچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے (مشکوٰۃ باب مرض النبی) ان امور سے معلوم ہوا۔ کہ بزرگانِ دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔ مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے فَقَامَ طَلْحَۃُ ابْنُ عُبَیْدِ اللّٰہِ یُھَرْوِلُ حَتّٰی صَافَحَنِیْ وَھَنَّانِیْ۔ پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دوڑتے ہوئے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ اس جگہ نووی میں ہے فِیْہِ اِسْتِحْبَابُ مُصَافَحَۃِ الْقَادِمِ وَالْقِیَامِ لَہٗ اِکْرَامًا وَالْھَرْوَلَۃِ اِلٰی لِقَاءِہٖ اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا، اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا، اس کے ملنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آجاوے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا، ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے مشکوٰۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفےٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا فَقَامَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرْیَانًا فَاعْتَنَقَہٗ وَقَبَّلَہٗ ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے۔ پھر ان کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ لیا۔ مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتونِ جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتیں قَامَ اِلَیْھَا فَاَخَذَ بِیَدِھَا فَقَبَّلَھَا وَاَجْلَسَھَا فِیْ مَجْلِسِہٖ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑتے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھالیتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک کا بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھالیتیں۔ مرقات باب المشی بالجنازۃ فصل

دوم میں ہے وَفِیْہِ اِیْمَاءٌ اِلٰی نَدْبِ الْقِیَامِ لِتَعْظِیْمِ الْفُضَلَاءِ وَالْکُبَرَاءِ معلوم ہوا کہ فضلاء کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے + چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سنے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے۔ تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے + مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر نے ایک خوشخبری سنائی فَقُمْتُ اِلَیْہِ وَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا میں تو کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں + تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورۂ فتح زیر آیت محمد رسول اللہ ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا۔ کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے فَعِنْدَ ذٰلِکَ قَالَ الْاِمَامُ السُّبْکِیُّ وَجَمِیْعُ مَنْ فِی الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ اُنْسٌ عَظِیْمٌ بِذٰلِکَ الْمَجْلِسِ تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو۔ اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ پاک سے لگایا (کتب تواریخ)

عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے اِذَا دَخَلَ ذِمِّیٌّ عَلٰی مُسْلِمٍ فَقَامَ لَہٗ طَمَعًا فِیْ اِسْلَامِہٖ فَلَا بَاْسَ کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا۔ مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے +

(۵) چند جگہ قیام مکروہ یا حرام ہے۔ اولاً آب زمزم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔ دوسرے دنیادار کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیاوی لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اس کی مالداری کی وجہ سے مکروہ ہے + عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے وَاِنْ قَامَ لَہٗ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْوِیَ شَیْئًا مِمَّا ذَکَرْنَا اَوْ قَامَ طَمَعًا لِغِنَاہُ کُرِہَ لَہٗ ذٰلِکَ اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہوا یا اس کی مالداری کے طمع میں کھڑا ہوا تو مکروہ ہے۔ چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں۔ تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے + اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے۔ اس کے حوالہ دوسرے باب

میں آویں گے. انشاء اللہ. یہ تقسیم خیال میں رہے ؛

جب یہ تحقیق ہو چکی. تو اب پتہ لگ گیا کہ میلاد پاک میں ذکرِ ولادت کے وقت قیام کرنا سنتِ صحابہ اور سنتّ سلف صالحین سے ثابت ہے. کیونکہ ہم سنتِ قیام میں چوتھا قیام وہ بتا چکے. کہ جو خوشی کی خبر پاکر یا کسی پیارے کے ذکر پر ہو. اور پہلا قیام وہ بتایا جو کہ کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو. لہٰذا قیام میلاد چند وجہ سے سنت میں داخل ہوا. ایک تو اس لئے کہ یہ ذکرِ ولادت کی تعظیم کے لئے ہے. دوسرے اس لئے کہ ذکرِ ولادت سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کونسی خوشی ہو سکتی ہے. اور خوشی کی خبر پر قیام مسنون + تیسرے حضور علیہ السلام سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے وہ تو جان اولاد ماں باپ مال ومتاع سب سے زیادہ محبوب ہیں صلی اللہ علیہ وسلم + اُن کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف صالحین ہے. چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ درِ دولت پر کھڑے ہوئے تھے. اس لئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعل ملائکہ سے مشابہ ہے + پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا نسب شریف منبر پہ کھڑے ہو کر بیان فرمایا. تو اس قیام کی اصل مل گئی. چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا. اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں. اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے. ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں.

نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں. وُہ شریعت میں مستحب ہے + شامی جلد سوم کتاب الوقف. وقفِ منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں لان التعامل یترك به القیاس لحدیث ماراٰہ المومنون حسنًا فھو عند اللہ حسن یعنی پنکھی وجنازہ وغیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہیئے. مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہٰذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا. دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھنے لگیں اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے + درمختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارت الفاسدہ میں ہے وَجَازَ اِجَارَۃُ الْحَمَّامِ لِاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ دَخَلَ حَمَّامَ الْجُحْفَۃِ وَلِلْعُرْفِ وَقَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہر حجفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا اور حضور فرماتے ہیں کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے + اس کے ماتحت شامی

میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جحفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے بعض نے کہا۔ کہ موضوع ہے۔ لہٰذا اب حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام تو ثابت ہوا کہ مسلمان جو کام عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے لِاَنَّ النَّاسَ فِیْ سَائِرِ الْاَمْصَارِ یَدْفَعُوْنَ اُجْرَۃَ الْحَمَّامِ فَدَلَّ اِجْمَاعُھُمْ عَلٰی جَوَازِ ذٰلِكَ وَاِنْ کَانَ الْقِیَاسُ یَاْبَاہُ کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اُجرت دیتے ہیں پس اُن کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔ ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا اور کرایہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں لہٰذا یہ جائز ہے۔ قیام میلاد کو بھی عام مسلمان مستحب سمجھتے ہیں لہٰذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ اے مسلمانو ہمارے نبی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو۔ تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ و رکوع۔ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہوکر بھی پڑھے جاتے ہیں۔ لہٰذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہوکر ہونا چاہیئے۔ دیکھو کُلُوْا وَاشْرَبُوْا میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو۔ تو بریانی، زردہ، قورما سب ہی حلال ہوا۔ خواہ خیر القرون میں ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی تُوَقِّرُوْہُ کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو۔

آٹھویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقوے سے ہے۔ روح البیان نے زیر آیت وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں اُن کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔ جیسے کہ بعض مہینے، بعض دن، بعض مقامات بعض اوقات وغیرہ اسی لئے صفا و مروہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان، شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہٰذا اس کی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔

ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا۔ مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں۔ محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔

دوسرا باب

قیام میلاد پر اعتراض وجواب میں

(۱) چونکہ میلاد کا قیام اول تین زمانوں میں نہیں تھا لہٰذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ حضور کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو۔ اپنی ایجادات کو اس میں دخل نہ ہو۔ کیا ہم کو بمقابلہ صحابہ کرام حضور سے زیادہ محبت ہے جب اُنہوں نے یہ نہ کیا تو ہم کیوں کریں؟

جواب۔ بدعت کا جواب۔ تو بار ہا دیا جاچکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔ رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو۔ کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند وغیرہ کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہونی چاہئے جو سنت سے ثابت ہے۔ تو علماء دیوبند کی آمد پر سٹیشن پہ جانا، ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا، ان کے لئے جلوس نکالنا، جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا، کرسیاں لگانا، وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا مسند اور قالین بچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کر سکتے۔ تو فرمایئے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہٰذا آپ کا یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ بلکہ رکوع وسجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبۂ دل جس طرف رہبری کرے وہ عبادت ہے+ لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں اور فارسی اور بعض جگہ اُردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے۔ جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں+ لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے۔ اور چترال میں اور فارسی میں نہیں ہر ملکے ہر رسمے

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح ؛ سندھیاں را اصطلاح سندھ قدح

مرقات واشعۃ اللمعات کے مقدمہ میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور ہیبت ووقار سے بیٹھتے تھے۔ کہیے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبۂ دل ہے عین ثواب ہے+ تفسیر روح البیان زیر آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ میں ہے کہ ایاز کے فرزند کا نام تھا محمد سلطان۔ اس کا نام لے کر

پکارتے تھے۔ ایک روز غسل خانہ میں جاکر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا۔ کہ حضور کیا قصور ہوا کہ غلام زادے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ؛ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کہیے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہیے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہما اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ السلام تھا؛

(۲) اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو اور میلاد شریف میں اوّل سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان کھڑے ہو گئے؛

جواب۔ یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر کسی کو اللہ توفیق دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اول تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے خواہ ہر وقت کھڑے ہو یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے + اعلیحضرت قدس سرہٗ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے۔ دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے۔ اُن کا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا۔ مگر چونکہ از اول تا آخر کھڑا ہونا عوام کو دشوار ہوگا۔ اس لیے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اُونگھ جاتے ہیں۔ کھڑا کرکے صلوٰۃ وسلام پڑھایا تاکہ نیند جاتی رہے۔ اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں تاکہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب! نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بعض بیٹھ کر۔ ہر ذکر کھڑے ہو کر ہی کیوں نہ کیا؟ نیز جب التحیات میں اشہد ان لاالہ الا اللہ پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے۔ اور ہزار ہا موقعوں پر آپ یہی کلمہ پڑھتے ہو۔ انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو کہیعص اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کرے۔ کاف پر، ہ پر، ی پر وغیرہ۔ پھر حمعسق پڑھے۔ ہر حرف پر ایک انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے۔ تو جب تلاوت قرآن کے دوران میں یہ کلمے آتے ہیں۔ تو یہ اشارہ کیوں نہیں۔ اور یہ اشارے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں۔ حزب البحر وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے + نیز طواف خانہ کعبہ میں پہلے طواف کے چار چکروں میں اضطباع بھی کرتے ہیں

اور پل بھی۔ بعد میں کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کے صدہا سوالات کئے جا سکتے ہیں + امام بخاری نے بعض احادیث کو اسناداً بیان کیا۔ بعض کو تعلیقاً۔ سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے ؛

(۳) لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہٰذا قیام ناجائز ہے ؛

جواب۔ یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں۔ نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے اور نہ تقریروں میں کہا۔ عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کارِ ثواب ہے۔ پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں؟ اور اگر واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا بُرا ہوگا نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے + نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر واجب۔ تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا۔ نہ یہ کہ درود نماز ہی منع ہو جاوے۔ اس کی تحقیق حاجی امداد اللہ صاحب نے "ہفت مسئلہ" میں خوب کی ہے + رہا یہ کہ مسلمان اس کو پابندی سے کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں یہ بالکل درست ہے + مشکوٰۃ باب القصد فی العمل میں ہے اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔ ہر کارِ خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے۔ مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں، خوشبو لگاتے ہیں۔ مدارس میں ہر رمضان وجمعہ میں چھٹی کرتے ہیں ہر سال امتحان لیتے ہیں، مسلمان ہر رات کو سوتے ہیں۔ ہر دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں۔ تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی وجوب کی علامت ہیں۔ رہا قیام نہ کرنے والوں کو وہابی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہو گئی ہے۔ اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علاماتِ کفار سے بچنا علامت اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے۔ اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا جنتی ہو گیا (مشکوٰۃ کتاب الایمان) کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی۔ پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے۔ تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آ کر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں + کہتے بات تو سچی کہہ رہے ہیں۔ مگر ہیں جھوٹے + پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم

نہایت ہی عبادت گذار ہو گی۔ مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے + نیز حدیث میں آیا۔ کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے (دیکھو دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب القصاص باب قتل اہل الردہ) یہ تین امور تین زمانہ کے اعتبار سے ہیں + شرح فقہ اکبر میں ملّا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ سنّی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا حُبُّ الْخَتَنَیْنِ تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ وَالْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ دو دامادوں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا۔ شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا + تفسیرات احمدیہ میں سورۂ انعام زیر آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ہے کہ سیدنا عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنّی ہے تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ، تَوْقِیْرُ الْخَتَنَیْنِ، تَعْظِیْمُ الْقِبْلَتَیْنِ، اَلصَّلٰوۃُ عَلَی الْجَنَازَتَیْنِ اَلصَّلٰوۃُ خَلْفَ الْاِمَامَیْنِ، تَرْکُ الْخُرُوْجِ عَلَی الْاِمَامَیْنِ: اَلْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ: وَالْقَوْلُ بِالتَّقْدِیْرَیْنِ: وَالْاِمْسَاکُ عَنِ الشَّهَادَتَیْنِ: وَاَدَاءُ الْفَرِیْضَتَیْنِ + مرقات شرح باب المسح علی الخفین میں ہے سئل انس ابن مالکؓ عن علامۃ اهل السنّۃ والجماعۃ فقال ان تحب الشیخین ولا تطعن الختنین وتمسح علی الخفّین + درمختار باب المیاہ میں ہے وَالتَّوَضُّوءُ مِنَ الْحَوْضِ اَفْضَلُ رَغْمًا لِّلْمُعْتَزِلَةِ حوض سے وضو کرنا افضل ہے معتزلہ کو جلانے کے لئے ہے + اسی جگہ شامی میں ہے لِاَنَّ الْمُعْتَزِلَةَ لَا یُجِیْزُوْنَهٗ مِنَ الْحِیَاضِ فَنُرْغِمُهُمْ بِالْوُضُوْءِ مِنْهَا یعنی معتزلہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں لہٰذا ہم ان کو حوض سے وضو کر کے جلائیں گے۔ دیکھو حوض سے وضو کرنا، چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے۔ لہٰذا ان کو سنّی کی پہچان قرار دیا۔ اسی طرح قیام میلاد فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔ مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہو گئے۔ لہٰذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنّی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیوبندی کی ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے + نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلا وجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے + آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں۔ مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا + اسی طرح محفل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک زنّار باندھنا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا، قرآن

پاک ٹپکنا نجاست، میں کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے ؛

نوٹ ضروری:- یہ سوال ۳ اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ فاتحہ عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود سُنّی ہونے کی علامات ایجاد کر لی ہیں حدیث و قرآن میں یہ علامت نہیں ہے۔ سب جگہ کے لئے یہی جواب دیا جاوے بہت مفید ہوگا انشاء اللہ ؛

(۴)، کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ مشکوٰۃ باب القیام میں ہے وَكَانُوا اِذَا رَاَوْہُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ناپسند ہے + مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈے + مشکوٰۃ باب القیام میں ہے لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ عجمی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو + ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔ تو میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں۔ پھر تعظیمی قیام کیونکر جائز ہو سکتا ہے ؟

جواب۔ ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا۔ ورنہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوالِ فقہاء نقل کئے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لئے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا درمیان میں بیٹھا رہنا ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں + پہلی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے " وحاصل آنکہ قیام و ترک قیام بحسب ازمان و احوال و اشخاص مختلف گردد وازیں جا است کہ گاہے کردند گاہے نہ کردند " + خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی لئے صحابہ کرام نے کبھی تو حضور کے لئے قیام کیا اور کبھی نہ کیا + معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پہ کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں۔ نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونے کا ذکر پہلے ہو چکا۔ اور آپ کا قیام سے کراہت فرمانا تواضعاً و انکساراً تھا۔ لہٰذا اس جگہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نفی ہے نہ مطلقاً کی + دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے " قیام مکروہ بعینہٖ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر وے محبتِ قیام نہ دارد قیام برائے وے مکروہ نیست قاضی

عیاض مالکی گفتہ کہ قیام منہی درحق کسی است کہ نشستہ باشد وایستادہ باشند پیش وے ودر قیام تعظیم برائے اہلِ دنیا بجہت دنیائے ایشاں وعید شدید وارد شدہ ومکروہ است۔" خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا داروں کے لئے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب حکم الاسراء زیر حدیث قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ میں ہے قَالَ النَّوَوِیُّ فِیْهِ اِکْرَامُ اَهْلِ الْفَضْلِ وَتَلَقِّیْهِمْ وَالْقِیَامُ اِلَیْهِمْ وَاحْتَجَّ بِهِ الْجُمْهُوْرُ وَقَالَ الْقَاضِیْ عِیَاضُ لَیْسَ هٰذَا مِنَ الْقِیَامِ الْمَنْهِیِّ عَنْهُ وَاِنَّمَا ذٰلِكَ فِیْمَنْ یَّقُوْمُوْنَ عَلَیْهِ وَهُوَ جَالِسٌ وَیَمْثُلُوْنَ لَهٗ قِیَامًا طُوْلَ جُلُوْسِهٖ نووی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا، ان کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ جمہور علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام منع قیاموں میں سے نہیں۔ ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے آگے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلاد کا قیام ان میں سے نہیں۔ نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سرو قد کھڑے ہو جاتے ہیں وہ کیوں جائز ہے؟

بحث فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوالِ فقہاء سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا۔ نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ میں ہے کہ حضرت سعد نے کنواں کھدوا کر فرمایا کہ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ ام سعد کا کنواں ہے۔ فقہاء نے ایصالِ ثواب کا حکم دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی۔ ہاں نماز کا ثواب بخشا جا

سکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الفتن باب الملاحم فصل دوم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے فرمایا
کہ من یضمن لی منکم ان یصلی فی مسجد العشار رکعتین ویقول ھذہٖ لابی ھریرۃ اس سے
تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصال ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے
دوسرے یہ کہ زبان سے ایصال ثواب کرنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو دے بہت بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ
برکت کی نیت سے بزرگانِ دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعثِ ثواب ہے۔ رہی عبادت مالی یا مالی و
بدنی کا مجموعہ جیسے کہ زکوٰۃ اور حج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کہدے کہ تم میری طرف سے زکوٰۃ دے
دو تو دے سکتا ہے اور اگر صاحبِ مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کرا سکتا ہے
لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا مال دے دوں تو وہ مالک ہو جاوے گا۔ اسی طرح
یہ بھی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا۔ اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو کر ملا۔ مگر ثواب
اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا ملا۔ اور خود بھی محروم نہ رہا۔ جیسے کہ کسی کو قرآن پڑھایا۔ تو سب کو پورا
قرآن آگیا اور پڑھانے والے کا جاتا نہ رہا۔

شامی جلد اول بحث دفن میت۔ اسی لئے نابالغ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے
بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
اكْتَسَبَتْ ہر نفس کے لئے وہ ہی مفید و مضر ہے جو اس نے خود کرلیا۔ نیز قرآن میں ہے لَيْسَ لِلْإِنسَانِ
إِلَّا مَا سَعَىٰ انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لئے مفید نہیں
لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لئے قابلِ بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال
ہیں۔ نہ معلوم کہ کوئی اور ایصالِ ثواب کرے یا نہ کرے۔ اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو
تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا۔ یہاں اس
کی نقل ہے۔ یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے واتبعتھم ذریتھم بالایمان یہ ہی عبد اللہ ابن عباس
کا قول ہے اسی لئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیل جنت میں جاویں گے۔ بغیر عمل درجات پائیں گے
دیکھو جمل و خازن۔ یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے۔ اسی لئے ان میں کسب وسعی کا ذکر
ہے۔ نہ کہ ہبہ ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل۔ غرضکہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی ایصالِ ثواب کی شاخیں ہیں۔ فاتحہ میں صرف یہ

ہوتا ہے۔ کہ تلاوتِ قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کرکے ثواب پہنچایا جاتا ہے

پہلا باب
فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۸ سورہ انعام زیر آیت وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ میں ہے۔ وَ عَنْ حُمَيْدِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ وَخَتَمَهٗ ثُمَّ دَعَا اٰمَنَ عَلٰى دُعَائِهٖ اَرْبَعَةُ الْاٰفِ مَلَكٍ ثُمَّ لَا يَزَالُوْنَ يَدْعُوْنَ لَهٗ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ اِلَى الْمَسَاءِ اَوْ اِلَى الصَّبَاحِ حضرۃ اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں شام یا صبح تک ۔ یہ ہی مضمون نووی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت القرآن میں بھی ہے ۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایصال ثواب بھی دعا ہے۔ لہٰذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے ۔ اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور میں ہے" وتصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز" میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے ۔ اسی اشعۃ اللمعات میں اسی باب میں ہے" وبعض روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کنند از وے یا نہ" جمعرات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ لوگ کرتے ہیں یا نہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں اس کی یہ اصل ہے ۔ انوار ساطعہ صفحہ ۱۴۵ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ تیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے ۔

نووی نے کتاب الاذکار باب تلاوت القرآن میں فرمایا کہ انس ابن ملک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کرکے دعا مانگتے ۔ حکم ابن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع مجاہد و عبدہ ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے ۔ حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے وقت جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (نووی کتاب الاذکار) لہٰذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت

سلف ہے + در مختار بحث قرأت للمیت باب الدفن میں ہے وَفِی الْحَدِیْثِ مَنْ قَرَءَ الْاِخْلَاصَ اَحَدَ عَشَرَ مَرَّۃً ثُمَّ وَھَبَ اَجْرَھَا لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِیَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو اُس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملیگا. شامی میں اسی جگہ ہے وَیَقْرَءُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاتَیَسَّرَ لَہٗ مِنَ الْفَاتِحَۃِ وَاَوَّلِ الْبَقَرَۃِ وَاٰیَۃِ الْکُرْسِیِّ وَاٰمَنَ الرَّسُوْلُ وَسُوْرَۃِ یٰسٓ وَتَبَارَکَ الْمُلْکُ وَسُوْرَۃِ التَّکَاثُرِ وَالْاِخْلَاصِ اِثْنَیْ عَشَرَ مَرَّۃً اَوْ اِحْدٰی عَشَرَ اَوْ سَبْعًا اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَا قَرَءْنَاہُ اِلٰی فُلَانٍ اَوْ اِلَیْھِمْ جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورۂ فاتحہ بقر کی اوّل آیات اور آیۃ الکرسی اور اٰمن الرسول اور سورۂ یٰسٓ اور ملک اور سورۂ تکاثر اور سورۂ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین دفعہ پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اِس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچادے + اِن عبارات میں فاتحہ مروّجہ کا پورا طریقہ بتایا گیا. یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا. پھر ایصالِ ثواب کی دعا کرنا اور دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے. لہذا ہاتھ اٹھادے. غرضکہ فاتحہ مروّجہ پوری پوری ثابت ہوئی + فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۷۵ میں ہے طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند بر آں قُل وفاتحہ ودرود خواندن متبرک می شود وخوردن بسیار خوب است جس کھانے پر حضراتِ حسنین ؓ کی نیاز کریں اُس پر قُل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعثِ برکت ہے اور اُس کا کھانا بہت اچھا ہے + اسی فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۴۱ میں ہے "اگر مالیدہ وشیر برائے فاتحہ بزرگے بقصدِ ایصالِ ثواب بروحِ ایشاں پختہ بخوراند جائز است مضائقہ نیست." اگر دودھ مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ایصالِ ثواب کی نیت سے پکا کر کھلادے تو جائز ہے. کوئی مضائقہ نہیں +

مخالفین کے پیشوا شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا چنانچہ اس کا تذکرہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا "روزِ سوم کثرتِ ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیرون از حساب است ہشتاد ویک کلام اللہ بشمار آمدہ وزیادہ ہم شدہ باشد وکلمہ را حصر نیست." تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ شمار میں آئے. اور زیادہ بھی ہوئے ہونگے. کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں +

اس سے تیجہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ کرانا ثابت ہوا + مولوی محمد قاسم صاحب بانیٔ مدرسہ دیوبند تحذیر الناس صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں "جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہوگیا. آپ نے سبب

پوچھا تو برسئے مکاشفہ اُس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچہزار بار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایات میں اس قدر کلمے کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے آپ نے جی ہی جی میں اُس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اُس کو اطلاع نہ دی۔ بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے سبب پوچھا۔ اُس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور حدیث کی تصیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی + اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ ایک لاکھ پانچہزار بخشنے سے مردے کی بخشش کی اُمید ہے اور تیجہ میں چنوں پر یہی پڑھا جاتا ہے ،،

ان تمام عبارات سے فاتحہ اور تیجہ وغیرہ کے تمام مراسم کا جواز معلوم ہوا۔ فاتحہ میں پنج آیت پڑھنا پھر ایصالِ ثواب کے لئے ہاتھ اٹھاکر دعا کرنا تیجہ کے دن قرآن خوانی۔ کلمہ شریف کا ختم۔ کھانا پکا کر نیاز کرنا سب معلوم ہوگیا۔ صرف ایک بات باقی ہے کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنا۔ اس کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں تو اوّلاً کھانا فقراء کو کھلا دیتے ہیں پھر بعد میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اور یو، پی و پنجاب اور عرب شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کراتے ہیں پھر کھلاتے ہیں دونوں طرح جائز ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے + مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملاحظہ فرماکر صاحبِ طعام کے لئے دعا فرمائی۔ بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میزبان کو دعا دو۔ اسی طرح مشکوٰۃ باب آداب الطعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًا عَنْهُ رَبَّنَا جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد دو چیزیں مسنون ہیں۔ حمد الٰہی کرنا اور صاحبِ طعام کے لئے دعا کرنا اور فاتحہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے۔ رہا کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھاکر دعا کرنا۔ اس کی بہت سی احادیث آئی ہیں + مشکوٰۃ باب المعجزات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرمے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لئے دعائے برکت فرمادیں فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَا لِيْ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ آپ نے اُن کو ملایا اور دعائے برکت کی + مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اوّل میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام میں کھانے کی کمی ہوگئی حضور علیہ السلام

نے تمام اہلِ لشکر کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہو لاؤ۔ سب حضرات کچھ نہ کچھ لائے دسترخوان بچھایا گیا اس پر یہ سب رکھا گیا فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَکَۃِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِیْ اَوْعِیَتِکُمْ پس اس پر دعا فرمائی اور فرمایا کہ اب اس کو اپنے برتنوں میں رکھ لو+ اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔ حضرت ام سلیم نے کچھ کھانا بطور ولیمہ پکایا۔ لیکن بہت لوگوں کو بلایا گیا فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی تِلْکَ الْحَیْسَۃِ وَتَکَلَّمَ بِمَا شَآءَ اللّٰہُ اس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا۔

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔ کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ تھوڑا کھانا پکا کر حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ حضور علیہ السلام اُن کے مکان میں تشریف لائے۔ فَاَخْرَجْتُ لَہٗ عَجِیْنًا فَبَصَقَ فِیْہِ وَبَارَکَ آپ کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعائے برکت کی۔ اس قسم کی بہت سی روایات پیش کی جا سکتی ہیں مگر لتنے پر کفایت کرتا ہوں

اب فاتحہ کے تمام اجزا بخوبی ثابت ہو گئے والحمدللہ۔ عقلاً بھی فاتحہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جیسا پہلے مقدمہ میں عرض کیا جا چکا کہ فاتحہ دو عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تلاوتِ قرآن اور صدقہ اور جب یہ دونوں کام علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ بریانی کھانا کہیں بھی ثابت نہیں مگر حلال ہے۔ کیوں اس لئے کہ بریانی، چاول، گوشت، گھی وغیرہ کا مجموعہ ہے اور جب اس کے سارے اجزا حلال تو بریانی بھی حلال۔ ہاں جہاں چند حلال چیزوں کا جمع کرنا حرام ہو جیسے کہ دو ہمشیرہ ایک کے نکاح میں یا چند حلال چیزوں کے ملنے سے کوئی حرام چیز بن جاوے مثلاً مجموعہ میں نشہ پیدا ہو گیا تو یہ مجموعہ اس عارضہ کی وجہ سے حرام ہوگا۔ یہاں قرآن کی تلاوت اور صدقہ جمع کرنا شریعت نے حرام نہ کیا اور ان کے اجتماع سے کوئی حرام چیز پیدا نہ ہوئی۔ پھر یہ کام حرام کیوں ہوگا+ دیکھو بکری مر رہی ہے اگر ویسے ہی مر جائے تو مردار ہے جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہو گئی۔ قرآن کریم تو مسلمانوں کے لئے رحمت اور شفاء ہے شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ پھر اگر اس کی تلاوت کر دینے سے کھانا حرام ہو جاوے تو قرآن رحمت کہاں رہا زحمت ہوا+ مگر ہاں مومنین کے لئے رحمت ہے کفار کے لئے زحمت وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا اس سے ظالم تو نقصان میں رہتے ہیں۔ کہ اس کے پڑھے جانے سے

کھانے سے محروم ہو گئے + نیز جس کے لئے دعا کرنا ہو اُس کو سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہئے + جنازے میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اسی لئے دعا ہے اِس کو سامنے رکھ لیا + اِسی طرح کھانے کو سامنے رکھ کر دعا کی تو کون سی خرابی ہے اِسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں + حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبوحہ جانور سامنے رکھ کر پڑھا اَللّٰھُمَّ ھٰذَا مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ اے اللہ یہ قربانی میری اُمت کی طرف سے ہے + حضرت خلیل اللہ نے کعبہ کی عمارت سامنے لیکر دعا کی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا الآیۃ اب بھی عقیقہ کا جانور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب ہو تو کیا حرج ہے؟

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں۔ اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے۔ اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو۔ تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہیئے +

مانعین کے پیشوا بھی فاتحہ مروّجہ کو جائز سمجھتے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں "پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدا سوال نمایند" پھر دس بار درود پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر تمام خواجگانِ چشت کی فاتحہ دیں پھر خدا سے دعا کریں + شاہ ولی اللہ صاحب زبدۃ النصائح صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں "و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصدِ ایصالِ ثواب بروحِ ایشاں پزند و بخورند مضائقہ نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شود اغنیاء را ہم خوردن جائز است" دودھ چاول کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے اُن کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھائیں اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے + مولانا اشرف علی و رشید احمد صاحبان کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں نفس ایصالِ ثواب ارواحِ اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اِس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب و فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعثِ تقلید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بمصلحت نماز میں سورۂ خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے تو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے" پھر فرماتے ہیں "جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقتِ قلب و زبان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے۔ اگر یہاں بھی زبان

سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشارٌ الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا تو جمع بین العبادتین ہے۔ پھر فرماتے ہیں اور گیارھویں حضرت غوث پاک کی دسویں بیسواں، چہلم، ششماہی، سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور سہ منی حضرت شاہ بو علی قلندر اور حلوا شب برات و دیگر طریق ایصال ثواب کے کسی قاعدے پر مبنی ہیں۔"

پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرما دیا۔ الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل عقلیہ نقلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے۔ آمین

دوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں:-

(۱) بہت سے فقہاء نے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لئے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی عالمگیری) بلکہ بزازیہ نے تو لکھا ہے وَبَعْدَ الْاُسْبُوْعِ یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے اس میں برسی ششماہی چہلم سب شامل ہیں۔ نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی "کہ بعد مردن من رسوم دنیاوی دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ" نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میّت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ

جواب۔ فقہا نے میت کے ایصال ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں۔ جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میّت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی قوم کے طعنہ سے بچنے کے لئے جو میّت کے تیجہ، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ نام و نمود کے لئے ہے۔ اور موت نام و نمود کا وقت نہیں ہے اگر فقراء کو بغرض ایصال ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے وَیُکْرَہُ اِتِّخَاذُ الضِّیَافَۃِ مِنْ اَھْلِ الْمَیِّتِ لِاَنَّہٗ شُرِعَ فِی السُّرُوْرِ لَا فِی الشُّرُوْرِ

یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ تو خوشی کے موقعہ پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔ دعوت لینے کے دہی معنیٰ کہ برادری مجبور کرے کہ روٹی کر + پھر فرماتے ہیں وَهٰذِهِ الْاَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ فَيُحْتَرَزُ عَنْهَا لِاَنَّهُمْ لَا يُرِيْدُوْنَ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے بچے۔ کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے + صاف معلوم ہُوا کہ فخریہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے + پھر فرماتے ہیں وَاِنِ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَآءِ كَانَ حَسَنًا اگر اہلِ میت نے فقراء کے لئے کھانا پکانا تو اچھا ہے + یہ فاتحہ کا جواز ہے + قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تیجہ دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے۔ وہ فرماتے ہیں رسوم دنیادی جو تیجہ وغیرہ ہے وہ نہ کریں۔ رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تیجا وغیرہ کو جمع ہو کر رونا پیٹنا نوحہ کرنا وہ واقعی حرام ہے۔ اِسی لئے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ ماتم جائز نہیں۔ اِس جگہ ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں۔ جس کا مقصد یہ ہُوا کہ تیجہ وغیرہ میں ماتم نہ کریں + تمہارا یہ کہنا کہ میّت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے۔ ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی۔ اگر یہ حدیث ہو۔ تو اُن احادیث کا کیا مطلب ہوگا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے؟ نیز تم بھی کہتے ہو کہ بغیر تاریخ مقرر کئے ہوئے مُردے کے نام پر خیرات جائز ہے۔ اُس خیرات کو کون کھائے گا؟ جو آدمی کھائے اُس کا دل مُردہ ہو جائے گا۔ تو کیا اُس کو ملائکہ کھائیں گے؟

مسئلہ۔ میّت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے + اعلیٰحضرت قدس سرّہٗ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا "جلی الصوت لنہی الدعوت عن اہل الموت"۔ بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں کہ خود اعلیٰحضرت قدس سرّہٗ کسی اہلِ میّت کے ہاں تعزیت کے لئے تشریف لے جاتے تو وہاں پان حقّہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے۔ اور خود صایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ نیز اگر میّت کی فاتحہ میّت کے ترکہ سے کی ہے۔ تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حِصّے سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی اوّلاً مالِ میّت تقسیم ہو جاوے۔ پھر کوئی بالغ وارث اپنے حِصّہ سے یہ امورِ خیر کرے۔ ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچّہ کا مال کھانا ناجائز ہے۔ یہ ضرور خیال رہے؛

(۲) فاتحہ کے لئے تاریخ مقرر کرنا جائز ہے۔ گیارھویں تاریخ یا تیسرا، دسواں، بیسواں، چہلم

اور یہ بھی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے۔ قرآن فرماتا ہے وَهُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ایصالِ ثواب کرو۔ تیسرے دن کا انتظار کیسا؟ نیز تیجہ کے لئے چنے مقرر کرنا وہ بھی بھونے ہوئے یہ محض لغو اور بیہودہ ہے اس لئے تیجہ وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب۔ مقرر کرنے کا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں کسی جائز کام کے لئے دن تاریخ مقرر کرنے کا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے۔ اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وعظ کے لئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا لوگوں نے عرض کیا کہ روزانہ وعظ فرمایا کیجئے۔ فرمایا کہ تم کو تنگی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں (دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم) بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا۔ یہ محض آسانی کے لئے ہوتا ہے۔ آج بھی مدارس کے امتحان، جلسے، تعطیلات کے مہینے اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں۔ کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچ جاویں صرف یہ مقصد ان کا بھی ہے اب رہا یہ سوال کہ یہ ہی تاریخیں مقرر کیوں کیں۔ تو سُنیئے! گیارھویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی۔ اور ملازمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک کی فاتحہ پر خرچ ہو۔ لہٰذا جب وہ شام کو دفتر سے گھر آتے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دی۔ یہ شب گیارھویں ہوتی تھی۔ یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں اس فاتحہ کا گیارھویں شریف ہی ہو گیا۔ اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک کی فاتحہ کریں یا کچھ پیسہ اُن کے نام پر خرچ کریں اس کا نام گیارھویں ہی ہوتا ہے۔ یوپی اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارھویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جس کے بعد گیارھویں رات آتی ہے آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا۔ اُن کی توبہ قبول ہونا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ ایوب علیہ السلام کا شفاء پانا۔ امام حسین علیہ السلام کا شہید ہونا اور سید الشہداء کا درجہ پانا سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آئی۔ وہ گیارھویں تھی۔ لہٰذا یہ رات متبرک ہے اسی لئے گیارھویں کی فاتحہ اکثر شب گیارھویں میں ہوتی

ہے۔ کیونکہ متبرک راتوں میں صدقہ وخیرات وغیرہ کرنا چاہیئے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خود میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارھویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں پر فاتحہ پابندی سے کی جاوے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں بحمدہٖ تعالیٰ اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں۔ کتاب "یازدہ مجلس" میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارھویں یعنی بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے۔ ایک بار خواب میں سرکار نے فرمایا کہ عبد القادر تم نے بارھویں سے ہم کو یاد کیا۔ ہم تم کو گیارھویں دیتے ہیں یعنی لوگ گیارھویں سے تم کو یاد کیا کریں گے۔ اسی لئے ربیع الاول میں عموماً میلادِ مصطفےٰ علیہ السلام کی محفل ہوتی ہیں۔ تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک کی گیارھویں۔ چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا اس لئے تمام دنیا میں پھیل گیا۔ لوگ تو شرک وبدعت کہکر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی ؎

تو گھٹائے سے نہ کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے ٭ جب بڑھائے تجھے اللہ تعالےٰ تیرا

تیجہ کے لئے تیسرا دن مقرر کرنے میں بھی مصلحت ہے۔ پہلے دن تو لوگ میت کی تجہیز وتکفین میں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لئے خالی چھوڑا گیا۔ تیسرے دن عام طور پر جمع ہو کر فاتحہ قل وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعزیت کرنا منع ہے اِلَّا لِلْغَائِبِ عالمگیری کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے وَوَقْتُهَا مِنْ حِيْنَ يَمُوْتُ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَيُكْرَهُ بَعْدَهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُعَزِّىْ اَوِ الْمُعَزّٰى اِلَيْهِ غَائِبًا اور ماتم پرسی کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے۔ مگر یہ کہ تعزیت دینے والا یا لینے والا غائب ہو۔ آج تک تو لوگ تعزیت کے لئے آتے رہے اب نہ آئیں گے۔ تو کچھ ایصالِ ثواب کر کے جاویں۔ نیز باہر سے پردیسی خویش واقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کر لیتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ سکتا ہے۔

چہلم برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشاء یہ ہے کہ سال بھر تک میت کو وقتاً فوقتاً ثواب پہنچاتے رہیں کیونکہ بعد مرنے کے اول اول مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لڑکی کا نکاح کر کے سسرال بھیجتے ہیں تو اولاً تو جلد جلد اس کو بلانا چلانا ہدیہ وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے۔ پھر جس قدر زیادہ مدت گذرتی گئی یہ کام بھی کم ہوتے گئے۔ کیونکہ شروع میں وہاں دلجمعی اس کو حاصل نہیں ہوتی اسکی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن

کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصالِ ثواب اور تلقین سے میّت کی مدد کرنی چاہیئے۔ حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد دفن تھوڑی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور نکیرین کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں اُن کے یہ الفاظ منقول ہیں ثُمَّ اَقِیْمُوْا حَوْلَ قَبْرِیْ حَتّٰی اَسْتَاْنِسَ بِکُمْ وَ اَعْلَمَ مَاذَا اُرَاجِعُ رُسُلَ رَبِّیْ اسی لئے جلد جلد اس کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی پارہ عَمَّ۔ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں "اول حالتے کہ بمجرد جُدا شدنِ روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثرِ حیاتِ سابقہ و الفت تعلق بدن و دیگر معروفاں از ابناء جنس خود باقی است و آں وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگان بمردگان دریں حالت زود تر می رسد و مردگان منتظرِ لحوقِ مدد ازیں طرف مے باشند صدقات و ادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار او می آید و ازیں است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص یک چلّہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند" مُردے کی پہلی حالت جو کہ فقط جسم سے روح نکلنے کا وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اہلِ قرابت سے تعلق باقی ہوتا ہے یہ وقت گویا برزخ ہے کچھ ادھر تعلق اور کچھ اس طرف اِس حالت میں زندوں کی مدد مُردوں کو بہت جلد پہنچتی ہے اور مُردے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعائیں فاتحہ اُس کے بہت ہی کام آتی ہیں۔ اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کر موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اول اول بہت غم پھر جس قدر وقت گذرتا گیا رنج کم ہوتا گیا۔ تو منشاء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اُس کے نصف پر ششماہی اُس کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اُس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن پر فاتحہ ہونی چاہیئے تھی۔ مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لئے چہلم مقرر کیا گیا۔ پھر اُس کا آدھا بیسواں پھر اُس کا آدھا دسواں۔

چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا۔ ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک نطفہ پھر چالیس روز تک جما ہوا خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آسکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچکر عقل پختہ

ہوتی ہے۔ اسی لئے اکثر انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں نبوّت دی گئی۔ صوفیائے کرام وظیفوں کے لئے چلّے یعنی چالیس چالیس روز مشقیں کرتے ہیں تو اُن کو روحانی ترقی ہوتی ہے + موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوّا کہ کوہِ طور پر آکر چالیس روز اعتکاف کرو تب تورات دی گئی وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً + انوار ساطعہ نے بیہقی کی روایت سیدنا انس سے بیان کی۔ بحث چہلم کہ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَا يُتْرَكُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَّلٰكِنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ حَتّٰى يُنْفَخَ فِي الصُّوْرِ اس حدیث کے معنیٰ زرقانی شرح مواہب نے یوں بیان کئے۔ کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے۔ بعدازاں وہ روح قربِ الٰہی میں عبادت کرتی ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے۔ عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے۔ کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی اصل کچھ ہو + اس سے معلوم ہوّا کہ چالیس کے عدد میں تغیّر و تبدل ہے لہٰذا مناسب ہوّا کہ چالیس دن پر فاتحہ کی جاوے اور اس کی ممانعت ہے نہیں +

تیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں کاٹھیاواڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں۔ پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں یوپی میں تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ بھی پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں + ہم پہلے باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچہزار بار کلمہ پڑھ کر بخشنے سے اُس کی مغفرت ہوتی ہے۔ اس میں مختلف روائتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھ لینے کے لئے ساڑھے بارہ سیر چنے منتخب کئے گئے ہیں کیونکہ اتنے چنے ایک لاکھ ہو جاتے ہیں یہ محض شمار کے لئے ہے۔ اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گٹھلیاں یا کنکریاں جمع کی جائیں تو اس میں دقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر لاکھ کنکریاں جمع کرتا پھرے۔ اس لئے چنے اختیار کر لئے کہ اس میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی۔ بھنے ہوئے اس لئے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں، گھوڑوں کا دانہ بنا دیں۔ اس میں بے حرمتی ہے۔ بھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجاویں گے +

(۳) فاتحہ وغیرہ میں ہنود سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مُردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ اُن میں سے ہے لہٰذا یہ فاتحہ منع ہے +

جواب۔ کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بُری باتوں میں مشابہت منع ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اُس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھوتی، چوٹی، زنار، ہیٹ وغیرہ ورنہ ہم بھی آبِ زمزم مکہ معظمہ سے لاتے ہیں ہندو بھی گنگا سے گنگا جل لاتے ہیں۔ ہم بھی منہ سے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی۔ پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے کچھ فرق کر دیا۔ مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہمارے یہاں کلمہ، قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا پھر مشابہت کہاں رہی؟ اس کی بحث شامی باب مکروہات الصلوٰۃ میں دیکھو ہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کئے جاویں وہ منع ہیں۔ فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطعہ میں دیکھو (۴) اگر فاتحہ میں بدنی و مالی عبادت، کا اجتماع ہے تو چاہیئے نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کرو لہٰذا اوپلہ (گوبر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو۔ جب چوہڑا پاخانہ اُٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اُسے گھر سے باہر جانے دو (دیو بندی تہذیب)

جواب۔ نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہٰذا ان کی خیرات پر تلاوت نہیں کر سکتے ڈکار پر الحمد للہ پڑھتے ہیں نہ کہ ریح نکلنے پر کہ وہ نجس اور ناقض وضو ہے۔ اسی طرح چھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ نکسیر پر

بحث (۱۲) دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں

پہلا باب
دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، دفن سے پہلے، دفن کے بھی بعد۔ ان تینوں حالتوں میں میت کے لئے دعا کرنا، ایصال ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اُس کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا ہو تو اُس کو ڈھک دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل دے دیا پھر ہر طرح قرآن وغیرہ پڑھیں + مخالفین نماز سے پہلے اور دفن کے بعد

تو دعا وغیرہ کرنا جائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز دفن سے پہلے دعا کو نا جائز، حرام، بدعت، شرک نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی اس جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں + مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازہ فصل ثانی میں ہے اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لئے خالص دعا مانگو + فَ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر جو لوگ اس کے معنے کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ فَ کے معنیٰ سے غفلت کرتے ہیں۔ صَلَّيْتُم شرط ہے اور فَاَخْلِصُوْا ہے جزا۔ شرط اور جزا میں تغایر چاہیے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو + پھر صَلَّيْتُم ہے ماضی اور فاخلصوا ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔ جیسے فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان۔ اور اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں نماز کے لئے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام۔ جیسا کہ اِلٰی سے معلوم ہوا۔ لہٰذا یہاں بھی وضو ارادۂ نماز کے بعد ہی ہوا۔ اور فَ سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنے کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنے مراد لینا جائز نہیں۔ اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے قَرَءَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورۂ فاتحہ پڑھی + اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے "واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ الآن متعارف است" ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورۂ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ آجکل رواج ہے + اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبد الحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورۂ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو محمول کیا +

فتح القدیر کتاب الجنائز فصل صلوٰۃ الجنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوۂ موتہ کی خبر دی اور اسی اثناء میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا لَهُ وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لَهُ پس آپ پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو + وَدَعَا کے واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی + مواہب لدنیہ جلد دوم القسم الثانی فیما اخبر من الغیوب میں یہ ہی واقعہ نقل فرما کر کہا ثُمَّ قَالَ اِسْتَغْفِرُوْا وَاِسْتَغْفِرُوْا لَهُ اسی طرح عبد اللہ ابن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی + اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے + منتخب

کنز العمال کتاب الجنائز میں ابراہیم ہجری کی روایت ہے قَالَ رَءَیْتُ اِبْنَ اَوْفٰی وَکَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الشَّجَرَۃِ مَاتَتْ اِبْنَتُہٗ اِلٰی اِنْ قَالَ: ثُمَّ کَبَّرَ عَلَیْھَا اَرْبَعًا ثُمَّ قَامَ بَعْدَ ذٰلِکَ قَدْرَ مَا بَیْنَ التَّکْبِیْرَتَیْنِ یَدْ وَقَالَ رَءَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَصْنَعُ ھٰکَذَا میں نے ابن ابی اوفیٰ کو دیکھا بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا۔ پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا + بیہقی میں ہے وَعَنِ الْمُسْتَظِلِّ ابْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ عَلِیًّا صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ بَعْدَ مَا صُلِّیَ عَلَیْہِ مستظل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی + مدونۃ الکبریٰ میں ہے یَقُوْلُ ھٰکَذَا کُلَّمَا کَبَّرَ وَاِذَا کَانَ التَّکْبِیْرُ الْاٰخِرُ قَالَ مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ہر تکبیر پر اسی طرح کہے اور جب آخری تکبیر ہو تو اسی طرح کہے پھر کہے اللّٰھم صلّ علیٰ محمد + اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے + کشف الغطا میں ہے"۔ فاتحہ ودعا برائے میّت پیش از دفن درست است و ہمیں است روایت معمولہ کذا فی خلاصۃ الفقہ"۔ میّت کے لئے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے۔ اسی طرح خلاصۃ الفقہ میں ہے +

مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد دوم صفحہ ۶۷ باب غسل المیّت میں روایت ہے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کرلو + اسی مبسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل المیّت میں ابن عمر و عبد اللہ ابن عباس و عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ کی اور فلا تسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا + مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۱۱۲ مصنفہ مولانا فتح محمد صاحب برہان پوری میں ہے "چوں از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقر تا مفلحون طرف سر جنازہ و خاتمہ بقر آمن الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعض حدیث بعد از دفن واقع شدہ ہر دو وقت کہ میسّر شود مجوز است"۔ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صالح آدمی سورۂ بقر کا شروع رکوع مفلحون تک جنازے کے سرہانے اور سورۂ بقر کی آخری آیات

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ میت کے پائیں طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا۔ میسر ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے + زاد الآخرت میں نہر فائق شرح کنز الدقائق اور بحر ذخار سے نقل فرمایا " بعد از سلام بخواند اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ سلام کے بعد پڑھے کہ اے اللہ ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد فتنہ میں مبتلا نہ کر اور ہماری اور اس کی مغفرت فرما + طحطاوی میں ہے وَاِنَّ اَبَا حَنِیْفَۃَ لَمَّا مَاتَ فَخُتِمَ عَلَیْہِ سَبْعِیْنَ اَلْفًا قَبْلَ الدَّفْنِ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آن پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے +

کشف الغمہ، فتاویٰ عالمگیری، شامی باب الدفن بحث تعزیت میں ہے وَھِیَ بَعْدَ الدَّفْنِ اَوْلٰی مِنْھَا قَبْلَہٗ تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے + اسی جگہ شامی اور عالمگیری نے یہ بھی فرمایا وَھٰذَا اِذَا لَمْ یُرَ مِنْھُمْ جَزْعٌ شَدِیْدٌ وَّاِلَّا قُدِّمَتْ یہ جب ہے جبکہ اُن ورثا میں سخت گھبراہٹ نہ ہو ورنہ تعزیت دفن سے پہلے کی جاوے + حسن ظہیریہ میں ہے وَھِیَ بَعْدَ الدَّفْنِ اَوْلٰی مِنْھَا قَبْلَہٗ دفن کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت سے افضل ہے +

میزان کبریٰ مصنفہ امام شعرانی میں ہے قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ وَالثَّوْرِیُّ اَنَّ التَّعْزِیَۃَ سُنَّۃٌ قَبْلَ الدَّفْنِ لَا بَعْدَہٗ لِاَنَّ شِدَّۃَ الْحُزْنِ تَکُوْنُ قَبْلَ الدَّفْنِ فَیُعَزّٰی وَیَدْعُوْا لَہٗ امام ابو حنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے نہ کہ بعد کیونکہ زیادتی رنج دفن سے پہلے ہوتی ہے پس تعزیت کرے اور اس کے لئے دعا کرے + ان عبارات سے ثابت ہوا۔ کہ دفن سے پہلے خواہ نماز سے بھی پہلے ہو یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز بلکہ مسنون ہے + اور تعزیت میں میت و پسماندگان کے لئے دعائے اجر و صبر ہی تو ہوتی ہے + عقل کا بھی تقاضا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ ایک حیثیت سے تو دعا ہے کہ میت کو سامنے رکھا گیا ہے اور اس میں رکوع سجدہ التحیات وغیرہ نہیں ہے۔ اور ایک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لئے اس میں غسل وضو ستر عورت قبلہ کو منہ ہونا جگہ اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مسنون + اگر یہ محض دعا ہوتی تو نماز کی طرح یہ شرائط اس میں کیوں ہوتیں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہو جایا کرتی۔ ماننا پڑے گا کہ ایک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے اور ہر نماز کے بعد دعا مسنون ہے۔ اور زیادہ قابل قبول۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ

اللَّيْلِ الْآخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخر رات کے درمیانی حصّہ میں اور فرض نمازوں کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا نہ کی جاوے؟ + نیز دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں ہے کہ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ اسی جگہ یہ بھی ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت ہے دعا مانگنے کے لئے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں۔ تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور دفن سے پہلے حرام؟ نماز جنازہ بھی کوئی جادو ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرنا، ایصالِ ثواب کرنا سب حرام اور دفن میت اس جادو کا اُتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا لہٰذا ہر وقت دعا اور ایصالِ ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات وجوابات میں

اس دعا پر صرف چار اعتراض ہیں۔ تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں

(۱) وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہٰذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب۔ یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول وفعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہاء نے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گذر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ بدعت ہے۔ تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

(۲) نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا ناجائز ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعا ہے، نماز استخارہ، نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعا کے لئے ہیں۔ مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنّت ہے۔ حدیث پاک میں ہے اَكْثِرُوا الدُّعَاءَ دعا زیادہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ دعا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے۔ اگر میت کے ولی نے نماز

نہ پڑھی اوروں نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے + حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا وصال مبارک دو شنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہارشنبہ کو (شامی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت)
اور ان دو روز میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے۔ کیونکہ اب تک صدیق
اکبر نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق نے نماز پڑھ لی۔ اب تا قیامت کسی
کو جائز نہ رہا۔ کہ حضور علیہ السلام پہ نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب صلوٰۃ الجنازہ بحث ومن
احق بالامامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی وہ ادا ہوگئی۔ یہ دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں؟ یہ سوال تو
ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا +

(۳) چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہٰذا یہ دعا بھی حرام ہے۔

جواب۔ یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لئے کہ آپ تو اس دعا کو بہرحال منع کرتے ہیں اور
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع ورنہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور
اور نماز جنازہ ہوگئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں۔ کیونکہ یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی
وجہ سے ہے۔ دوسرے اس لئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ بمشکل خرچ ہوتے
ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں۔ اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ لے جانے اور
غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے۔ اگر اس قدر
دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل وکفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر
کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے
ہوئے بھاویں اور فوراً پھینک کر آجاویں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں دے چکے ہیں کہ دفن سے
پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا، ان کو تسلی وتشفی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو
تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی۔ مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے
لئے ہے جائز ہے + چوتھے اس لئے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دو شنبہ
کو اور دفن چہارشنبہ کو ہوا۔ علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے
ہیں وَهٰذِهِ السُّنَّةُ بَاقِيَةٌ اِلَى الْاٰنِ لَمْ يُدْفَنْ خَلِيْفَةٌ حَتّٰى يُوَلّٰى غَيْرُهٗ۔ یہ سنت اب
تک باقی ہے۔ کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے اس سے

معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے۔ کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کردی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً نعش اٹھالی جائے۔ تو یہ شخص دعا پوری نہ کرسکے گا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہذا دعا بعد جنازہ میں مسبوق نمازیوں کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے لئے ایک غیر محسوس سی تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لئے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن میت کا انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ اگر ممکن ہو قبل جمعہ ہی دفن کرے۔ یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے کفر ہے معاذ اللہ۔

(۴) نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے لَا يَقُوْمُ دَاعِيًا لَهٗ نماز کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے۔ ذخیرہ برہان اور محیط میں ہے لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ نماز جنازے کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہے۔ عالمگیری میں ہے لَا يَدْعُوْا بَعْدَهٗ فِيْ ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے وَلَا يَدْعُوْا لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ نماز جنازے کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کے مشابہ ہے۔ کشف الغطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعاء۔ نماز کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ رہے۔ جامع الرموز میں ہے وَلَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ ابو بکر ابن حامد سے مروی ہے اِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ مَكْرُوْهٌ نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔ جامع الرموز میں ہے وَلَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ تُشْبِهُ الزِّيَادَةَ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا۔ کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی۔ اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لئے نماز جمعہ کے انتظار میں دفن تاخیر کرنا منع ہے

تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بہیئت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ نماز ہو رہی ہے کہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہٰذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ وجوہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول و عمل کے خلاف نہ ہوں ؛

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف الغطا کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں۔ مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے۔ کہ نماز جنازہ زیادہ ہو گئی + اس سے معلوم ہوا۔ کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا کہ بیٹھ گئے تو حرج نہیں۔ جیسے کہ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن) تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے + عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے وَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ یعنی چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں یعنی نماز جنازہ میں پہلی تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے۔ مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔ چنانچہ بدائع، کفایہ عنایہ میں ہے لَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ + ابو بکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنیہ کی عبارت ہے مگر قنیہ غیر معتبر کتاب ہے اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا + مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قنیہ ضعیف روایات بھی لیتا ہے اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں + وہ فرماتے ہیں اَوْ لِنَقْلِ الْاَقْوَالِ الضَّعِيْفَةِ فِيْهَا كَالْقُنْيَةِ لِلزَّاهِدِيِّ فَلَا يَجُوْزُ الْاِفْتَاءُ مِنْ هٰذِهٖ + اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے بذل الجوائز میں فرمایا کہ قنیہ والا معتزلی بدمذہب ہے اور اگر قنیہ کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا نا جائز ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرضکہ کوئی بھی عبارت آپ کے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے +

بحث ۱۳ مزاراتِ اولیاء پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین، دوسرے علماء مشائخ، اولیاء اللہ جن کی تعظیم و توقیر درحقیقت اسلام کی تعظیم ہے۔ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا کہ ان پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تاکہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جاسکے جائز ہے۔ اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحبِ قبر کی اظہارِ عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنتِ صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبہ بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے۔ پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف۔ اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ؛

پہلا باب

مزاراتِ اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا۔ دوسرے قبر ولی کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنا دینا ۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اس کو پختہ کرنا :۔

۱؎ قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا۔ وہاں لکڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا بانس لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لئے منع ہے اور خاص علماء و مشائخ کے لئے جائز ہے ؛

۲؎ قبر کا تعویذ ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چبوترہ اونچا کر کے اس پر تعویذ بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے ؛

۳۔ قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہاء و علماء کی قبروں پر جائز۔ دلائل حسب ذیل ہیں:-

(۱) مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں بروایت ابو داؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو اُن کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ اُعْلِمُ بِهَا قَبْرَ اَخِیْ وَاَدْفِنُ اِلَیْهِ مَنْ مَّاتَ مِنْ اَھْلِیْ کہ ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مُردوں کو دفن کریں گے۔

(۲) بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں تعلیقاً ہے کہ حضرت خارجہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ عثمان میں تھے اَنَّ اَشَدَّنَا وَثْبَةً الَّذِیْ یَثِبُ قَبْرَ عُثْمَانَ اِبْنِ مَظْعُوْنٍ حَتّٰی یُجَاوِزَهٗ ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔ مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر تھا۔ اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبرِ عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا۔ اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنٰی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اُس کو لگایا۔ یا مطلب یہ کہ قبر ساری اُس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لئے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے۔ نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زمین نرم ہو تو لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اُس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کہگل کر دو (دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن المیت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیئے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام و عامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰی اَمْرِھِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْھِمْ مَّسْجِدًا وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔ روح البیان میں اس آیت میں بُنْیَانًا کی تفسیر میں فرمایا۔ "دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ

شوند یعنی لَا یَعْلَمُ اَحَدٌ تُرْبَتَہُمْ وَتَکُوْنُ مَحْفُوْظَۃً مِنْ تَطَرُّقِ النَّاسِ کَمَا حُفِظَتْ تُرْبَتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِالْحَظِیْرَۃِ یعنی انہوں نے کہا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو اُن کی قبر کو گھیرے اور اُن کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاویں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے مگر یہ بات نامنظور ہوئی تب مسجد بنائی گئی + مَسْجِدًا کی تفسیر روح البیان میں ہے یُصَلِّیْ فِیْہِ الْمُسْلِمُوْنَ وَیَتَبَرَّکُوْنَ بِمَکَانِہِمْ لوگ اِس میں نماز پڑھیں اور اُن سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قُبّہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا۔ دوسرے اُن کے قریب مسجد بنانا اور کسی بات کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہُوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے۔ اور اب بھی جائز ہیں۔ جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے۔ کہ شَرَائِعُ قَبْلِنَا یَلْزَمُنَا + حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اُس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے + پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اُس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھچا دی۔ پھر ولید ابن عبد الملک کے زمانہ میں سیّدنا عبد اللہ ابن زبیر نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں ۸۸ھ ہجری میں اِس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا۔ اور اِس میں پتھر لگوائے + چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مصنفہ سید سمہودی میں ہے عَنْ عَمْرٍو وَابْنِ دِیْنَارٍ وَعُبَیْدِ اللّٰہِ ابْنِ اَبِیْ زَیْدٍ قَالَا لَمْ یَکُنْ فِیْ عَہْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی بَیْتِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ جِدَارٌ فَکَانَ اَوَّلَ مَنْ بَنٰی عَلَیْہِ جِدَارًا عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ: ثُمَّ بَنَاہُ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ الزُّبَیْرِ وَکَانَتْ حُجْرَۃٌ مِنَ الْکَعْبَۃِ مِنْ سَعِیْرٍ مَرْبُوْطَۃٍ فِیْ خَشَبٍ عَرْعَرَۃٍ ترجمہ وہی جو کہ اوپر بیان ہو چکا + بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَا جَاءَ فِیْ قَبْرِ النَّبِیِّ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبد الملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار گر گئی۔ تو اَخَذُوْا فِیْ بِنَائِہٖ صحابہ کرام اُس کے بنانے میں مشغول ہوئے فَبَدَتْ لَہُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوْا وَظَنُّوْا اَنَّہَا قَدَمُ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے حَتّٰی قَالَ لَہُمْ عُرْوَۃُ لَا وَاللّٰہِ مَاھِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَاھِیَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے + جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبد الحق فرماتے ہیں

کہ ۵۵۵ھ میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی۔ اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی میں مدینہ منورہ میں آئے اور سُرنگ لگا کر نعش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہٰذا بادشاہ نے اُن کو قتل کرایا۔ اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیسہ گلا کر اس کو بھر دیا۔ پھر ۶۷۸ھ ہجری میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز جو اب تک موجود ہے بنوایا۔

اِن عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ روضۂ مطہرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق و فاروق بھی دفن ہیں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہٰذا یہ خصوصیت نہ رہی + بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ضَرَبَتْ اِمْرَاَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً تو اُن کی بیوی نے اُن کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا + یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز اُن کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیساکہ اسی حدیث میں ہے + اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تو قرآن و حدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں:۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۱۰ زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ میں ہے فَبِنَاءُ الْقُبَّتِ عَلٰى قُبُوْرِ الْعُلَمَآءِ وَالْاَوْلِيَآءِ وَالصُّلَحَآءِ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذٰلِكَ التَّعْظِيْمُ فِىْ اَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰى لَا يَحْتَقِرُوْا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ علماء اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارات بنانا جائز کام ہے۔ جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں + مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت میں ہے قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلٰى قُبُوْرِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَآءِ الْمَشْهُوْرِيْنَ لِيَزُوْرَهُمُ النَّاسُ وَيَسْتَرِيْحُوْا بِالْجُلُوْسِ پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ اُن کی لوگ زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں + شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں "در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیزہا افزودند تا آنجا

ہیبت وشوکت اہلِ اسلام واہلِ صلاح پیدا آید خصوصاً در دیارِ ہند کہ اعدائے دین از ہنود وکفار بسیار اند. وترویج واعلاءشانِ ایں مقامات باعثِ رعب وانقیاد ایشاں است وبسیار اعمال وافعال واوضاع کہ در زمانِ سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ" آخر زمانہ میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے. لہٰذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کردی. تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاصکر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنانِ دین ہیں۔ ان مقامات کی اعلان شان کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے + شامی جلد اول باب الدفن میں ہے دَ قِيْلَ لَا يُكْرَهُ الْبِنَاءُ اِذَا كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ کہا گیا ہے کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے + درمختار میں اسی باب الدفن میں ہے لَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَّقِيْلَ لَا بَاْسَ بِهٖ وَهُوَ الْمُخْتَارُ قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ ہی قول پسندیدہ ہے. بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور درمختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لئے یہ قول ضعیف ہے. لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے + ہاں منطق میں قیل علامت ضعف ہے + قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو +

طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۵ میں ہے وَقَدِ اعْتَادَ اَهْلُ الْمِصْرِ وَضْعَ الْاَحْجَارِ حِفْظًا لِلْقُبُوْرِ عَنِ الْاِنْدِرَاسِ وَالنَّبْشِ وَلَا بَاْسَ بِهٖ وَفِي الدُّرِّ وَلَا يُجَصَّصُ وَلَا يُطَيَّنُ وَلَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَّقِيْلَ لَا بَاْسَ بِهٖ وَهُوَ الْمُخْتَارُ مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں تاکہ وہ مٹنے اکھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گچ نہ کی جاوے نہ کھگل کی جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے اور یہ ہی مختار ہے + میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز میں امام شعرانی فرماتے ہیں وَمِنْ ذٰلِكَ قَوْلُ الْاَئِمَّةِ اِنَّ الْقَبْرَ لَا يُبْنٰى وَلَا يُجَصَّصُ مَعَ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ يَجُوْزُ ذٰلِكَ فَالْاَوَّلُ مُشَدَّدٌ وَالثَّانِيْ مُخَفَّفٌ اسی میں سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جاوے اور نہ اس کو گچ کی جاوے. باوجودیکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی +

اب تو رجسٹری ہو گئی کہ خود امام مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے ؛

الحمد للہ کہ قرآن وحدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء وعلماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ کہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور نہ زیادہ فاتحہ خوانی نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ پیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو پختہ دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے بچک نکلتے ہیں اور خود بخود فاتحہ کو ہاتھ اٹھ جاتا ہے۔ اور مشکوۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہیئے + اسی طرح عالمگیری کتاب الکراہیت اور اشعۃ اللمعات باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر کو چومنا جائز ہے + اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا + اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں واجب التعظیم تھے لہٰذا بعد موت بھی۔ اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہٰذا کم از کم مستحب ہے + دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارات میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان کو پہچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہیئے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سا رکھیں تاکہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیئے کہ علماء ومشائخ کے قبور عام قبروں سے ممتاز رہیں تاکہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں + تیسرے اس لئے کہ مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔ اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے۔ قرآن سے ثابت ہے لہٰذا قبروں کا ادب چاہیئے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں۔ جو طریقہ بھی ادب کا خلاف اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں قرآن پاک ہڈیوں اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی کچی تھی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے کہ بارش میں ٹپکتی تھی۔ مگر بعد کے زمانہ میں مسجد نبوی نہایت شاندار روضہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے۔ اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپا گیا ؛

درمختار کتاب الکراہیت فصل فی البیع میں ہے وَجَازَ تَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ لِمَا فِيهِ مِنْ

تَعْظِیْمِہٖ کَمَا فِیْ نَقْشِ الْمَسْجِدِ اس کے ماتحت شامی میں ہے اَیْ بِالذَّہَبِ وَالْفِضَّۃِ یعنی قرآن کریم کو چاندی سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں اُن کی تعظیم ہے جیسا کہ مسجد کو نقشیں کرنا + اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو۔ لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہو گئے + شامی میں اسی جگہ ہے وَمَا رُوِیَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ جَرِّدُوا الْقُرْاٰنَ کَانَ فِیْ زَمَنِہِمْ وَکَمْ مِنْ شَیْءٍ یَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَکَانِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ قرآن کو اعراب وغیرہ سے خالی رکھو یہ اُس زمانہ میں تھا اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں + اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حمائل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم موٹا ہو، حرف کشادہ ہوں، تقطیع بڑی ہو۔ یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے + اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعلیم قرآن واذان وامامت پر اُجرت لینا حرام تھا حدیث وفقہ میں موجود ہے۔ مگر بعد کو ضرورتاً جائز کیا گیا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ اُن کے سلام کا جواب نہ دیا۔ جب اُس کو گرا دیا تب جوابِ سلام دیا (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی) + اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ شَرًّا ... جَعَلَہٗ فِی الْمَآءِ وَالطِّیْنِ جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اُس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے۔ لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا اُن پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ سمجھ دے + چوتھے اِس لئے کہ اولیاء اللہ کی مقابر کا پختہ ہونا، اُن پر عمارات قائم ہونا تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے + اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا گیا ہے۔ کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو مَیں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے +

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے اُن اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت

نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر اُن کے قبضے میں پہنچ گئے۔ اگر قبرستان کی ساری قبریں کچی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جما لیتے ہیں لہٰذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں تاکہ اُن سے اُس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اُس کے حدود معلوم رہیں۔

میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کچی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پختہ قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے پختہ قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکّام نے اُسے سفیدہ زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصّہ جہاں تک پختہ قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصّہ جس میں ساری قبریں کچی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گیا۔ کیونکہ اس قبرستان کے حدود پختہ قبروں کی حد سے قائم کئے گئے۔ باقی کا بیعنامہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پختہ ضرور بنوانی چاہئیں۔ کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لئے مینارے۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات و جوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اول تو یہ کہ مشکوٰۃ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے نَهَىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ يُّبْنىٰ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جاوے اور اس سے کہ اُس پر عمارت بنائی جاوے اور اُس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔ نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ يُكْرَهُ الْبِنَاءُ عَلَى الْقُبُوْرِ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں قبر کو پختہ بنانا، قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب۔ قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصّہ جو کہ میت کی طرف ہے اُس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرَ یہ نہ فرمایا گیا عَلَى الْقُبُوْرِ دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبور پختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے۔ تو معنیٰ یہ ہوئے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کو سجاوٹ، تکلّف یا فخر کے لئے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں

منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی ولی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر پختہ پتھر کی بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا + لمعات میں اسی اَنْ یُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ کے ماتحت ہے لِمَا فِیْهِ مِنَ الزِّیْنَةِ وَالتَّکَلُّفِ کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے اَنْ یُّبْنٰی عَلَیْهِ یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے۔ اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے + چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے وَتُکْرَهُ الزِّیَادَةُ عَلَیْهِ کَمَا فِی الْمُسْلِمِ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنْ یُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْهِ قبر کو ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا درمختار اسی باب میں ہے وَتُکْرَهُ الزِّیَادَةُ عَلَیْهِ مِنَ التُّرَابِ لِاَنَّهٗ بِمَنْزِلَةِ الْبِنَاءِ قبر پر مٹی سے زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کے درجہ میں ہے + اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آجاوے۔ اور گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے اردگرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کی قبروں کے لئے ہے + تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کردی جو کہ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِهِمْ مَسٰجِدَ اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جاوے۔ اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنا لیا +

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس کی طرف نماز پڑھنا حرام ہے۔ یہ ہی اس حدیث سے مراد ہے قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے + علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں قَالَ الْبَیْضَاوِیُّ لَمَّا کَانَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی یَسْجُدُوْنَ لِقُبُوْرِ الْاَنْبِیَاءِ تَعْظِیْمًا لِشَانِهِمْ وَیَجْعَلُوْنَهَا قِبْلَةً یَّتَوَجَّهُوْنَ فِی الصَّلٰوةِ نَحْوَهَا وَاتَّخَذُوْهَا اَوْثَانًا لَعَنَهُمْ وَمَنَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَنْ مِثْلِ ذٰلِکَ بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا رکھا تھا لہٰذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا +

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہو گئی. معلوم ہو گیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا + چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے. کہ رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے سے بھی روکا گیا بلکہ گرا دیئے گئے + پانچویں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ یہ غلط خیال ہے. اور اگر زائرین کی آسائش کے لئے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے +

ہم نے یہ توجیہیں اس لئے کیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارات بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ ہے. چنانچہ حضرت فاروق نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی. سیدنا ابن زبیر نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی. امام زین العابدین کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قبہ ڈالا جس کو ہم بحوالہ مشکوٰۃ باب البکاء سے نقل کر چکے. زوجہ امام زین العابدین کے اس فعل کے ماتحت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں اَلظَّاهِرُ اَنَّهٗ لِاِجْتِمَاعِ الْاَحْبَابِ لِلذِّكْرِ وَالْقِرَاءَةِ وَحُضُوْرِ الْاَصْحَابِ بِالْمَغْفِرَةِ اَمَّا حَمْلُ فِعْلِهَا عَلَى الْعَبْثِ الْمَكْرُوْهِ فَغَيْرُ لَائِقٍ لِصَنِيْعِ اَهْلِ الْبَيْتِ ظاہر یہ ہے کہ یہ قبہ دوستوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لئے تھا تاکہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں لیکن ان بی بی کے اس کام کو محض بے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے + صاف معلوم ہوا. کہ بلا فائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام کے لئے جائز ہے + نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبد الرحمان کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنفیہ نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر پر قبہ بنایا + منتقٰے شرح موطا امام مالک میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں وَضَرَبَهٗ عُمَرُ عَلٰى قَبْرِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَضَرَبَتْهُ عَائِشَةُ عَلٰى قَبْرِ اَخِيْهَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَضَرَبَهٗ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ عَلٰى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاِنَّمَا كَرِهَهٗ لِمَنْ ضَرَبَهٗ عَلٰى وَجْهِ السُّمْعَةِ وَالْمُبَاهَةِ حضرت عمر نے زینب بنت جحش کی قبر پر قبہ بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبد الرحمان کی قبر پر قبہ بنایا. محمد ابن حنفیہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا رضی اللہ عنہم اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے کہا جو کہ اس کو فخر و ریا کے لئے بنائے + بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں

ہے رُوِیَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَمَّا مَاتَ بِالطَّائِفِ صَلّٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِیَّةِ وَجَعَلَ قَبْرَہٗ مُسَنَّمًا وَضَرَبَ عَلَیْہِ فُسْطَاطًا جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا. تو اُن پر محمد ابن حنفیہ نے نماز پڑھی اور اُن کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبّہ بنایا + عینی شرح بخاری میں ہے ضَرَبَہٗ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِیَّةِ عَلٰی قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ + ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری اُمت روضہ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض نہ کیا۔ لہٰذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں کی جاویں جو کہ ہم نے کیں + قبر پر بیٹھنے کے معنیٰ ہیں قبر پر چڑھ کر بیٹھنا یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں جو کہ قبر کا انتظام رکھے۔ کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظمہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو اُن سے ہی کھلوا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن۔ آج تک روضۂ مصطفےٰ علیہ السلام پر مجاور رہتے ہیں کسی نے اُن کو ناجائز نہ کہا +

(۲) مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے وَعَنْ اَبِی الْہَیَّاجِ الْاَسَدِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ السَّلَامُ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَہٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَہٗ ابو ہیّاج اسدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹا دو۔ اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو + بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں ہے وَرَاٰی ابْنُ عُمَرَ فُسْطَاطًا عَلٰی قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اِنْزِعْہُ یَا غُلَامُ فَاِنَّمَا یُظِلُّہٗ عَمَلُہٗ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمان کی قبر پر قبّہ خیمہ دیکھا۔ پس آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اس کو علیحدہ کر دو۔ کیونکہ اُن پر اُن کے عمل سایہ کر رہے ہیں + ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا کہ قبر اونچی ہو تو اُس کو گرا دینا چاہئے +

نوٹ ضروری:۔ اس حدیث کو آڑ بنا کر نجدی وہابیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کی مزارات کو گرا کر زمین کے ہموار کر دیا +

جواب۔ جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں

نہ کہ مسلمین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں جس کے لئے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں کو حضرت علی نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ہر صحابی کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کوئی کام بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہٰذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں وہ یا تو حضور کی موجودگی میں یا آپ کی اجازت سے۔ تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ ہاں عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں + بخاری شریف میں مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے اَمَرَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِکِیْنَ فَنُبِشَتْ حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس اکھیڑ دی گئیں + شیخ ابن حجر مکی فتح الباری جلد دوم صفحہ ۲۶۰ میں فرماتے ہیں ھَلْ تُنْبَشُ قُبُوْرُ مُشْرِکِی الْجَاھِلِیَّۃِ اَیْ دُوْنَ غَیْرِھَا مِنْ قُبُوْرِ الْاَنْبِیَاءِ وَاَتْبَاعِھِمْ لِمَا فِیْ ذٰلِکَ اِھَانَۃٌ لَّھُمْ کیا جاہلیت کے مشرکین کی قبریں اکھیڑ دی جائیں (باب) فرماتے ہیں یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے + دوسری جگہ فرماتے ہیں وَفِی الْحَدِیْثِ جَوَازُ تَصَرُّفٍ فِی الْمَقْبَرَۃِ الْمَمْلُوْکَۃِ وَجَوَازُ نَبْشِ قُبُوْرِ الدَّارِسَۃِ اِذَا لَمْ یَکُنْ مُحْتَرَمَۃً اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آگیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جاویں بشرطیکہ محترمہ نہ ہوں +

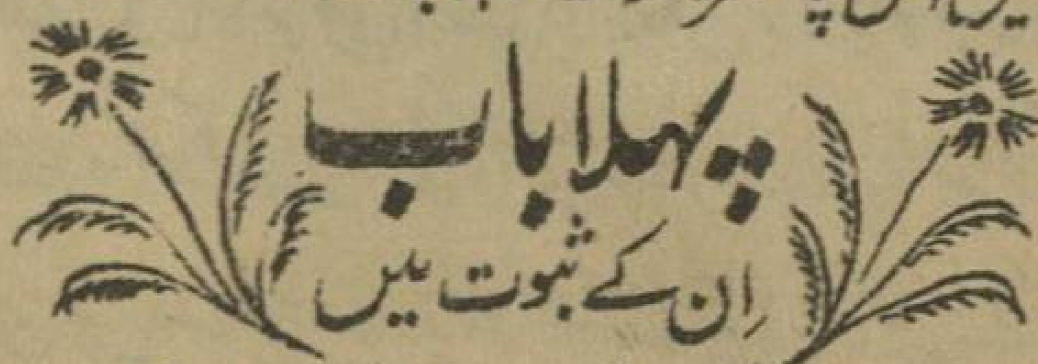
اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کر دی۔ کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لئے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو۔ اور مسلمان کی قبر کے لئے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوندِ زمین کرنا خلاف سنت ہے + ماننا پڑیگا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی تو اونچی قبریں اکھڑوائیں اور ان کے فرزند محمد ابن حنفیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھیڑ سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ۔ مگر جب بن جائے تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سائز چھاپنا منع ہے۔ دیکھو شامی کتاب الکراہیت۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو نہ

پھینکو نہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے + احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاخانہ کرنا، وہاں جوتہ سے چلنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے۔ مگر افسوس ہے کہ نجدی نے صحابہ کرام کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب جدّہ میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَيَتْرُكُوْنَ اَهْلَ الْاَصْنَامِ ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے سند لانا محض بے جا ہے۔ وہ تو خود فرما رہے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کافی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لئے قبہ بنایا تو منع ہے۔ زائرین کے آرام کے لئے بنایا تو جائز ہے + عینی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر کے ماتحت فرماتے ہیں وَهِيَ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ ضَرْبَ الْفُسْطَاطِ بِغَرْضٍ صَحِيْحٍ كَالتَّسَتُّرِ مِنَ الشَّمْسِ مَثَلًا لِلْاَحْيَاءِ لَا لِاِظْلَالِ الْمَيِّتِ جَازَ اُدھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لئے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لئے جائز ہے + اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دوپہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے سیالکوٹ گیا۔ بہت شوق تھا کہ ملا عبد الحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی سائبان نہ تھا، زمین گرم تھی، دھوپ تیز تھی، بمشکل تمام چند آیات پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹنا پڑا۔ جذبۂ دل دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارات بہت فائدہ مند ہیں + تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورۂ فتح زیر آیت اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آجکل لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہٰذا ہم ان قبروں کو گرائیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے۔ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچا لیتے فَاعْلَمْ اَنَّ هٰذَا الصَّنِيْعَ كُفْرٌ صُرَاحٌ مَاْخُوْذٌ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ يُظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل کر دوں وہ اپنے خدا کو بلالے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ تمہارا دین بدل دیگا یا زمین میں فساد پھیلا دیگا + مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر اولیاء اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو نجدی وہابیوں سے اپنی قبروں کو کیوں نہ بچایا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض

مردے ہیں پھر ان کی تعظیم و توقیر کیسی ؟ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ[۳۶۰] بُت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب قیامت ایک شخص کعبہ شریف کو گرادیگا + آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ برباد کر دی گئیں۔ تو اگر ہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اُس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچالیا ؟ اولیاء اللہ یا اُن کی مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی جاتی ہے نہ کہ محض قدرت سے۔ جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظمہ کی تعظیم۔ ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرادیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کوہ صفا پر وغیرہ وغیرہ ٭

بحث[۱۴] مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اِس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا ، چراغاں کرنا علمائے اہل سُنّت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا، اولیاء علماء صلحاء کی قبور پر جائز عوام مسلمین کی قبور پر ناجائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے۔ قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے۔ عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت ناجائز ہے۔ اور ضرورۃً جائز ہے اور اولیاء اللہ کی قبور پر صاحبِ مزار کی عظمتِ شان کے اظہار کے لئے بھی جائز ہے۔ ضرورت تین ہیں یا تو رات میں مردے کو دفن کرنا ہے۔ روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر راستہ کے کنارے پر ہے تو اُس پر اس لئے چراغ جلادینا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے یا کوئی خبر پاکر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا فضول خرچی اور اسراف ہے لہٰذا منع + مزاراتِ اولیاء اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی نہ ہو تب بھی تعظیم ولی کے لئے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلائے یا چند + ان تینوں باتوں کا مخالفین انکار کرتے ہیں۔ اس لئے اِس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات ٭



ہم اس سے پہلی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ اور اُن کے مزارات شعائر اللہ ہیں۔ اور

شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر ملک ہر زمانے میں جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے۔ اُن کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہٰذا جائز ہے۔ تر پھول میں چونکہ زندگی ہے اس لیئے وہ تسبیح وتہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اُس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے۔ اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ باب آداب الخلاء فصل اول میں ہے۔ کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گذر ہوا فرمایا کہ ان دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ان میں ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّہَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَۃً قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَا صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْہُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا پھر آپ نے تر شاخ لی اور اُس کو چیر کر ہر قبر میں ایک ایک گاڑدی لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ تو فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں تب تک ان کے عذاب میں کمی رہے+ اس کی شرح میں امام نودی فرماتے ہیں وَقِیْلَ اِنَّہُمَا یُسَبِّحَانِ مَادَامَ رَطْبَتَیْنِ وَاسْتَحَبَّ الْعُلَمَآءُ قِرَآءَۃَ الْقُرْاٰنِ عِنْدَ الْقَبْرِ لِھٰذَا الْحَدِیْثِ اِذْ تِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ اَوْلٰی بِالتَّخْفِیْفِ مِنْ تَسْبِیْحِ الْجَرِیْدِ کہا گیا ہے کہ اس لئے عذاب کم ہوگا کہ جب تک تر رہیں گی تسبیح پڑھیں گی اس حدیث سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب فرمایا کیونکہ تلاوتِ قرآن شاخ کی تسبیح سے زیادہ اس کی حقدار ہے کہ اس سے عذاب کم ہو+ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے "تمسک کنند جماعت بایں حدیث در انداختن سبزہ وگل ریحان بر قبور"۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر سبزی پھول اور خوشبو ڈالنے کے جواز میں+ مرقات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے وَمِنْ ثَمَّ اَفْتٰی بَعْضُ الْاَئِمَّۃِ مِنْ مُتَاَخِّرِیْ اَصْحَابِنَا بِاَنَّ مَا اعْتِیْدَ مِنْ وَضْعِ الرَّیْحَانِ وَالْجَرِیْدِ سُنَّۃٌ لِھٰذَا الْحَدِیْثِ وَقَدْ ذَکَرَ الْبُخَارِیُّ اَنَّ بُرَیْدَۃَ ابْنَ الْحَصِیْبِ الصَّحَابِیَّ اَوْصٰی اَنْ یُّجْعَلَ فِیْ قَبْرِہٖ جَرِیْدَتَانِ معلوم ہوا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے+ طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۶۴ میں ہے۔ قَدْ اَفْتٰی بَعْضُ الْاَئِمَّۃِ مِنْ مُتَاَخِّرِیْ اَصْحَابِنَا بِاَنَّ مَا اعْتِیْدَ مِنْ وَضْعِ الرَّیْحَانِ وَ

الجَرِیْدِ سُنَّۃٌ بِھٰذَا الحَدِیْثِ ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی جو عادت ہے وہ سنّت ہے + اِن عبارتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض علماء اس کو ناجائز بھی کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنّت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سُنّت ہونے میں اختلاف ہے + عالمگیری کتاب الکراہیت جلد پنجم باب زیارت القبور میں ہے وَضْعُ الْوُرُوْدِ وَالرِّیَاحِیْنِ عَلَی الْقُبُوْرِ حَسَنٌ قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے + شامی جلد اول بحث زیارت القبور میں ہے وَیُؤْخَذُ مِنْ ذٰلِکَ وَمِنَ الحَدِیْثِ نَدْبُ وَضْعِ ذٰلِکَ لِلْاِتِّبَاعِ وَیُقَاسُ عَلَیْہِ مَا اعْتِیْدَ فِیْ زَمَانِنَا مِنْ وَضْعِ اَغْصَانِ الْاٰسِ وَنَحْوِہٖ اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں پر رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قبروں پر آس کی شاخیں وغیرہ چڑھانے کو بھی قیاس کیا جاویگا جس کا ہمارے زمانہ میں رواج ہے + شامی میں اسی جگہ ہے وَتَعْلِیْلُہٗ بِالتَّخْفِیْفِ عَنْھُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا اَیْ یُخَفَّفُ عَنْھُمَا بِبَرَکَۃِ تَسْبِیْحِھِمَا اِذْھُوَ اَکْمَلُ مِنْ تَسْبِیْحِ الْیَابِسِ لِمَا فِی الْاَخْضَرِ نَوْعُ حَیَاۃٍ کمی عذاب کی علّت ہے اُن کا خشک نہ ہونا یعنی اُن کی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ ہری شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے + اس حدیث اور محدثین و فقہاء کی عبارات دو معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سبز چیز کا رکھنا ہر مسلمان کی قبر پر جائز ہے حضور علیہ السلام نے اُن قبروں پر شاخیں رکھیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے یہ کہ عذاب قبر کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعاء سے۔ اگر محض دعا سے کمی ہوتی۔ تو حدیث میں خشک ہونے کی کیوں قید لگائی جاتی ؟ لہٰذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی انشاء اللہ میّت کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو کچار رکھنے میں یہ ہی مصلحت ہے کہ بارش میں اس پر سبز گھاس جمے اور اُس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو + ثابت ہوا کہ پھول وغیرہ تر چیز ہر قبر مومن پر جائز ہے + مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاح الرسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں، فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیئے۔ نہ کہ قبور اولیاء پر۔ ان کے مزارات میں عذاب ہے ہی نہیں۔ جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے + مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لئے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لئے بلندی درجات کا فائدہ دیتے ہیں دیکھو

مسجد کی طرف چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کو مٹاتی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں + اس قاعدے سے لازم آتا ہے۔ کہ صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے اُن قبروں میں رحمت الٰہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں تلاوتِ قرآن سے ؞

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحبِ قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے + شامی جلد ۵ کتاب الکراہیت باب اللبس میں ہے قَالَ فِیْ فَتَاوَی الْحُجَّۃِ وَتُکْرَہُ السُّتُوْرُ عَلَی الْقُبُوْرِ وَلٰکِنْ نَحْنُ نَقُوْلُ الْاٰنَ اِذَا قُصِدَ بِہِ التَّعْظِیْمُ فِیْ عُیُوْنِ الْعَامَّۃِ حَتّٰی لَا یَحْتَقِرُوْا صَاحِبَ الْقَبْرِ بَلْ جَلْبُ الْخُشُوْعِ وَالْاَدَبِ لِلْغٰفِلِیْنَ وَالزَّائِرِیْنَ فَھُوَ جَائِزٌ لِاَنَّ الْاَعْمَالَ بِالنِّیَّاتِ یعنی فتاویٰ حجہ میں ہے کہ قبروں پر غلاف پردے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آجکل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحبِ قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو تو جائز ہے۔ کیونکہ عمل نیت سے ہیں + شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہو وہ جائز ہے۔ اور چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانۂ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا کہ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضۂ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے۔ جو کہ نہایت قیمتی ہے آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا۔ مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اُس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ اور اللہ کی شان کہ نجدی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لئے اولیاء کے لئے اُن کی قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے + تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورۂ توبہ زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ ہے فَبِنَاءُ الْقِبَابِ عَلٰی قُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ وَالصُّلَحَاءِ وَوَضْعُ السُّتُوْرِ وَالْعَمَائِمِ وَالثِّیَابِ عَلٰی قُبُوْرِھِمْ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا کَانَ الْقَصْدُ بِذٰلِکَ التَّعْظِیْمَ فِیْ اَعْیُنِ الْعَامَّۃِ حَتّٰی لَا یَحْتَقِرُوْا صَاحِبَ ھٰذَا الْقَبْرِ علماء اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارات بنانا اور اُن پر غلاف اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائز کام ہیں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں اُن کی عزت ہو اور لوگ اُن کو حقیر نہ جانیں ؞

(۳) عام مسلمانوں کی پرضرورۃً اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہار عظمت کے لیے چراغ روشن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۴۲۹ میں ہے اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلَی الْقُبُوْرِ بِدْعَةٌ وَّاِتْلَافُ مَالٍ کَذَا فِی الْبَزَّازِیَةِ وَهٰذَا کُلُّهٗ اِذَا خَلَا عَنْ فَائِدَةٍ وَاَمَّا اِذَا کَانَ مَوْضِعُ الْقُبُوْرِ مَسْجِدًا اَوْ عَلٰی طَرِیْقٍ اَوْ کَانَ هُنَاكَ اَحَدٌ جَالِسًا اَوْ کَانَ قَبْرَ وَلِیٍّ مِّنَ الْاَوْلِیَاءِ اَوْ عَالِمٍ مِّنَ الْمُحَقِّقِیْنَ تَعْظِیْمًا لِّرُوْحِهٖ اِعْلَامًا لِّلنَّاسِ اَنَّهٗ وَلِیٌّ لِّیَتَبَرَّکُوْا بِهٖ وَیَدْعُوا اللّٰهَ تَعَالٰی عِنْدَهٗ فَیُسْتَجَابَ لَهُمْ فَهُوَ اَمْرٌ جَائِزٌ قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا کہ قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کریں اور وہاں اللہ سے دعائیں کریں تو چراغ جلانا جائز ہے + تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورۂ توبہ زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ میں ہے وَکَذَا اِیْقَادُ الْقَنَادِیْلِ وَالشَّمْعِ عِنْدَ قُبُوْرِ الْاَوْلِیَاءِ وَالصُّلَحَاءِ وَالْاِجْلَالِ لِلْاَوْلِیَاءِ فَالْمَقْصَدُ فِیْهَا مَقْصَدٌ حَسَنٌ وَنَذْرُ الزَّیْتِ وَالشَّمْعِ لِلْاَوْلِیَاءِ یُوْقَدُ عِنْدَ قُبُوْرِهِمْ تَعْظِیْمًا لَّهُمْ وَمَحَبَّةً فِیْهِمْ جَائِزٌ لَا یَنْبَغِی النَّهْیُ عَنْهُ اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیلیں اور موم بتیاں جلانا ان کی عظمت کے لئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہٰذا جائز ہے اور اولیاء کے لئے تیل اور موم بتی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے اظہار کے لئے ان کی قبور کے پاس جلائی جاویں جائز ہے۔ اس سے منع نہ کرنا چاہیئے + علامہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں بھی بالکل یہ ہی مضمون تحریر فرمادیا۔ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امور جائز ہوں۔ جیسا کہ ہم گنبد کی بحث میں عرض کرچکے ہیں کہ ان مزاراتِ اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم واعظ کو چاہیئے کہ اچھا لباس پہنے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس سے لوگ ملنا گوارا کریں۔ معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اُس کو اچھی طرح رہنا چاہیئے۔ اور مزاراتِ اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے + میں نجدی وہابیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جاکر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقمے جلتے تھے اور حطیم شریف

کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازے کعبہ پر شمع کافوری چار چار جلائی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی۔ تو یہاں روضۂ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے قمقمے وہاں سے تیز اور زیادہ تھے بہت رونق تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیت اللہ ہے۔ اور حضور علیہ السلام نور اللہ۔ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لیے۔ تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی تجلی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام تو کیا برائی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقعہ پر چراغاں کرتے ہیں یا کہ بجائے چراغ یا لالٹین کے گیس جلاتے ہیں جس میں کہ تیل بہت خرچ ہوتا ہے۔ مدارس کے جلسوں میں بیسیوں روپیہ روشنی پر خرچ ہو جاتا ہے + ابھی چند سال گذرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے جمعیۃ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی میرے خیال میں تین شب میں کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا۔ یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لیے تھا۔ اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں۔ نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرام۔ یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں؛

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں :-

اِن تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں

(۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَاْمُرْنَا اَنْ نَکْسُوَا الْحِجَارَۃَ وَالطِّیْنَ رب نے ہمیں حکم نہ دیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوٰۃ باب التصاویر) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے؛

جواب۔ اس سے مکانات کی دیواروں پر بلا ضرورت تکلفاً پردے ڈالنا مراد ہیں اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا بیان ہے یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے دیوار پر غلاف ڈالا تھا اسے پھاڑ کر یہ فرمایا۔ قبور اولیاء کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ غلاف ہے اور روضۂ رسول اللہ علیہ السلام پر سبز۔ اور غلاف کعبہ زمانہ نبوی میں تھا۔ بتاؤ

وہ جائز ہے. تو قبور کی چادر بھی جائز ⁂

(۲) قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا وہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچی ہے لہٰذا منع ہے. اولیاء کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں. ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے؟

جواب. اسراف کے معنیٰ ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا. چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہٰذا یہ اسراف نہیں. رہا کام چلنے کا عذر. اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کرتہ اس پر واسکٹ اس پر اچکن پہنتے ہیں پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک میں چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کر سکتا ہے بتاؤ یہ اسراف ہوا یا کہ نہیں؟ اسی طرح عمارات اور لذیذ خوراک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا تھا لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ⁂

(۳) مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسٰجِدَ وَالسُّرُجَ یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر + اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلانا لعنت کا سبب ہے + فتاویٰ عالمگیری میں ہے اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلَى الْمَقَابِرِ بِدْعَةٌ لَا اَصْلَ لَهٗ + اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے. اس کی کوئی اصل نہیں + شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے اَمَّا لَوْ نَذَرَ زَيْتًا لِاِيْقَادِ قِنْدِيْلٍ فَوْقَ ضَرِيْحِ الشَّيْخِ اَوْ فِى الْمَنَارَةِ كَمَا تَفْعَلُ النِّسَاءُ مِنْ نَذْرِ الزَّيْتِ لِسَيِّدِىْ عَبْدِ الْقَادِرِ وَيُوْقَدُ فِى الْمَنَارَةِ جِهَةَ الشَّرْقِ فَهُوَ بَاطِلٌ لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا منارہ میں چراغ جلانے کے لئے تیل کی نذر مانی جیسے کہ عورتیں حضور غوث پاک کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی منارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے + قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا" کہ چراغاں کردن بدعت است. پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان لعنت گفتہ" چراغاں کرنا بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی

شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں صفحہ ۴۱ پر ہے "واما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغہا وملبوس ساختن قبور بدعت شنیعہ اند" لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو غلاف پہنانا یہ سب بدعت سیئہ ہیں +

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ یہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا۔ جس کا اعتبار نہیں۔ ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے +

جواب۔ یہ اعتراض حقیقت میں چھ اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں۔ جوابات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے کہ یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے۔ فوائد کل چار بیان کئے۔ تین تو عام مومنین کی قبروں کے لئے اور چوتھا یعنی تعظیم روح اولیاء و مشائخ و علماء کی قبور کے لئے۔ اس حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بے فائدہ ہو۔ چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے وَالنَّہْیُ عَنْ اِتِّخَاذِ السُّرُجِ لِمَا فِیْہِ مِنْ تَضْیِیْعِ الْمَالِ قبروں پر چراغ جلانے سے اس لئے ممانعت ہے کہ اس میں مال برباد کرنا ہے + اسی طرح مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی + حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲۹ مصری میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں اَیِ الَّذِیْنَ یُوْقِدُوْنَ السُّرُجَ عَلَی الْقُبُوْرِ عَبَثًا مِنْ غَیْرِ فَائِدَۃٍ ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ عبث چراغ جلاتے ہیں + مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ لَیْلًا فَاُسْرِجَ لَہٗ بِسِرَاجٍ حضور علیہ السلام ایک شب دفن میت کے لئے قبر میں تشریف لے گئے تو آپ کے لئے چراغ جلایا گیا + دوم یہ کہ حدیث میں ہے وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْہَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں + ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی و دیگر شارحین اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی طرف سجدہ ہو یا قبر فرش مسجد میں آجائے یہ منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو برکت کے لئے تو جائز ہے یعنی اس جگہ انہوں نے علیٰ کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا۔ جس سے لازم آیا کہ خود تعویذ قبر پر چراغ جلانا منع ہے لیکن اگر قبر کے ارد گرد ہو تو وہ

قبر پر نہیں ہے لہٰذا جائز ہے۔ جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں لکھ چکے ہیں۔ نیز حدیقہ ندیہ میں علامہ نابلسی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں اَلْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْهَا اَیْ عَلَی الْقُبُوْرِ یَعْنِیْ فَوْقَهَا یعنی خاص قبروں کے اوپر اور وجہ اس کی یہ ہے کہ چراغ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا برا ہے۔ اسی لئے خاص قبر میں لکڑی کے تختے لگانے کو فقہاء منع فرماتے ہیں کہ اس میں آگ کا اثر ہے لیکن اگر لکڑی قبر کے پاس پڑی ہو وہ منع نہیں۔ تو چراغ کی ممانعت آگ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ تعظیم قبر کے لئے۔ نیز یہاں ایک ہی علیٰ ہے اور ذکر ہے مسجد کا اور چراغ کا۔ مسجد کے لئے تو آپ علیٰ کے حقیقی معنیٰ مراد لیں یعنی خاص قبر کے اوپر اور چراغ کے لئے مجازی یعنی قبر کے قریب۔ تو حقیقت اور مجاز کا اجتماع لازم ہوگا اور یہ منع ہے لہٰذا دونوں جگہ علیٰ کے حقیقی معنیٰ ہی مراد ہیں + مرقات میں ملا علی قاری اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں قَیَّدَ عَلَیْهَا یُفِیْدُ اَنَّ اِتِّخَاذَ الْمَسٰجِدِ بِجَنْبِهَا لَا بَاْسَ بِهٖ اوپر کی قید لگائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر کے برابر مسجد بنانے میں حرج نہیں + لفظ علیٰ سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائز + اسی طرح لفظ علیٰ سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر چراغ جائز + تیسرے یہ کہ ہم گنبد کی بحث میں شامی اور دیگر کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام میں منع تھیں مگر اب مستحب + روح البیان پارہ ۱۰ سورۂ توبہ زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ہے وَفِی الْاِحْیَاءِ اَکْثَرُ مَعْرُوْفَاتِ هٰذِهِ الْاَعْصَارِ مُنْکَرَاتٌ فِیْ عَصْرِ الصَّحَابَةِ یعنی احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ اس زمانہ کے بہت سے مستحباب صحابہ کرام کے زمانہ میں ناجائز تھے + مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان حاکم خچر پر سوار نہ ہو اور چپاتی روٹی نہ کھائے۔ اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو اہل حاجت سے بند نہ کرے۔ اور فرماتے تھے فَاِنْ فَعَلْتُمْ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ فَقَدْ حَلَّتْ بِکُمُ الْعُقُوْبَةُ اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تم کو سزا دی جاوےگی + اسی مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے کہ مَا اُمِرْتُ بِتَشْیِیْدِ الْمَسٰجِدِ مجھ کو مسجدیں اونچی بنانے کا حکم نہ دیا گیا۔ اس کے حاشیہ میں ہے اَیْ بِاِعْلَاءِ بِنَاءِ هَا وَتَزْیِیْنِهَا یعنی مسجدیں اونچی بنانے اور ان کو آراستہ کرنے کا حکم نہیں + اسی مشکوٰۃ میں ہے لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسٰجِدَ اللّٰهِ عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو + قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ہیں یعنی مؤلفۃ القلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ لیکن عہد فاروقی سے صرف سات مصرف رہ گئے۔ مؤلفۃ القلوب کو علیحدہ کر دیا گیا (دیکھو ہدایہ وغیرہ) کیے

اب بھی ان پر عمل ہے؟ اب حکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ ان کا رعایا پر رعب نہیں ہو سکتا۔ اگر کفار کے مکانات اور ان کے مندر تو اونچے ہوں مگر اللہ کا گھر مسجد نیچی اور کچی۔ اور معمولی ہو تو اس میں اسلام کی توہین ہے۔ اگر عورتیں مسجدیں جاویں تو صدہا خطرات ہیں۔ کسی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ یہ احکام کیوں بدلے؟ اس لئے کہ ان کی علتیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب و زینت کے مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور مقابر کی عزت و حرمت تھی۔ لہٰذا زندگی و موت ہر کام میں سادگی تھی۔ اب دنیا کی آنکھیں ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھتی ہیں لہٰذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ لہٰذا پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو۔ اب جائز قرار پایا۔ تفسیر روح البیان میں زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے مینارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مربع میں عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتتی تھیں اور بہت ہی سونے اور چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی اصل عبارت یہ ہے اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلٰی رَاسِ الْقُبُوْرِ فِی اللَّیَالِی الْاُوَلِ بِدْعَةٌ شروع راتوں میں قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس میں دو کلمے قابل غور ہیں ایک تو اخراج دوسرے فی اللیالی الاول۔ ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مُردوں کی قبروں پر چراغ لے جا کر جلاتے تھے یہ سمجھ کر کہ اس سے مُردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آجکل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مُردے کی غسل کی جگہ چراغ جلاتی ہیں یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مُردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پاکر لوٹ جاتی ہے لہٰذا روشنی کر دو یہ حرام ہے کیونکہ تیل کا بلا ضرورت خرچ ہے اور بدعقیدگی بھی ہے اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں۔ اگر یہ مطلب نہ ہو تو شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلانے کی نذر ماننا جس میں کہ اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے۔ کیونکہ شامی کی یہ عبارت در مختار کی اس عبارت کے ماتحت ہے وَاعْلَمْ اَنَّ النَّذْرَ الَّذِیْ یَقَعُ لِلْاَمْوَاتِ مِنْ اَکْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّیْتِ وَنَحْوِهَا اِلٰی ضَرَائِحِ الْاَوْلِیَاءِ تَقَرُّبًا اِلَیْهِمْ بِالْاِجْمَاعِ بَاطِلٌ جاننا چاہئے کہ عوام جو مُردوں کی نذریں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لئے لیا جاتا ہے اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لئے وہ بالاجماع باطل ہے۔ اور خود شامی کی عبارت میں بھی ہے لَوْ نَذَرَ اَگر

اس کی منت مانی + پھر اسی شامی کی عبارت میں ہے فَوْقَ ضَرِیْحِ الشَّیْخِ شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا ضریح کہتے ہیں + خالص تعویذ قبر کو. منتخب اللغات میں ہے "ضریح گور یا مغاکے کہ در میان گور سازند + اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے. اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام کے چراغ کسی جگہ رکھ کر جلاوے جیسے کہ بعض جہلاء بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام کے چراغ جلاتی ہیں یہ بھی حرام ہے اس کو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے. غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے اور ان کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے + خلاصہ یہ ہوا کہ شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا. چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنے کی نیت سے. خاص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کے کسی کے نام کے چراغ جلانا عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں +

مسئلہ بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں فلاں بزرگ کا چلہ ہے یعنی وہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے + بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا. بَابُ الْمَسَاجِدِ الَّتِیْ عَلٰی طُرُقِ الْمَدِیْنَۃِ اس میں بیان فرمایا کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے تھے جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجدیں بنا دی گئی تھیں مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی فَلَمْ یَکُنْ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ یُصَلِّیْ فِیْ ذٰلِکَ الْمَسْجِدِ کَانَ یَتْرُکُہٗ عَنْ یَّسَارِہٖ یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی غار حرا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نمازیں پڑھتے ہیں + لہٰذا خواجہ اجمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی ان کی زیارت کرنی، ان کو متبرک سمجھنا سنتِ صحابہ سے ثابت ہے +

مسئلہ اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں. نذر لغوی ہے جس کے معنی ہیں نذرانہ. جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے. اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے. اسی لئے فرماتے ہیں تَقَرُّبًا اِلَیْہِمْ نذر شرعی عبادت

ہے وہ غیر اللہ کے لئے ماننا یقیناً کفر ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مریض اچھا ہوگیا تو میں آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں۔ اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کرونگا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کرونگا اللہ کے لئے۔ اس پر جو ثواب ملیگا آپ کو بخشونگا۔ جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے کہ اگر بیمار اچھا ہوگیا تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کرونگا۔ اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث نذر اموات میں اس طرح بیان فرمایا بِاَنْ تَكُوْنَ صِيْغَةُ النَّذْرِ لِلّٰهِ تَعَالٰى لِلتَّقَرُّبِ اِلَيْهِ وَيَكُوْنُ ذِكْرُ الشَّيْخِ مُرَادًا بِهٖ فُقَرَاءُهٗ صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لئے ہو اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا مصرف ہوں۔ یہ محض جائز ہے۔ تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے ہے اس کے ثواب کا ہدیہ روح شیخ کے لئے۔ اس صدقہ کا مصرف مزار بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو کہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا۔ دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا اَفْلَحَ وَاَبِيْهِ اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہو گیا۔ مطلب یہ ہی ہے کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لئے ہو وہ جائز۔ یہ ہی نذر کا حال ہے۔ ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب النذور میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کرونگا۔ تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی وہاں بت وغیرہ نہ تھا تو نذر پوری کرو۔ کسی نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھونگا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا۔ کہ صدقہ و خیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقراء کی قید لگا دینا جائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب الحظر والاباحت صفحہ ۵۴ میں ہے "اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے"۔ رشید احمد۔

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ احد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ یہ نذر بھی عرفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ + غرضکہ لفظ نذر کے دو معنیٰ ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنیٰ سے نذر بزرگان دین کے لئے جائز ہے بمعنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنیٰ ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ پرانے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنیٰ میں ہے اور فرماتا ہے يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ یہاں طواف بمعنی لغوی ہے آنا جانا گھومنا +

(۴۷) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب و قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما بے شک بزرگ ہستیاں ہیں لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی و حرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں۔ مگر کراہت و حرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے + نیز شاہ عبدالعزیز صاحب و قاضی صاحب تو چراغاں اور مزارات کی چادروں کو حرام فرماتے ہیں۔ مگر شامی چادروں کو اور صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب حدیقہ ندیہ چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں یقیناً ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے + نیز شاہ عبدالعزیز و قاضی صاحبان علیہما الرحمۃ والرضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضۂ مطہرہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدعتوں اور حرام کاموں کا مرکز ہے کیونکہ وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آجتک کسی عالم یا فقیہ نے اس پر انکار نہ کیا۔ تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان دو صاحبوں کا وہ فتویٰ کس طرح مانا جاوے جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے + شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذور میں فرماتے ہیں "کہ نذریکہ ایں جا مستعمل میشود بر معنیٰ شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند نذر و نیاز می گویند"

(۵۱) حرمین شریفین کے علماء کا کسی شئ کو اچھا سمجھنا بیشک اس کے استحباب کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتا + حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار و مشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے + مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برے لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے جیسے

کہ لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو خواہ فوراً نکالے یا کچھ عرصہ بعد یا کہ بعد موت + جذب القلوب میں شیخ حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں "مراد نفی وابعاد اہل شرو فساد است از ساحت عزت ایں بلدہ طیبہ وخاصیت مذکورہ دروے در جمیع ازمان ہویدا است" اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ پاک کی زمین پاک تمام شریر ومفسدین کو نکال دیتی ہے اور یہ خاصیت اس میں ہمیشہ باقی ہے۔ لہٰذا علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک وبدعت کہدینا سخت غلطی ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سنت ترکیہ کی ایجاد ہے + امام اجل سید نور الدین سمہودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اور امام نور الدین سمہودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۳ھ میں تصنیف فرمائی۔ وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سولھویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں وَاَمَّا مَعَالِیْقُ الْحُجْرَۃِ الشَّرِیْفَۃِ الَّتِیْ تُعَلَّقُ حَوْلَہَا مِنْ قَنَادِیْلِ الذَّہَبِ وَالْفِضَّۃِ وَنَحْوِہِمَا فَلَمْ اَقِفْ عَلٰی اِبْتِدَاءِ حُدُوْثِہِمَا لیکن جو سونے چاندی کی قندیلیں روضۂ مطہرہ کے اردگرد لٹکی ہوئی ہیں مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں + اسی مقام پر فرماتے ہیں وَقَدْ اَلَّفَ السُّبْکِیُّ تَالِیْفًا سَمَّاہُ تَنَزُّلُ السَّکِیْنَۃِ عَلٰی قَنَادِیْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَذَہَبَ فِیْہِ اِلٰی جَوَازِہَا وَصِحَّۃِ وَقْفِہَا وَعَدَمِ جَوَازِ صَرْفِ شَیْءٍ مِّنْہَا لِعِمَارَۃِ الْمَسْجِدِ امام سبکی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزل السکینہ علیٰ قنادیل المدینہ وہ فرماتے ہیں کہ روضۂ مطہرہ کی یہ قندیلیں جائز ہیں ان کا وقف درست ہے۔ ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہو سکتی۔

الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔

بحث خاتمہ پنجاب اور یوپی وکاٹھیاواڑ میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے بعض دیوبندی اس کو بھی شرک وحرام کہتے ہیں یہ محض اُن کی بے دینی ہے۔ مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے + تفسیر روح البیان میں زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ۷۰۰ قندیلیں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اولاً کھجور کی لکڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر تمیم داری کچھ قندیلیں اور رسیاں اور تیل لائے۔ اور اُن کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا نَوَّرْتَ مَسْجِدَنَا نَوَّرَ اللّٰہُ عَلَیْکَ تم نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو نورانی رکھے

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغاں کیا اور قندیلیں لٹکائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نَوَّرْتَ مَسْجِدَنَا نَوَّرَ اللّٰهُ قَبْرَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔ اے عمر تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تمہاری قبر کو روشن کرے۔ تفسیر کبیر میں آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کی تفسیر میں ہے۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْرَجَ فِيْ مَسْجِدٍ سِرَاجًا لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ وَحَمَلَةُ الْعَرْشِ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ مَادَامَ فِي الْمَسْجِدِ ضَوْءُهٗ (یعنی) جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد میں اس کی روشنی رہے فرشتے اور حاملین عرش کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب الحظر والاباحت صفحہ ۱۱۲ میں یہ مانا ہے کہ عہدِ فاروقی میں بعض صحابہ بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر مامون رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں بکثرت چراغ جلائے جاویں۔ غرضکہ مسجد کی روشنی سنتِ انبیاء و سنت صحابہ اور سنت عامۃ المسلمین ہے۔

بحث ۱۵ قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس کو بدعت، حرام، شرک اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جواب بفضلہ تعالیٰ وکرمہٖ

پہلا باب
اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے۔ احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز باب مایقال عند من حضرۃ الموت میں ہے لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اپنے مردوں کو سکھاؤ لا الہ الا اللہ۔ دنیاوی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لئے دو بڑے خطرناک وقت ہیں۔ ایک تو جان کنی کا۔ دوسرا سوالاتِ قبر بعد دفن کا۔ کہ اگر جان کنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا۔ تو عمر بھر کا کرا دھرا سب برباد گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال امتحان میں فیل ہو گئے۔ تو سال آئندہ دے لو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لئے زندوں کو

چاہتے۔ کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں۔ کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ اور بعد دفن اُس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں۔ کہ اس وقت تو وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو۔ لہٰذا اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو اُس کو کلمہ سکھاؤ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اُس کو کلمہ سکھاؤ۔ پہلے معنی مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی مجازی لینا ٹھیک نہیں۔ لہٰذا حدیث کا یہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مُردوں کو کلمہ سکھاؤ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے اَمَّا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ فَالْحَدِيْثُ اَیْ لَقِّنُوْا اَمْوَاتَكُمْ مَحْمُوْلٌ عَلٰى حَقِيْقَتِهٖ وَقَدْ رُوِیَ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ اَمَرَ بِالتَّلْقِيْنِ بَعْدَ الدَّفْنِ فَيَقُوْلُ يَا فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ اُذْكُرْ دِيْنَكَ الَّذِیْ كُنْتَ عَلَيْهَا اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا موتٰکم اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا اس قبر پر کہے کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔ شامی میں اسی جگہ ہے وَاِنَّمَا لَا يُنْهٰى عَنِ التَّلْقِيْنِ بَعْدَ الدَّفْنِ لِاَنَّهٗ لَاضَرَرَ فِيْهِ بَلْ فِيْهِ نَفْعٌ فَاِنَّ الْمَيِّتَ يَسْتَاْنِسُ بِالذِّكْرِ عَلٰى مَا وَرَدَ فِی الْاٰثَارِ دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہے کیونکہ میت ذکر الٰہی سے انس حاصل کرتی ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین (سکھانا) مستحب ہے۔ تاکہ مردہ نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ اور اذان میں بھی کلمہ ہے لہٰذا یہ تلقین میت ہے مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے۔ کیونکہ نکیرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ دوسرے کا جواب ہوا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہ تھیں) تیسرے کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے جس کو اشعار میں یوں فرمایا ؎

فَرْضِ الصَّلٰوةِ وَفِیْ اُذُنِ الصَّغِيْرِ وَفِیْ ٭ وَقْتِ الْحَرِيْقِ وَالْحَرْبِ الَّذِیْ وَقَعَا

خَلْفَ الْمُسَافِرِ وَالْغِیْلَانِ اِنْ ظَهَرَتْ ٭ فَاحْفَظْ لِسِتٍّ مِّنْ لِلَّذِیْ قَدْ شَرَعَا
وَزِیْدَ اَرْبَعُ ذُوْهَمِّ وَّذُوْغَضَبٍ ٭ مُسَافِرٌ ضَلَّ فِیْ قَفْرٍ وَّمَنْ صُرِعَا

نماز پنجگانہ کے لئے بچہ کے کان میں۔ آگ لگنے کے وقت۔ جبکہ جنگ واقع ہو۔ مسافر کے پیچھے اور جن کے ظاہر ہونے پر۔ غصہ والے پر۔ جو مسافر کہ راستہ بھول جاوے اور مرگی والے کے لئے + شامی میں اسی کے ماتحت ہے قَدْ یُسَنُّ الْاَذَانُ بِغَیْرِ الصَّلٰوۃِ کَمَا فِیْ اَذَانِ الْمَوْلُوْدِ وَالْمَهْمُوْمِ وَ الْمَصْرُوْعِ وَالْغَضْبَانِ وَمَنْ سَاءَ خُلْقُهٗ مِنْ اِنْسَانٍ اَوْ بَهِیْمَةٍ وَعِنْدَ مُزْدَحَمِ الْجَیْشِ وَ عِنْدَ الْحَرِیْقِ وَقِیْلَ عِنْدَ اِنْزَالِ الْمَیِّتِ الْقَبْرَ قِیَاسًا عَلٰی اَوَّلِ خُرُوْجِهٖ لِلدُّنْیَا لٰکِنْ رَدَّهٗ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ شَرْحِ الْعُبَابِ وَعِنْدَ تَغَوُّلِ الْغِیْلَانِ اَیْ تَمَرُّدِ الْجِنِّ نماز کے سوا چند جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں، غمزدہ کے، مرگی والے کے، غصہ والے کے کان میں۔ جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے لشکروں کے جنگ کے وقت۔ آگ لگ جانے کے وقت۔ میت کو قبر میں اتارتے وقت۔ اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس اذان کے سنت ہونے کا ابن حجر علیہ الرحمتہ نے انکار کیا ہے جن کی سرکشی کے وقت۔ علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا ان شاء اللہ +

مشکوٰۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بلال کی اذان سے رمضان کی سحری ختم نہ کردو۔ وہ تو لوگوں کو جگانے کے لئے اذان دیتے ہیں + معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گولے کے اذان دی جاتی تھی لہذا سوتے کو جگانے کے لئے اذان دینا سنت سے ثابت ہے +

اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے۔ ہم وہ فائدے عرض کئے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا۔ کہ میت کو ان میں سے کون کون سے فائدے حاصل ہوں گے اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جوابات ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے + مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ الشَّیْطٰنُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاْذِیْنَ جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔ اور جس طرح کہ بوقت موت شیطان مرنے والے کو ورغلاتا ہے تاکہ ایمان چھین لے۔ اسی

طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بہکاتا ہے کہ تو مجھے خدا کہہ دے۔ تاکہ میت اس آخری امتحان میں فیل ہو جاوے اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا مِنْہُ چنانچہ نوادر الوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا سُئِلَ مَنْ رَّبُّکَ یُرٰی لَہُ الشَّیْطٰنُ فَیُشِیْرُ اِلٰی نَفْسِہٖ اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَلِھٰذَا وَرَدَ سُوَالُ التَّثَبُّتِ لَہٗ حِیْنَ سُئِلَ یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اِسی لئے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اُس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔ اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بہکانے والا گیا۔

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دُور کرتی ہے ابونعیم اور ابن عساکر نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی نَزَلَ اٰدَمُ بِالْھِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ فَنَادٰی بِالْاَذَانِ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اُترے اور اُن کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اِسی طرح مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۲۱ باب سوم دربیان آیات شرف دے میں ہے " اور میت بھی اِس وقت عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تاریک مکان میں اکیلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں حواس باختہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو اطمینان ہو گا جوابات درست دے گا " چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دُور ہوتا ہے اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَزِیْنًا فَقَالَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اِنِّیْ اَرَاکَ حَزِیْنًا فَمُرْ بَعْضَ اَھْلِکَ یُؤَذِّنْ فِیْ اُذُنِکَ فَاِنَّہٗ دَرْأُ الْھَمِّ مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رنجیدہ دیکھا تو فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم کو رنجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دُور کرنے والی ہے۔ بزرگانِ دین حتّٰی کہ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ جَرَّبْتُہٗ فَوَجَدْتُہٗ کَذٰلِکَ کَذَا فِی الْمِرْقَاتِ مرقاۃ شروع باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب مردے کے دل پر اس وقت جو صدمہ ہے اذان کی برکت سے دُور ہو گا اور سرور حاصل ہو گا۔

پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابویعلیٰ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اِطْفِئُوا الْحَرِیْقَ بِالتَّکْبِیْرِ اور اِذَا رَاَیْتُمُ الْحَرِیْقَ فَکَبِّرُوْا فَاِنَّہٗ یُطْفِیُ النَّارَ لگی

ہوئی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ۔ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے + اور اذان میں تکبیر تو ہے اللہ اکبر، لہٰذا اگر قبر میت میں آگ لگی ہوئی ہو تو امید ہے کہ خدائے پاک اس کی برکت سے بجھا دے۔

چھٹے یہ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے تنگی قبر سے نجات ملتی ہے + امام احمد و طبرانی و بیہقی نے جابر رضی اللہ عنہ سے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا واقعہ نقل کر کے روایت کی سَبَّحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَکَبَّرَ النَّاسُ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ سَبَّحْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَایَقَ عَلٰی ھٰذَا الرَّجُلِ الصَّالِحِ قَبْرُہٗ حَتّٰی فَرَّجَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بعد دفن حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ سبحان اللہ فرمایا۔ پھر اللہ اکبر حضور نے بھی فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی ارشاد فرمایا کہ اس صالح بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔ اس کی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں اَیْ مَازِلْتُ اُکَبِّرُ وَتُکَبِّرُوْنَ وَاُسَبِّحُ وَتُسَبِّحُوْنَ حَتّٰی فَرَّجَہُ اللّٰہُ۔ یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و تکبیر کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے قبر کو کشادہ فرما دیا + ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے + امام سفین ابن عیینہ فرماتے ہیں عِنْدَ ذِکْرِ الصّٰلِحِیْنَ تَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے + غرضکہ ہماری تھوڑی سی جنبش زبان سے اگر میت کو اتنے بڑے بڑے سات فائدے پہنچ جاویں تو کیا حرج ہے؟

ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا باعث ثواب ہے + شامی باب سنن الوضوء میں ہے اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی جس کو شریعت مطہرہ منع نہ کرے وہ مباح ہے اور جو مباح کام نیت خیر سے کیا جاوے وہ مستحب ہے + شرح مشکوٰۃ میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ + شامی بحث سنن الوضوء میں ہے اِنَّ الْفَرْقَ بَیْنَ الْعَادَۃِ وَالْعِبَادَۃِ ھُوَ النِّیَّۃُ الْمُتَضَمِّنَۃُ لِلْاِخْلَاصِ عادت اور عبادت میں فرق نیت اخلاص سے ہے یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے۔ اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت + درمختار بحث مستحبات الوضوء میں ہے وَمُسْتَحَبُّہٗ ھُوَ مَا فَعَلَہُ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَرَّۃً وَتَرَکَہٗ اُخْرٰی وَمَا اَحَبَّہُ السَّلَفُ مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی نہ کیا۔ اور وہ

بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں شامی بحث دفن زیر عبادت ولا یخصص ہے وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے + ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ اذانِ قبر شریعت میں منع نہیں۔ لہذا جائز ہے اور چونکہ اس کو بہ نیتِ اخلاص مسلمان بھائی کے نفع کے لئے کیا جاتا ہے لہذا یہ مستحب ہے اور چونکہ مسلمان اس کو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عند اللہ اچھی ہے + خود دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاوےٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۴ میں فرماتے ہیں ؎ کسی نے سوال کیا ہے کہ تلقین بعد دفن ثابت ہے یا نہیں۔ تو جواب دیا یہ مسئلہ عہد صحابہ میں سے مختلف فیہا ہے۔ اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی ہے جس پر عمل کرے درست ہے + رشید احمد

دوسرا باب
اذانِ قبر پر اعتراضات وجوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے

(۱) قبر پر اذان دینا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام لہذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں وہی پرانا سبق +

جواب۔ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد دفن ذکر اللہ تسبیح وتکبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اس پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے۔ اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی۔ لہٰذا یہ سنّت سے ثابت ہے۔ اور اگر بدعت بھی ہو تو حسنہ ہے جیسے کہ ہم بحثِ بدعات میں عرض کر چکے ہیں + فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۸ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرونِ ثلٰثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں ؟ الجواب قرون ثلٰثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے۔ کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں + رشید احمد عفی عنہ

اسی کتاب میں صفحہ ۸۸ پر ہے کہ کھانا تاریخ معیّن پر کھلانا بدعت ہے اگرچہ ثواب پہنچے گا" + رشید احمد

کئے جناب یہ ختم بخاری اور برسی کی فاتحہ پر ثواب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیسا؟

نوٹ ضروری۔ مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلباء سے کرایا جاتا ہے اہلِ حاجت طلباء کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کئے جاتے ہیں شاید یہ بدعت اس لئے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصولِ زر کا ذریعہ۔ لیکن اب قبرِ مومن پر اذان کیوں حرام؟

(۲) شامی نے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کئے ہیں وہاں اذانِ قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا لٰکِنْ رَدَّہٗ اِبْنُ حَجَرٍ فِیْ شَرْحِ الْعُبَابِ اس اذان کی ابن حجر نے شرح عباب میں تردید کر دی ہے معلوم ہوا کہ اذانِ قبر مردود ہے۔

جواب۔ اولاً تو ابن حجر شافعی مذہب ہیں بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ اذانِ قبر سنت ہے اور امام ابن حجر شافعی اس کی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قولِ شافعی پر؟ دوم امام حجر نے بھی اذانِ قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سُنّت ہونے کا انکار کیا۔ یعنی یہ سنت نہیں۔ اگر میں کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پریس۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جائز بھی نہیں + شامی نے اس موقعہ پر فرمایا وَقَدْ یُسَنُّ الْاَذَانُ ان موقعوں پر اذان سُنّت ہے۔ آگے فرمایا رَدَّہٗ اس کی ابن حجر نے تردید کی تو کس چیز کی تردید ہوئی؟ سنیت کی + شامی سمجھنے کے لئے عقل والیان کی ضرورت ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر مان بھی لو کہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے خود اذان کی تردید کی۔ تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ بلادلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی + شامی بحث مستحباب الوضوء میں ہے وَلَا یَلْزَمُ مِنْ تَرْکِ الْمُسْتَحَبِّ ثُبُوْتُ الْکَرَاھَۃِ اِذْ لَابُدَّ لَہٗ مِنْ دَلِیْلٍ خَاصٍ ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے + شامی جلد اوّل بحث مکروہات الصلوٰۃ بیان المستحب والسنۃ والمندوب میں ہے تَرْکُ الْمُسْتَحَبِّ لَا یَلْزَمُ مِنْہُ اَنْ یَّکُوْنَ مَکْرُوْھًا اِلَّا بِنَھْیٍ خَاصٍ لِاَنَّ الْکَرَاھَۃَ حُکْمٌ شَرْعِیٌّ فَلَابُدَّ لَہٗ مِنْ دَلِیْلٍ خَاصٍ مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو جائے

بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے۔ اس کے لئے خاص دلیل کی ضرورت ہے + آپ تو اذانِ قبر کو حرام فرماتے ہیں۔ فقہاء بغیر خاص ممانعت کے کسی شئی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے ؎

اگر کہا جاوے کہ شامی نے اذانِ قبر کو قیل سے بیان کیا اور قیل ضعف کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ فقہ میں قیل ضعف کے لئے لازم نہیں + شامی کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے فَتَعْبِیْرُ الْمُصَنِّفِ بِقِیْلَ لَیْسَ یَلْزَمُ الضُّعْفَ + اسی طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا قِیْلَ تَحْرِیْمًا وَقِیْلَ تَنْزِیْهًا دیکھو یہاں دو قول تھے اور دونوں قیل سے نقل کئے + عالمگیری کتاب الوقف بحث مسجد میں ہے وَقِیْلَ هُوَ مَسْجِدٌ اَبَدًا وَّهُوَ الْاَصَحُّ یہاں صحیح قول قیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قیل دلیل ضعف نہیں + اور اگر مان بھی لیا جائے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا نہ کہ جائز کہنا کیونکہ یہ سنت ہی کا قول ہے + ہم بھی اذانِ قبر سنت نہیں کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں ؎

(۳) فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر بجز فاتحہ کے کچھ نہ کرے۔ اور اذانِ قبر فاتحہ کے علاوہ ہے۔ لہٰذا حرام ہے۔ چنانچہ بحر الرائق میں ہے وَیُکْرَهُ عِنْدَ الْقَبْرِ کُلُّ مَا لَمْ یُعْهَدْ مِنَ السُّنَّةِ وَالْمَعْهُوْدُ مِنْهَا لَیْسَ اِلَّا زِیَارَتُهَا وَالدُّعَاءُ عِنْدَهَا قَائِمًا + شامی کتاب الجنائز میں ہے لَا یُسَنُّ الْاَذَانُ عِنْدَ اِدْخَالِ الْمَیِّتِ فِیْ قَبْرِهٖ کَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ الْاٰنَ وَقَدْ صَرَّحَ ابْنُ حَجَرٍ بِاَنَّهٗ بِدْعَةٌ وَّقَالَ مَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ سُنَّةٌ فَلَمْ یُصِبْ یعنی میت کو قبر میں اُتارتے وقت اذان دینا سُنّت نہیں ہے جیسا کہ آجکل مروج ہے اور ابن حجر نے صریح فرمادی کہ یہ بدعت ہے۔ اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا در البحار میں ہے مِنَ الْبِدَعِ الَّتِیْ شَاعَتْ فِیْ بِلَادِ الْهِنْدِ الْاَذَانُ عَلَی الْقَبْرِ بَعْدَ الدَّفْنِ جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہوگئیں اُن میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے + توضیح شرح تنقیح میں محمود بلخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اَلْاَذَانُ عَلَی الْقَبْرِ لَیْسَ بِشَیْءٍ قبر پر اذان دینا کچھ نہیں + مولوی اسحاق صاحب مائۃ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے ؎

جواب۔ بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا یا سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت۔ یہ زیارت کا وقت نہیں ہے۔ اگر وقت

دفن بھی اس میں شامل ہے۔ پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اُتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعدِ دفن تلقین کرنا جس کو فتاوی رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہو۔ بس مُردے کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیئے۔ اور زیارتِ قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع ہیں۔ وہ ہی عبارت بحر الرائق کا مقصود ہے۔ ورنہ مُردوں کو سلام کرنا، ان کے قبور پر سبزہ یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔ اور بحر الرائق میں فرماتے ہیں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے + مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشفِ قبور کا طریقہ بیان فرماتے ہیں "وبعدہٗ ہفت کرہ طواف کند ودراں تکبیر بخواند وآغاز از راست کند وبعدہٗ طرف پایاں رخسار نہد۔" یعنی اس کے بعد کا سات چکر طواف کرے اور اس میں تکبیر کہے اور داہنی طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسارہ رکھے۔ تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ الایمان صفحہ ۶ پر دیتے ہیں۔ یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم وتقرب کے لئے کیا جاتا ہے اور جس کی ممانعت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس کے ارد گرد پھرنا واسطے پیدا کرے مناسبت روحی کے صاحبِ قبر کے ساتھ اور لینے فیوض کے + اس کی نظیر حضرت جابر کے قصے میں وارد ہوئی ہے جبکہ ان کے والد مقروض ہو کر وفات پا گئے اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ باغ میں تشریف لاکر رعایت کرا دیجئے۔ حضور علیہ السلام باغ میں رونق افروز ہوئے اور چھوہاروں کے انبار لگوا کر بڑے انبار کے گرد تین بار پھرے طَافَ حَوْلَ اَعْظَمِہَا بَیْدَرًا دَ۔ یہ حضور کا پھرنا کوئی طواف نہ تھا بلکہ اس میں اثر پہنچانے کے لئے اس کی چاروں طرف پھر گئے + اسی طرح کشف القبور کے عمل میں ہے + کہیئے اگر اذانِ قبر اس لئے منع ہے کہ قبر پر بجز زیارت ودعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے؟ لہٰذا بحر الرائق کی ظاہری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں + پُر لطف بات یہ ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لئے وہاں جانا اور طواف کرنا، قبر پر رخسارہ رکھنا جائز ہے اسی کو تقویۃ الایمان میں شرک کہا ہے + شامی وتوشیخ وغیرہ کی عبارتوں کا جواب سوال نمبر ۱ کے ماتحت گذر گیا کہ اس میں سنت کا انکار ہے نہ کہ جواز کا۔ توشیخ کا فرمانا لَیْسَ بِشَیْءٍ اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے اور اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط

ہے۔ جو فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بلا دلیل کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسحاق صاحب دیوبندیوں کے پیشوا ہیں ان کا قول حجت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے جو کہ سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ ورنہ قرآن کے سیپارے اور اعراب اور بخاری بھی مکروہ ہوگی۔ کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین مطلب فی تکبیر التشریق میں ہے وُقُوْفُ النَّاسِ یَوْمَ عَرَفَةَ فِیْ غَیْرِهَا تَشْبِیْهًا بِالْوَاقِفِیْنَ لَیْسَ بِشَیْءٍ اسی کے ماتحت شامی میں ہے وَهُوَ نَكِرَةٌ فِیْ مَوْضِعِ النَّفْیِ فَتَعُمُّ اَنْوَاعَ الْعِبَادَةِ مِنْ فَرْضٍ وَّ وَاجِبٍ وَّ مُسْتَحَبٍّ فَیَبْقِیَّةُ الْاِبَاحَةِ قِیْلَ یُسْتَحَبُّ۔ ہدایہ کے حاشیہ میں لیس بشیءٍ کے ماتحت فرماتے ہیں اَیْ لَیْسَ بِشَیْءٍ یَتَعَلَّقُ بِهِ الثَّوَابُ وَهُوَ یَصْدُقُ عَلَی الْاِبَاحَةِ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ لیس بشیءٍ مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔

(۴) اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے۔ دفن کے وقت کونسی نماز ہو رہی ہے کہ جس کی اطلاع دینا منظور ہے۔ چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

جواب۔ یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لئے ہے۔ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کہنی چاہیئے۔ آخر بچہ کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کونسی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب میں دو اذانیں ہوتی تھیں۔ ایک تو سحری کے لئے بیدار کرنے کو دوسری نماز فجر کے لئے۔ لطیفہ کاٹھیاواڑ میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یوپی میں رواج ہے کہ بعد نماز عید معانقہ (گلے ملنا) کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معانقہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہیئے۔ نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر اس وقت یہ کیوں ہوتا ہے۔ یہ مصافحہ اور معانقہ بدعت ہے لہٰذا حرام ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ معانقہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اس کا باندھا باب المصافحۃ والمعانقۃ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ یہ معانقہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لئے اظہار خوشی میں معانقہ کرتے ہیں۔ نیز درمختار جلد پنجم باب الکراہیۃ باب الاستبراء میں ہے اَیْ كَمَا تَجُوْزُ الْمُصَافَحَةُ وَلَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقَوْلُهُمْ اَنَّهٗ بِدْعَةٌ اَیْ مُبَاحَةٌ حَسَنَةٌ كَمَا اَفَادَهُ النَّوَوِیُّ فِیْ اَذْكَارِهٖ۔

مصافحہ جائز ہے اگر نمازِ عصر کے بعد ہو اور فقہاء کا فرمانا کہ مصافحہ بعد نمازِ عصر بدعت ہے یعنی بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا + اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں اِعْلَمْ اَنَّ الْمُصَافَحَةَ مُسْتَحَبَّةٌ عِنْدَ كُلِّ لِقَاءٍ وَاَمَّا مَا اعْتَادَهُ النَّاسُ مِنَ الْمُصَافَحَةِ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَلَا اَصْلَ لَهٗ فِي الشَّرْعِ عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ وَلٰكِنْ لَا بَاْسَ بِهٖ وَتَقْيِيْدُهٗ بِمَا بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ عَلٰى عَادَةٍ كَانَتْ فِيْ زَمَنِهٖ وَاِلَّا فَعَقْبَ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا كَذٰلِكَ ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں. لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہ ہی حکم ہے + اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اُس کی تسلی نہ ہوئی یہ ہی کہتا رہا کہ مصافحہ معانقہ ملاقات کے وقت چاہیئے. ہم نے کہا اچھا بتاؤ اول ملاقات کسے کہتے ہیں؟ بولا غائب ہونے کے بعد جب ملیں. تو یہ اول ملاقات ہے. ہم نے کہا. غائب ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ جسماً غائب ہوں دوسرے یہ کہ دِلی طور غائب ہوں نماز کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر حکمی لحاظ سے سب ایک دوسرے سے غائب تھے کہ نہ کسی سے کلام کرسکیں نہ ایک دوسرے کی مدد. بلکہ یہ تمام لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا، پینا، چلنا پھرنا تمام دنیاوی کام حرام ہیں اور اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ کا نقشہ نظر آرہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ ہیں جب سلام پھیرا. اب دنیا میں آگئے. تمام دنیاوی کام حلال ہوگئے. یہ وقت غائب ہونے کے بعد ملنے کا ہے لہٰذا مصافحہ سنّت ہے. وہ کہنے لگا کہ یہ تو منطق سے سمجھا دیا. اس کو شریعت نے تو ملاقات کا وقت نہیں مانا. ہم نے کہا کہ مانا ہے. اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہیئے کہ سلام میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام کرنے کی نیت کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو. اور تنہا نمازی صرف ملائکہ کی نیت کرے. اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے وقت. بتاؤ یہ سلام کیسا؟ آیا یہ لوگ کہیں سے آرہے ہیں یا کہ جارہے ہیں؟ جا تو نہیں رہے ہیں کیونکہ ابھی دعا مانگیں گے وظیفہ پڑھیں گے. بعض لوگ اشراق پڑھ کر اٹھیں گے. معلوم ہوا کہ عالم بالا کی سیر کرکے آرہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں. لہٰذا مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے بعد چاہیئے. ہم نے کہا کہ ہاں اگر ہر نماز کے بعد کرے تب بھی منع نہیں ہے + الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہوگئی. اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے +

بحث ۱۶ عرسِ بزرگان

اِس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب مسئلہ عرس پر اعتراضات وجوابات میں :-

پہلا باب
ثبوتِ عرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لئے دولہا اور دُلہن کو عروس کہتے ہیں۔ بزرگانِ دین کی تاریخ وفات کو اس لئے عرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِیْ لَا یُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ نوا دُلہن کی طرح سو جا جس کو سوائے اس کے پیارے کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اُس دن نکیرین نے اُن کو عروس کہا۔ اس لئے وہ دن روزِ عرس کہلایا۔ یا اس لئے کہ وہ جمال مصطفےٰ علیہ السلام کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں۔ کہ تو اُن کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دُولہا ہیں۔ تمام عالم اُن ہی کے دم کی بہار ہے اور وصالِ محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہٰذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا۔ اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہاء سے ہے + شامی جلد اول باب زیارت القبور میں ہے رَوٰى ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَاْتِیْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ بِاُحُدٍ عَلٰی رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے + تفسیر کبیر اور تفسیر درِ منثور میں ہے عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ كَانَ یَاْتِیْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ عَلٰی رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَیَقُوْلُ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ هٰكَذَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور اُن کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے + شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں "دوم آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند وختم کلام اللہ وفاتحہ بر شیرینی وطعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں کنند ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا وخلفائے راشدین نہ بود اگر کسے ایں طور کند باک نیست بلکہ فائدہ احیاء اموات را حاصل مے شود"

دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن کریں اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کرکے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروّج نہ تھی۔ لیکن اگر کوئی کرے توحرج نہیں بلکہ زندوں سے مُردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے + زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب اور مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہما الرحمتہ والرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں "ایں طعن مبنی است بر جہل باحوالِ مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نمی داند آرے تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں بایصال ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است باجماع علماء وتعیین روز عرس برائے آں است کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والّا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح ونجات است۔" یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقررکردہ فرائض کے سواء کو فرض نہیں جانتا۔ ہاں صالحین کی قبروں سے برکت لینا اور ایصالِ ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی وطعام سے اُن کی مدد کرنا اجماعِ علماء سے اچھا ہے عرس کا دن اس لئے مقرر ہے کہ وہ دن اُن کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا ہے + حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں "اعراس پیراں بر سنت پیراں بسماع وصفائی جاری دارند" پیروں کا عرس پیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں + مولوی رشید احمد + واشرف علی صاحبان کے حاجی امداد اللہ صاحب اپنے فیصلہ ہفت مسئلہ میں عرس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں "فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصالِ ثواب کرتا ہوں اوّل قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے + مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عرس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں "بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہوگئیں مجلسِ عرس ومولود بھی ایسا ہی ہے۔ اہلِ عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاصکر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے رہے جن کا مزار مقدس اُحد پہاڑ پر ہے + غرضکہ دنیا بھر کے مسلمان خصوصاً اہل خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کاربند

ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے" عقل بھی چاہتی ہے کہ عرس بزرگان عمدہ چیز ہو اولاً تو اس لئے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے۔ زیارت قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا اَلَا فَزُوْرُوْهَا اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارتِ قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جاوے یا کہ جمع ہو کر۔ اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے۔ سال کے بعد مقرر کرکے زیارۃ کرنا منع محض لغو ہے معین کرکے ہو یا بغیر معین کئے ہر طرح جائز ہے + دوم اس لئے کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی، کلمہ طیبہ، درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہو جاتی ہیں۔ تیسرے اس لئے کہ ایک پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے۔ اور آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ چوتھے اس لئے کہ طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہے۔ اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگانِ دین جمع ہوتے ہیں۔ علماء و صوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کرے + آخر حج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں، اِس میں بھی گذشتہ فوائد ملحوظ ہیں + ہم نے دیوبندی اکابر کی قبریں بھی دیکھی ہیں نہ وہاں رونق، نہ کوئی فاتحہ خواں، نہ اُن کو ایصالِ ثواب، نہ کسی کو اُن سے اور نہ کسی سے اُن کو فیوض + امورِ خیر بند کرنے کی یہ برکات ہیں ؂

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں

(۱) جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو اور عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے۔ کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان مرا یا بے دین ہو کر مرا + پھر کسی مُردے کی ولایت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں ؂

جواب۔ زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں۔ جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اُس کو مسلمان سمجھ کر اُس کی نمازِ جنازہ، کفن دفن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی۔ اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اُس کی نماز جنازہ ہوگی، نہ گور و کفن، نہ تقسیم میراث۔ شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا

ہے فقط احتمال معتبر نہیں۔ اسی طرح جو زندگی میں ولی ہو وہ بعدِ وفات بھی ولی ہے۔ اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرو۔ شاید مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کرو کہ شاید کافر ہو کر مرا ہو + نیز مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب المشی بالجنازہ میں بروایت مسلم و بخاری ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک جنازہ گذرا جس کی لوگوں نے تعریف کی۔ فرمایا وَجَبَتْ واجب ہو گئی۔ دوسرا جنازہ گذرا جس کی لوگوں نے بُرائی کی۔ فرمایا وَجَبَتْ واجب ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئے، فرمایا پہلے کے لئے جنت اور دوسرے کے لئے دوزخ۔ پھر فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو + جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے۔ مسلمانوں کے منہ سے وہ ہی بات نکلتی ہے جو کہ اللہ کے یہاں ہوتی ہے + اسی طرح جس چیز کو مسلمان ثواب جانیں، حلال جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعثِ ثواب اور حلال ہے کیونکہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں۔ اسی کی حدیث نے تصریح فرمائی مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ + قرآن فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ہم نے تم کو اُمت عادلہ بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو + مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی + ربؔ نے قرآن کریم کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی۔ کہ فرمایا وَ اشْهَدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ۔ جب صالح مومنین کی گواہی نبوت ثابت کی جاسکتی ہے ولایت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوسکتی ہے۔ اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ تو کس شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ہوگا؟

نوٹ ضروری۔ یہ سوال مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا۔ ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہ ہی جواب دیا تھا جس پر اُس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام کے لئے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی ہو جائے۔ کیونکہ وہاں فرمایا ہے اَنْتُمْ۔ ہم اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ اس وقت موجود نہ تھے۔ مَیں نے کہا اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے وَفِیْ رِوَایَةٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں۔ اس میں اَنْتُمْ نہیں۔ و نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے صیغہ سے آئے اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وغیرہ اور ہم قرآن کے

نزول کے وقت نہ تھے لہٰذا ہم ان تمام احکام سے بری ہیں۔ یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لئے تھے۔ قرآن و حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ تو آگیا مگر جواب نہ آیا۔

(۲) حدیث شریف میں ہے لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا، میلہ لگانا منع ہے۔ کیونکہ عید سے مراد میلاد ہے۔ اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگتا ہے لہٰذا حرام ہے۔

جواب۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہونا۔ اور حدیث کے معنیٰ ہیں کہ میری قبر پر جمع ہو، تنہا تنہا آیا کرو۔ عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مکانات کی زینت و آراستگی ہوتی ہے کھیل کود بھی ہوتے ہیں۔ یہ ہی اسی جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو باادب آؤ۔ یہاں آکر شور نہ مچاؤ کھیل کود نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَاہُ بعد نماز پنجگانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث عرس میں فرماتے ہیں لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا اس کے صحیح معنے یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں اور زینت و آراستگی دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنیٰ نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارت روضۂ اقدس کے بھی منع ہونا۔ وَھٰذَا بَاطِلٌ پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفرادًا و اجتماعًا دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو مثل عید کے سال بھر کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

(۳) عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناچ رنگ ہوتے ہیں، قوالی گائی جاتی ہے۔ غرضکہ عرس بزرگان صدہا محرمات کا مجموعہ ہے اس لئے یہ حرام ہے۔

جواب۔ اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے اور حلال حلال۔ شامی بحث زیارت قبور کتاب الجنائز میں ہے وَلَا تُتْرَکُ لِمَا یَحْصُلُ عِنْدَھَا مِنْ مُنْکَرَاتٍ وَمَفَاسِدَ کَاخْتِلَاطِ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ وَغَیْرِھَا لِاَنَّ الْقُرُبَاتِ لَا تُتْرَکُ لِمِثْلِ ذٰلِکَ بَلْ عَلَی الْاِنْسَانِ فِعْلُھَا وَاِنْکَارُ الْبِدَعِ قُلْتُ وَیُؤَیِّدُہٗ مَا مَرَّ مِنْ عَدَمِ تَرْکِ اِتِّبَاعِ الْجَنَازَۃِ وَاِنْ کَانَ مَعَھَا نِسَآءٌ وَنَائِحَاتٌ

زیارت قبور اس لئے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلط کیونکہ ان جیسی ناجائز باتوں سے مستحباب نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارات قبور کرے اور بدعت کو روکے۔ اس کی تائید وہ گذشتہ مسئلہ کرتا ہے۔ کہ جنازے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والیاں ہوں۔ فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بُت تھے اور کوہ صفا و مروہ پر بھی بُت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ۔ وہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا آج بازاروں میں، ریل کے سفروں میں اور دنیاوی جلسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت طواف میں منیٰ مزدلفہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے مگر ان کی وجہ سے اصل شئی کو کوئی منع نہیں کرتا۔ دینی مدارس میں بھی اکثر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں۔ اسی طرح عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہیں، لیکن ان کی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو بلکہ وہاں جا کر ان جیسی ناجائز رسموں کو روکو، لوگوں کو سمجھاؤ۔ دیکھو جد ابن قیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمائیے کہ روم و شام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں۔ مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے مگر قرآن کریم نے اس عذر کی تردید یوں فرمائی کہ اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ اس عذر کو رب نے کفر اور ذریعہ جہنم بتایا۔ دیکھو تفسیر کبیر و روح البیان۔ یہی عذر آج دیوبندی محض رو کنے کے لئے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صدہا حرام رسمیں ہوتی ہیں جن سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح کو حرام کہکر بند نہیں کرتا۔

قوالی جو آج کل عام طور پر مروّج ہے جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں اور فاسق اور امردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور محض آواز پر رقص ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہو گانے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوالی کو اہل کے لئے جائز فرمایا اور نااہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک لونڈی دف بجا رہی تھی۔ صدیق اکبر آئے۔ تو وہ بجاتی رہی۔ عثمان غنی آئے۔ بجاتی رہی۔ مگر جب فاروق اعظم آئے

رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تو دف کو اپنے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! تم سے شیطان خوف کرتا ہے + سوال یہ ہے کہ یہ دف بجانا شیطانی کام تھا یا کہ نہیں۔ اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر و عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے شیطان نے خوف نہ کیا۔ اور اس میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کیوں کی؟ اور اگر شیطانی کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی؟ جواب وہ ہی ہے کہ حضرت فاروق کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہوتا رہا۔ اور فاروق اعظم کے آتے ہی شیطانی بن گیا بند ہو گیا۔ اسی لئے صوفیاء کرام نے اس پر چھ شرطیں لگائی ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو۔ ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہو گی۔ جیسے کہ مجلس طعام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے + اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بعض پر اتباع غالب بعض پہ جذبہ محبت غالب۔ اس سلئے اثرات مختلف تھے۔ اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ کھانے میں شرکت کریں تو ان میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے۔ اس سے اس غوث کی توہین نہیں ہوتی ؛

شامی جلد پنجم کتاب الکراہیت فصل فی اللبس سے کچھ قبل ہے آلَةُ اللَّهْوِ لَيْسَتْ مُحَرَّمَةً لِعَيْنِهَا بَلْ لِقَصْدِ اللَّهْوِ مِنْهَا اَلَا تَرٰى اَنَّ ضَرْبَ تِلْكَ الْاٰلَةِ بِعَيْنِهَا اُحِلَّ تَارَةً وَّحُرِّمَ اُخْرٰى وَفِيْهِ دَلِيْلٌ لِسَادَاتِنَا الصُّوْفِيَةِ الَّذِيْنَ يَقْصُدُوْنَ بِسَمَاعِهَا اُمُوْرًا هُمْ اَعْلَمُ بِهَا فَلَا يُبَادِرُ الْمُعْتَرِضُ بِالْاِنْكَارِ كَيْ لَا يُحْرَمَ بَرَكَتَهُمْ فَاِنَّهُمُ السَّادَةُ الْاَخْيَارُ تفسیرات احمدیہ پارہ سورۂ لقمان زیر آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ میں اس قوالی کی بہت تحقیق فرمائی۔ آخر فیصلہ یہ فرمایا کہ قوالی اہل کے لئے حلال ہے اور نا اہل کو حرام + پھر فرماتے ہیں وَبِهٖ تَاخُذُ لِاَنَّا شَهِدْنَا اَنَّهٗ نَشَاءَ مِنْ قَوْمٍ كَانُوْا عَارِفِيْنَ وَمُحِبِّيْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَانُوْا مَعْذُوْرِيْنَ لِغَلَبَةِ الْحَالِ وَيَسْتَكْثِرُوْنَ السَّمَاعَ لِلْغِنَاءِ وَكَانُوْا يَحْسَبُوْنَ ذٰلِكَ عِبَادَةً اَعْظَمَ وَجِهَادًا اَكْبَرَ فَيَحِلُّ لَهُمْ خَاصَّةً انتهى ملخصًا حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث عرس قوالی کے متعلق فرماتے ہیں "محققین کا قول یہ ہے اگر شرائط جواز جمع ہوں۔ اور عوارض مانع مرتفع ہو جاویں تو جائز ہے ورنہ ناجائز + مولوی رشید احمد صاحب فتاوی رشیدیہ جلد کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ا ۷ پر فرماتے ہیں بلا مزا

میں راگ کا سُننا جائز ہے۔ اگر گانے والا محل فساد نہ ہو اور مضمون راگ کا خلاف شرع نہ ہو اور موافق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قوالی اہل کے لئے شرائط کے ساتھ جائز ہے اور بلا شرائط اور نا اہل کے لئے حرام ہے۔ قوالی کی شرائط علامہ شامی نے اسی کتاب الکراہیتہ میں چھ بیان فرمائی ہیں۔ مجلس میں کوئی امرد، بے ڈاڑھی کا لڑکا، نہ ہو۔ اور ساری جماعت اہل کی ہو۔ اس میں کوئی نا اہل نہ ہو قوال کی نیت خالص ہو۔ اُجرت لینے کی نہ ہو۔ لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے نہ جمع ہوں بغیر غلبہ کے وجد میں کھڑے نہ ہوں۔ اشعار خلاف شرع نہ ہوں۔ اور قوالی کا اہل وہ ہے کہ اس کو وجد کی حالت میں اگر کوئی تلوار مارے تو خبر نہ ہو۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سات روز تک اُس کو کھانا نہ دیا جاوے۔ پھر ایک طرف کھانا ہو۔ اور دوسری طرف گانا۔ تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار کرے۔ ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ آج کل کی عام قوالیاں حلال ہیں۔ یا عام لوگ قوالی سُنیں بلکہ ہم نے بہت سے مخالفین کو سُنا کہ وہ اکابر صوفیائے عظام کو محض قوالی کی بنا پر گالیاں دیتے ہیں اور قوالی کو مثل زنا کے حرام کہتے ہیں۔ اس لئے عرض کرنا پڑا کہ خود تو قوالی نہ سُنو مگر وہ اولیاء اللہ جن سے سماع ثابت ہے اُن کو بُرا نہ کہو۔ قوالی ایک درد کی دوا ہے جن کو درد ہو وہ پیئے جس کو نہ ہو وہ بچے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”کہ نہ ایں کار می کنم و نہ انکار می کنم“ میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود سُنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی بُرائیاں آگئیں۔ لہٰذا اس کے مقابل خواجہ اجمیری و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں۔ یہ سب فاسق تھے معاذ اللہ۔ ان کلمات سے دُکھ پہنچا۔ مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

(۴) اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حلال حرام نہیں بن جاتا۔ تو تعزیہ داری بُت پرستوں کے میلے، کھیل تماشے، سینما تھیٹر وغیرہ سب جائز ہوئے کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے۔ وہاں بھی یہ ہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جو بُرے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس ولیمہ میں ناچ رنگ دسترخوان پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبول دعوت سنت مگر حرام کام کے ملنے سے حرام ہو گئی۔ اسی طرح عرس بھی ہے۔ مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب۔ ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا۔ ایک ہے داخل ہونا۔ جہاں کہ فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اُس کا یہ نام نہ ہو۔ اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دیگا۔ اور اگر فعل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور

کبھی نہیں جس کو غلط کہتے ہیں تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کر دے گا جیسے کہ پیشاب کپڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا۔ کپڑے کا جزو نہ تھا۔ پانی کا جزو بن گیا۔ تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا۔ نکاح، سفر، بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں مگر اُن کا جزو نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے۔ اور تعزیہ داری میں اسراف باجے ناجائز میلے اس طرح جزو بن کر داخل ہوئے کہ کوئی تعزیہ داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی۔ اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیہ داری نہیں کہتے۔ اگر کوئی شخص کربلا معلٰی کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھے۔ نہ تو زمین میں دفن کرے۔ نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے۔ الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا۔ بہت سے عرس ان محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے۔ سرہند شریف میں مجدد صاحب رضی اللہ عنہ کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبد اللہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کا عرس کرتے ہیں۔ صرف مجلس وعظ اور تقسیم طعام شیرینی ہوتی ہے۔ نیز ہر دعوت قبول کرنا سنت نہیں نابالغ بچہ کی دعوت، اہل میت کی مروجہ دعوت اغنیا کو جس کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو اس کی دعوت قبول کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح جس ولیمہ میں ناچ ورنگ خاص دسترخوان پر ہو اس کا قبول کرنا منع ہے بخلاف زیارت قبور کے کہ وہ بہرحال سنت ہے۔ لہٰذا حرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہی نہ بنی اور زیارت قبور چونکہ مطلقاً سنت تھی وہ حرام نہ ہوئی۔ جیسے کہ شرکت دفن بہرحال سنت ہے تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہو گی۔ بہت باریک فرق ہے خیال رکھنا چاہیئے۔

بحث ۱۷ زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا

عرس بزرگان اور زیارت قبور کے لئے سفر کرنا بھی جائز اور باعث ثواب ہے۔ دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں اس لئے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

سفر عرس کے ثبوت میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام۔ جائز کے لئے جائز اور سنت کے لئے سنت۔ فرض کے لئے فرض۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد و تجارت کے لئے سفر سنت

ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضۂ مصطفےٰ علیہ السلام کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے کیونکہ زیارت واجب۔ دوستوں کی ملاقات، شادی ختنہ میں اہلِ قرابت کی شرکت۔ اطباء سے علاج کرانے کے لئے سفر جائز کیونکہ یہ چیزیں خود جائز ہیں۔ چوری ڈکیتی کے لئے سفر حرام۔ کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرضکہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھو۔ عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت لہٰذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لئے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا۔ پھر اس کو موت آگئی تو اس کا اجر عنداللہ ثابت ہوگیا + سفر ہجرت ثابت ہوا + لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اِیْلٰفِہِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ۔ اس لئے کہ قریش کو میل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں میں + سفر تجارت ثابت ہوا + اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰہُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ رہوں گا۔ جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں + حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لئے گئے + مشائخ کی ملاقات کے لئے سفر کرنا ثابت ہوا + یٰبَنِیَّ اذْہَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْہِ وَلَا تَیْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ۔ اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو + یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لئے حکم فرمایا + تلاش محبوب کے لئے سفر ثابت ہوا + حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اِذْہَبُوْا بِقَمِیْصِیْ ھٰذَا فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں + علاج کے لئے سفر ثابت ہوا + فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْہِ پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی + ملاقات فرزند کے لئے سفر ثابت ہوا + فرزندان یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَکْتَلْ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم غلہ لائیں گے اور ان کی ضرور حفاظت کریں گے + روزی حاصل کرنے کے لئے سفر ثابت ہوا + موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا اِذْہَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے + تبلیغ کے لئے سفر ثابت ہوا + مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ

سَبِیْلِ اللّٰہِ جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے + حدیث میں ہے اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَلَوْکَانَ بِالصِّیْنِ علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو + کریما میں ہے ؎

طلب کردن علم شد بر تو فرض ٭ دگر واجب است از پئے قطع ارض

علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اُس کے لئے سفر بھی ضروری ہے + طلب علم کے لئے سفر ثابت ہوا ۔ گلستان میں ہے ؎

برو اندر جہاں تفرج کن ٭ پیش ازاں روز کز جہاں بروی

جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے + سفر کے لئے سفر ثابت ہوا + قرآن مجید میں ہے قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ کفار سے فرمادو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہوا + جن ملکوں پر عذاب الٰہی آیا ۔ اُن کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا + جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزاراتِ اولیاء کی زیارت کے لئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا یہ حضرات طبیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف ۔ ان کے مزارات پر پہنچے سے شانِ الٰہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دنیا پر راج کرتے ہیں ۔ ان سے ذوقِ عبادت پیدا ہوتا ہے ۔ ان کے مزارات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے + شامی جلد اوّل بحث زیارتِ قبور میں ہے وَھَلْ تُنْدَبُ الرِّحْلَۃُ لَھَا کَمَا اُعْتِیْدَ مِنَ الرِّحْلَۃِ اِلٰی زِیَارَۃِ خَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ وَزِیَارَۃِ السَّیِّدِ الْبَدْوِیِّ لَمْ اَرَمَنْ صَرَّحَ بِہٖ مِنْ اَئِمَّتِنَا وَمَنَعَ مِنْہُ بَعْضُ الْاَئِمَّۃِ الشَّافِعِیَّۃِ قِیَاسًا عَلٰی مَنْعِ الرِّحْلَۃِ بِغَیْرِ الْمَسَاجِدِ الثَّلٰثِ وَرَدَّہُ الْغَزَالِیُّ بِوُضُوْحِ الْفَرْقِ اور آیا زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل خلیل اللہ علیہ السلام اور سید بدوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کے لئے سفر کرنے کا رواج ہے میں نے آئمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے اس منع کی تردید کردی فرق واضح فرمادیا + شامی میں اسی جگہ ہے وَاَمَّا الْاَوْلِیَاءُ فَاِنَّھُمْ مُتَفَاوِتُوْنَ فِی الْقُرْبِ اِلَی اللّٰہِ وَنَفْعِ الزَّائِرِیْنَ بِحَسْبِ مَعَارِفِھِمْ وَاَسْرَارِھِمْ لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ وزائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معرفت واسرار کے + مقدمہ شامی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں اِنِّیْ لَاَتَبَرَّکُ بِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَجِیْءُ اِلٰی قَبْرِہٖ فَاِذَا عَرَضَتْ لِیْ حَاجَۃٌ صَلَّیْتُ رَکْعَتَیْنِ

وَسَأَلْتُ اللّٰهَ عِنْدَ قَبْرِهٖ فَتُقْضٰى سَرِيْعًا میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور اُن کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جاکر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے + اس سے چند امور ثابت ہوئے + زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعی اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت کے لئے رضی اللہ عنہما + صاحب قبر سے برکت لینا۔ ان کی قبروں کے پاس جاکر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روائی جاننا + نیز زیارات روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا ضروری ہے + فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۵۹ میں ہے "زیارتِ بزرگاں کے لئے سفر کرکے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں۔ اور بعض ناجائز۔ دونوں اہل سنت کے علماء ہیں مسئلہ مختلف ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے " رشید احمد عفی عنہ +

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے۔ کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے + عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفرِ زیارت جائز ہو + اس لئے کہ ہم عرض کرچکے کہ سفر کی حلت وحرمت اس کے مقصد سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اس سفر کا مقصد تو ہے زیارتِ قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارتِ قبر کی اجازت مطلقاً ہے اَلَا فَزُوْرُوْهَا تو سفر کیوں حرام ہوگا نیز دینی و دنیاوی کاروبار کے لئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟ +

دوسرا باب

سفرِ عرس پر اعتراضات وجوابات

(۱) مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثِ مَسٰجِدَ مَسْجِدُ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدُ الْاَقْصٰى وَمَسْجِدِىْ هٰذَا تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف سفر نہ کیا جاوے۔ مسجد بیت اللہ مسجد بیت المقدس اور میری یہ مسجد + اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوا ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبور بھی ان تینوں کے سوا ہے +

جواب۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہٰذا ان مساجد میں یہ نیت کرکے دگر سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے جائز

ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیونکہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے۔ جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے سفر کر کے جاتے ہیں یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے۔ تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے۔ تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہو نگے + آج تجارت کے لئے، علم دین کے لئے، دنیاوی کاموں کے لئے صدہا قسم کے سفر کرتے ہیں وہ سب حرام ٹھیریں گے + چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے "و بعضے از علماء گفتہ اند کہ سخن در مساجد است یعنی در مسجدے دیگر جز ایں مساجد سفر جائز نہ باشد و اما مواضع دیگر جز مساجد خارج از مفہوم ایں کلام است" بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کلام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں۔ مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مفہوم سے خارج ہیں + مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے فِي الشَّرْحِ الْمُسْلِمِ لِلنَّوَوِيِّ قَالَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ يَحْرُمُ شَدُّ الرِّحَالِ اِلٰى غَيْرِ الثَّلٰثَةِ وَهُوَ غَلَطٌ وَفِي الْاَحْيَاءِ ذَهَبَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ اِلَى الْاِسْتِدْلَالِ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الرِّحْلَةِ لِزِيَارَةِ الْمَشَاهِدِ وَقُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَمَا تَبَيَّنَ لِيْ اَنَّ الْاَمْرَ لَيْسَ كَذٰلِكَ بَلِ الزِّيَارَةُ مَامُوْرٌ بِهَا لِخَبَرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا اِنَّمَا وَرَدَ نَهْيًا عَنِ الشَّدِّ بِغَيْرِ الثَّلٰثَةِ مِنَ الْمَسَاجِدِ لِتَمَاثُلِهَا وَاَمَّا الْمَشَاهِدُ فَلَا تُسَاوِيْ بَلْ بَرَكَةُ زِيَارَتِهَا عَلٰى قَدْرِ دَرَجَاتِهِمْ عِنْدَ اللّٰهِ هَلْ يَمْنَعُ ذٰلِكَ الْقَائِلُ عَنْ شَدِّ الرِّحَالِ بِقُبُوْرِ الْاَنْبِيَاءِ كَاِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَيَحْيٰى اَلْمَنْعُ مِنْ ذٰلِكَ فِيْ غَايَةِ الْاِحَالَةِ وَالْاَوْلِيَاءُ فِيْ مَعْنَاهُمْ فَلَا يَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ مِنْ اَغْرَاضِ الرِّحْلَةِ كَمَا اَنَّ زِيَارَةَ الْعُلَمَاءِ فِي الْحَيٰوةِ نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سواء ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا تو حکم ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ اَلَا فَزُوْرُوْهَا ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات ہیں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کریگا جیسے کہ حضرت ابراہیم و

موسیٰ و یحییٰ علیہم السلام اس سے منع کرنا تو سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو جیساکہ علماء کی زندگی میں اُن کی زیارت کرنا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الجہاد فی فضائلہ میں ہے لَا تَرْكَبُ الْبَحْرَ اِلَّا حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا فَاِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا اَوْ تَحْتَ النَّارِ بَحْرًا دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا غازی یا عمرہ کرنے والا۔ کہئے کیا سوائے اِن تینوں کے اوروں کو سفر دریا حرام ہے؟ غرضکہ حدیث کا وہ ہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جاوے گی۔

(۲) اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ۔ پھر کس چیز کو ڈھونڈنے کے لئے اولیاء اللہ کے مزاروں پر سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب۔ اولیاء اللہ رحمتِ رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے۔ ریل اپنی پوری لائن سے گذرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لئے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے۔ اگر اور جگہ لائن پر کھڑے ہو گئے تو ریل گذریگی تو مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، نوکری، تجارت، وغیرہ کے لئے سفر کیوں کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دیگا۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی الامراض ہے اور وہ تو ہر جگہ ہے۔ آب و ہوا بدلنے کے لئے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو۔ وہاں کی آب و ہوا تو تندرستی کو مفید ہو۔ لیکن اولیاء کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ اُن کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لئے دعا کی یعنی نبی نے ولیہ کے پاس دعا کرنا باعثِ قبول جانا۔ معلوم ہوا کہ قبورِ اولیاء کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

(۳) جس درخت کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گاہ بنا لیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا۔ تو قبورِ اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمر رض کے خلاف ہے

جواب۔ یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لئے فاروق اعظم نے اس دوسرے درخت کو کٹوا دیا۔ اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے بال

مبارک، تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں ان کو کیوں باقی رہنے دیا + مسلم جلد دوم کتاب الامارت باب بیان بیعت الرضوان + بخاری جلد دوم باب غزوہ الحدیبیہ میں ابن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کَانَ اَبِیْ مِمَّنْ بَایَعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الشَّجَرَۃِ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فِیْ قَابِلٍ حَاجِّیْنَ فَخَفِیَ عَلَیْنَا مَکَانُہَا بخاری میں یہ اور ہے فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ نَسِیْنَاہَا فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَیْہَا میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ حج کے لیئے گئے۔ تو اس کی جگہ ہم پر مخفی ہو گئی۔ بخاری میں ہے پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پا نہ سکے + پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اصل درخت کٹوا دیا ؛

بحث ۱۸ کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

اِس بحث میں دو مسئلے ہیں اوّلاً تو قبر میں شجرہ یا غلافِ کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا۔ دوم مردے کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث صحیحہ اقوالِ فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین ان کے منکر ہیں۔ لہٰذا اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات ؛

پہلا باب
کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگانِ دین کے تبرکات اور غلافِ کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا مُردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ + یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا اِذْہَبُوْا بِقَمِیْصِیْ ہٰذَا فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا میری قمیص لے جاکر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے۔ کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مُردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آجائیں ؛

مشکوٰۃ باب غسل المیّت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام

نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اِس کو تم کفن کے اندر جسمِ میّت سے متصل رکھ دو + اس کے ماتحت لمعات میں ہے ھٰذَا الْحَدِیْثُ اَصْلٌ فِی التَّبَرُّکِ بِاٰثَارِ الصَّالِحِیْنَ وَلِبَاسِھِمْ کَمَا یَفْعَلُہٗ بَعْضُ مُرِیْدِی الْمَشَائِخِ مِنْ لُبْسِ اَقْمِصِھِمْ فِی الْقَبْرِ یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور اُن کے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیساکہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں مشائخ کے کُرتے پہنا دیتے ہیں + اسی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات شریف میں ہے "دریں جا استحباب تبرک است بلباس صٰلحین و آثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز ہمچنیں بودہ۔" اِس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے لباس اور اُن کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے۔ جیساکہ موت سے پہلے تھا یہ ہی شیخ عبد الحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہٗ کے احوال میں فرماتے ہیں۔ "چوں وقتِ رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض ابیات و کلمات کہ مناسب معنیٰ عفو و مغفرت باشد در کاغذے بنویسی و باکفن ہمراہ کنی۔" جب اُن کی وفات کا وقت قریب ہُوا تو فرمایا کہ بعضے وہ اشعار اور کلمات جو کہ عفو و بخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرّہٗ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ "شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں را دو طریق است اول اینکہ بر سینۂ مُردہ درونِ کفن یا بالائے کفن گذارند ایں طریق را فقہاء منع مے کنند و طریق دوم ایں است کہ جانب سر مُردہ اندرونِ قبر طاقچہ بگذارند و دراں کاغذ شجرہ را نہند۔" قبر میں شجرہ رکھنا بزرگانِ دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مُردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں دوسرے یہ کہ مُردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں + مشکوٰۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن اُبی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جاچکا تھا اُس کو نکلوایا، اُس پر اپنا لعاب دہن ڈالا، اور اپنی قمیص مبارک اُس کو پہنائی + بخاری جلد اوّل کتاب الجنائز باب من اعد الکفن میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اُس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔ انہوں نے کہا وَاللہِ مَا سَئَلْتُہٗ لِاَلْبَسَھَا اِنَّمَا سَئَلْتُہٗ لِتَکُوْنَ کَفَنِیْ قَالَ سَھْلٌ فَکَانَتْ کَفَنَہٗ اللہ

کی قسم میں نے پہننے کے لئے نہیں لیا ہے۔ میں نے تو اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو۔ سہل فرماتے ہیں کہ وہ ہی اُن کا کفن ہوا + ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبد اللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر اُن کی قبر میں خود لیٹے۔ پھر اُن کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا اِنِّیْ اَلْبَسْتُهَا لِتَلْبَسَ مِنْ ثِیَابِ الْجَنَّةِ وَاضْطَجَعْتُ مَعَهَا فِیْ قَبْرِهَا لِاُخَفِّفَ عَنْهَا ضَغْطَةَ الْقَبْرِ قمیص تو اس لئے پہنائی کہ اُن کو جنت کا لباس ملے اور اُن کی قبر میں آرام۔ اس لئے فرمایا کہ اُن سے تنگی قبر دُور ہو + ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی۔ کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا وَخُذْ ذٰلِكَ الشَّعْرَ وَالْاَظْفَارَ فَاجْعَلْهُ فِیْ فَمِیْ عَلٰی عَیْنِیْ وَمَوَاضِعِ السُّجُوْدِ مِنِّیْ اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو لو۔ اور ان کو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا + حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبد الرحمان رواسی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے + اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منظور ہو تو الحرف الحسن مصنفہ اعلیحضرت قدس سرہٗ کا مطالعہ کریں +

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے خواہ تو انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے + امام ترمذی حکیم محمد ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ کَتَبَ هٰذَا الدُّعَاءَ وَجَعَلَهٗ بَیْنَ صَدْرِ الْمَیِّتِ وَکَفَنِهٖ فِیْ رُقْعَةٍ لَمْ یَنَلْهُ عَذَابُ الْقَبْرِ وَلَا یَرٰی مُنْکَرًا وَّنَکِیْرًا جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا + فتاویٰ کبریٰ مکی میں اس حدیث کو نقل فرمایا اِنَّ هٰذَا الدُّعَاءَ لَهٗ اَصْلٌ وَّاِنَّ الْفَقِیْهَ ابْنَ عُجَیْلٍ کَانَ یَاْمُرُ بِهٖ ثُمَّ اَفْتٰی بِجَوَازِ کِتَابَتِهٖ قِیَاسًا عَلٰی کِتَابَةِ اللّٰهِ فِیْ نَعَمِ الزَّکٰوةِ اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا

جاتا ہے۔ وہ دعا یہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ الحرف الحسن میں ترمذی سے نقل کیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اُسے مہر لگا کر قیامت کے لئے رکھ لیگا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لاکر نداء کریگا کہ عہد والے کہاں ہیں؟ ان کو وہ عہد نامہ دیا جاویگا۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ وَعَنْ طَاءُوْسٍ اَنَّهٗ اَمَرَ بِهٰذِهِ الْكَلِمٰتِ فَكُتِبَتْ فِيْ كَفَنِهٖ حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے (الحرف الحسن) وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے ذَكَرَ الْاِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْكُتِبَ عَلٰى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ اَوْعَلٰى عِمَامَتِهٖ اَوْكَفَنِهٖ عَهْدُ نَامَهْ يُرْجٰى اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْمَيِّتِ وَيَجْعَلَهٗ اٰمِنًا مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرما دے اور عذاب قبر سے امن دے۔ دُرِ مختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے كُتِبَ عَلٰى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ اَوْعِمَامَتِهٖ اَوْ كَفَنِهٖ عَهْدِ نَامَهْ يُرْجٰى اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِلْمَيِّتِ میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے۔ درمختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی۔ کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گذری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے۔ مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی۔ تو کہا کہ تو عذاب الٰہی سے بچ گیا۔ فتاویٰ بزازیہ میں کتاب الجنایات سے کچھ قبل ہے وَذَكَرَ الْاِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْكُتِبَ عَلٰى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ اَوْعَلٰى عِمَامَتِهٖ اَوْكَفَنِهٖ عَهْدِ نَامَهْ يُرْجٰى اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْمَيِّتِ وَيَجْعَلَهٗ اٰمِنًا مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ نَصِيْرٌ هٰذِهِ الرِّوَايَةُ فِيْ تَجْوِيْزِ ذٰلِكَ وَقَدْ رُوِيَ اَنَّهٗ كَانَ مَكْتُوْبًا عَلٰى اَفْخَاذِ اَفْرَاسٍ فِيْ اَصْطَبْلِ الْفَارُوْقِ حُبِسَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کردے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے اور مروی ہے کہ فاروق اعظم کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا حُبِسَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فقیہہ پیش کی جاسکتی ہیں مگر ان ہی

پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لئے الحرف الحسن یا فتاوی رضویہ شریف کا مطالعہ کرو ؛

عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے ۔ اوّلاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس وپھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہو اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا ؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تو اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے ۔ تو یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہکر + تیسرے اس لئے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے، جلی ہوئی آگ بجھتی ہے، گھبرایا ہوا دل قرار پاتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں + تفسیر نیشاپوری وروح البیان سورۂ کہف زیر آیت مایعلمهم الا قلیل اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے ۔ کہ اصحاب کہف کے نام اتنے جگہ کام آتے ہیں ۔ گمی[1] چیز تلاش کرنا ۔ جنگ[2] کے وقت بھاگتے وقت ۔ آگ[3] بجھانے کے لئے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو ۔ بچہ[4] کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیئے جاویں ۔ اور کھیتی[5] کے لئے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر لکڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کردی جاوے ۔ اور بخار[6] ۔ درد سر[7] کے لئے ۔ حاکم[8] کے پاس جانے کے وقت سیدھی ران پر باندھے ۔ جب[9] بچہ پیدا ہونے میں دشواری ہو رہی ہو تو عورت کی بائیں ران پر لکھ کر باندھے مال[10] کی حفاظت کے لئے ۔ دریا[11] میں سوار ہوتے وقت اور قتل[12] سے بچنے کے لئے (از الحرف الحسن وتفسیر خزائن العرفان وجمل) + عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں یملیخا، مکشلینا مشلینا ، مرنوش ، دبرنوش ، شاذنوش ، مرطوش (روح البیان سورۂ کہف آیت مایعلمهم الا قلیل) + محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کر کے فرما دیتے ہیں لَوْ قُرِئَتْ هٰذِهِ الْاَسْنَادُ عَلٰى مَجْنُوْنٍ لَبَرِئَ مِنْ جُنَّتِهٖ اگر یہ اسناد کسی دیوانہ پر پڑھی جاویں ۔ تو اس کو آرام ہو جاوے ۔ اسناد میں کیا ہے بزرگان دین ، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں + اصحاب بدر کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں تو زندگی میں ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں ۔ اور بعد موت بیکار ہوں ۔ یہ نہیں ہو سکتا ضرور ان سے فائدہ ہوگا ۔ لہٰذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جاوے ؛

دوسرا باب
کفنی لکھنے پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں :۔

(۱) وہ ہی پرانا سبق کہ کفنی (الفی) لکھنا بدعت ہے لہٰذا حرام ہے ٭

جواب۔ ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہوچکا کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے۔ اور اگر بدعت بھی ہو۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق ٭

(۲) کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مُردہ بے پڑھا ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھےگا ؟ جواب۔ بعدِ موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے جہالت اس عالم میں ہوسکتی ہے وہاں نہیں حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہلِ جنّت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکراہیتہ) حالانکہ بہت سی جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں۔ اسی طرح ہر مُردے سے عربی زبان میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہدو پیمان لیا۔ تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے ؟ نہیں بلکہ خود بخود آجاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال لکھے ہوئے ہی دیئے جائیں گے اور جاہل و عالم سب ہی پڑھیں گے ٭ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہٰذا یہ تحریر اُس کے لئے مفید ہے ٭

(۳) علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التشہد کے کچھ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میّت پھُولے پھٹے گی تو اُس کے پیپ دخون میں یہ حروف خراب ہونگے۔ اور اُن کی بے ادبی ہوگی لہٰذا یہ ناجائز ہے (مخالفین عام طور پر یہ ہی سوال کرتے ہیں) ٭

جواب۔ اس کے چند جوابات ہیں اوّلاً تو یہ کہ دلیل دعوےٰ کے مطابق نہیں۔ دعوےٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر اُنگلی سے میّت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہدنامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو جائز۔ اس میں حرفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہٰذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں نَعَمْ نُقِلَ عَنْ بَعْضِ الْمُحَشِّیْنَ

عَنْ فَوَائِدِ الشَّرْجِيِّ اَنَّ مِمَّا يُكْتَبُ عَلٰى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ بِغَيْرِ مَدَادٍ بِالْاَصْبَعِ الْمُسَبِّحَةِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَعَلَى الصَّدْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَذَالِكَ بَعْدَ الْغُسْلِ قَبْلَ التَّكْفِيْنِ بعض محققین نے فوائد الشرجی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو + معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتوئی جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتوئی حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں۔ تو کیا احناف کے حکم کے مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتوئی حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے۔ کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں۔ بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے اعمال نقل کئے۔ کہ انھوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی لخت جگر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوایا حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہئے کیا یہاں خون وپیپ میں لتھڑنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم نہ تھیں۔ چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرور تاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہ ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں۔ آب زمزم نہایت متبرک پانی ہے۔ اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچکر مثانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہونگے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا حُبِسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی چھینٹیں پڑنے کا احتمال قوی ہے۔ گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹتے ہیں۔ مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے بڑے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر امتیاز کے لئے تھی۔ لہٰذا اس کا حکم اور ہوگیا یہ صحیح

نہیں کیونکہ کسی مقصد کے لئے ہو حروف تو وہ ہی ہیں نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا غرضکہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال ائمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت کی پیش کرو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استحباب، قابلِ قبول ہے نہ کہ قولِ کراہت کیونکہ بلا دلیل ہے ؛

(۴) عہدنامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آویگا نہیں برباد ہو جاوے گا۔ اور اسراف حرام ہے ؛

جواب۔ چونکہ اس سے میّت کو بہت سے فائدے ہیں اور میّت کے کام آتا ہے۔ لہٰذا بیکار نہیں تو اسراف بھی نہیں ؛

(۵) حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن اُبی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور اُسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز پتہ لگا کہ حضور کو علمِ غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعابِ دہن ولباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جا سکتے ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن اُبی منافق دوزخی ہے۔ اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہٰذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا ؛

جواب۔ اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ ہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میّت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ حضور علیہ السلام کو عبداللہ ابن اُبی کا منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے سے ہم نے جانا۔ یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے۔ جس کا علم نبی کو ضروری ہے جب کسان بنجر و قابل پیداوار زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اُسے تبرکات دیئے ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا۔ جس کی دلجوئی منظور تھی۔ دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے۔ تیسرے اپنے رحمتِ عالم ہونے

کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے یا نہ لے۔ بادل ہر زمین پر برستا ہے
مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ
میں نہیں جا سکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا۔ بلکہ نکال دیا ہوگا۔ کنعان
ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔
ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔

بحث ۱۹ بلند آواز سے ذکر کرنا

پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر و عشا بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین
اس کو حرام کہتے ہیں، اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں۔ ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر
بدعت ہے۔ اصول حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ حرام ہے۔
ذکر بالجہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے۔ لہٰذا اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب
میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب
ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے۔ قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِ
كُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا اللہ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس
سے زیادہ۔ کفار مکہ حج سے فارغ ہو کر مجمعوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسبی عظمتیں بیان کیا کرتے تھے
اس کو منع فرمایا۔ اور اس کی جگہ ذکر اللہ کے کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لئے تلبیہ
بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاص کر جماعتوں کے ملنے کے وقت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ
فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔
معلوم ہوا کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ کہ ذکر بالجہر ہی سنا جا سکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیر یہی
آیت)۔ مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ
صَلٰوتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ حضور علیہ السلام جب اپنی

نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے تھے لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ + مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے
عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ
عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور علیہ السلام کی نماز کا اختتام معلوم کرتا تھا +
یعنی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بوجہ صغر سنی کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرماتے ہیں
کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز
ختم ہوئی + لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ لَمْ يَحْضُرِ الْجَمَاعَةَ لِاَنَّهٗ كَانَ
صَغِيْرًا مِمَّنْ لَا يُوَاظِبُ عَلٰى ذٰلِكَ حضرت ابن عباس بچے تھے اس لئے جماعت میں پابندی سے نہ
آتے تھے + مسلم جلد اوّل باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علیٰ عہد النبی صلی
اللہ علیہ وسلم یعنی فرائض سے فارغ ہو کر بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام کے زمانہ
میں مروج تھا + مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ
ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ جو شخص مجھ کو اپنے دل
میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اس
سے بہتر مجمع میں اس کا ذکر فرماتے ہیں (یعنی مجمع ملائکہ میں) + جامع صغیر میں ہے عن انس قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَكْثِرُوْا فِي الْجَنَازَةِ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حضرت انس رضی سے
مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں لا الہ الا اللہ زیادہ کہا کرو + اس سے معلوم ہوا کہ جنازے
کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ + رسالہ دلائل
الاذکار مطبوعہ دہلی مصنفہ شیخ محمد تھانوی مولوی رشید احمد صاحب کے استاذ حدیث صفحہ ۹۷ میں ہے
اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْهَرُ مَعَ الصَّحَابَةِ بِالْاَذْكَارِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّسْبِيْحِ
بَعْدَ الصَّلٰوةِ حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ تسبیح و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے +
تفسیر روح البیان پارہ ۴ زیر آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہے
اَلذِّكْرُ بِرَفْعِ الصَّوْتِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌّ اِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ رِيَاءٍ لِيَغْتَنِمَ النَّاسُ بِاِظْهَارِ الدِّيْنِ
وَوُصُوْلِ بَرَكَةِ الذِّكْرِ اِلَى السَّامِعِيْنَ فِي الدُّوْرِ وَالْبُيُوْتِ وَيُوَافِقُ الذَّاكِرَ مَنْ سَمِعَ صَوْتَهٗ

وَيَشْهَدُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ رَطْبٍ وَّيَابِسٍ سَمِعَ صَوْتَهٗ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب
ہے جبکہ ریا سے نہ ہو تاکہ دین کا اظہار ہو ذکر کی برکت گھروں میں سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی
آواز سُنے ذکر میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک و تر ذاکر کے ایمان کی گواہی دے +
اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں + تفسیر خازن و روح البیان پارہ ۲۲ میں
زیر آیت وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ایک روایت نقل کی کہ حضور علیہ السلام نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری سے
فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قرءت قرآن سُنی تم کو تو داؤدی آواز دی گئی ہے + ابو موسیٰ اشعری رضی
اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں فَقُلْتُ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّكَ تَسْمَعُ لَحَبَّرْتُهٗ تَحْبِيْرًا۔ اَلتَّحْبِيْرُ حُسْنُ
الصَّوْتِ میں نے عرض کیا کہ رب کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب قرآن سن رہے ہیں صلی
اللہ علیہ وسلم۔ تو میں اور بھی آواز بنا کر پڑھتا + اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اوّلاً یہ کہ صحابہ
کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ذکر اللہ تلاوت قرآن عبادت
الٰہی ہے اور عین عبادت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تمنا تھی ؎

حَمَامَةَ جَرْعٰى حَوْمَةِ الْجَنْدَلِ اسْجَعِىْ • فَاَنْتِ بِمَرْاٰى مِنْ سُعَادٍ وَّمَسْمَعِىْ

مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے
جان نثار صحابہ کرام کا امتحان لینے کے لئے تشریف لے گئے۔ کہ ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرمادیں
ملاحظہ فرمایا کہ صدیق اکبر تو پست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم خوب بلند آواز سے۔
صبح کو ان صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی۔ تو صدیق نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ یا حبیب اللہ جس کو سنانا منظور تھا اس کو میں نے سُنا دیا یعنی رب کو۔ فاروق اعظم نے
عرض کیا کہ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطٰنَ سوتوں کو جگا رہا تھا شیطان کو بھگا رہا تھا + سبحٰن
اللہ دونوں جواب کیسے مبارک ہیں۔ کسی پر ناراضگی نہ فرمائی بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو
اور فاروق تم کچھ پست کرو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین +

مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں
حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے
میں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ یہ ریاکار ہے فرمایا بَلْ مُؤْمِنٌ مُنِيْبٌ نہیں بلکہ توبہ کرنے والا مومن ہے

عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب چہارم فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرءۃ القرآن میں ہے قَاضٍ عِنْدَہٗ جَمْعٌ عَظِیْمٌ یَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَہُمْ بِالتَّسْبِیْحِ وَالتَّہْلِیْلِ جُمْلَۃً لَا بَاْسَ بِہٖ کسی قاضی کے پاس بہت بڑی جماعت ہو اور وہ سب مل کر بلند آواز سے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہیں تو اس میں حرج نہیں +

عالمگیری میں اسی جگہ ہے اَلْاَفْضَلُ فِیْ قِرَءَۃِ الْقُرْاٰنِ خَارِجَ الصَّلٰوۃِ الْجَہْرُ نماز کے علاوہ بہتر ہے کہ قرآن بلند آواز سے پڑھے + عالمگیری یہ ہی مقام اَمَّا التَّسْبِیْحُ وَالتَّہْلِیْلُ لَا بَاْسَ بِذٰلِکَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَہٗ سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنے میں حرج نہیں۔ اگرچہ بلند آواز سے کہے۔ شامی جلد اوّل مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَخَلَفًا عَلٰی اِسْتِحْبَابِ ذِکْرِ الْجَمَاعَۃِ فِی الْمَسَاجِدِ اِلَّا اَنْ یُّشَوِّشَ جَہْرُہُمْ عَلٰی نَائِمٍ اَوْ مُصَلٍّ اَوْ قَارِیٍٔ متقدمین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے۔ مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی ہو +

شامی میں اسی جگہ ہے فَقَالَ بَعْضُ اَہْلِ الْعِلْمِ اِنَّ الْجَہْرَ اَفْضَلُ لِاَنَّہٗ اَکْثَرُ عَمَلًا وَلِتَعَدِّیْ فَائِدَتِہٖ اِلَی السَّامِعِیْنَ وَیُوْقِظُ قَلْبَ الْغَافِلِیْنَ فَیَجْمَعُ ہَمَّہٗ اِلَی الذِّکْرِ وَیَصْرِفُ سَمْعَہٗ اِلَیْہِ وَیَطْرُدُ النَّوْمَ وَیَزِیْدُ النَّشَاطَ بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل کو بیدار کرتا ہے اُن کے خیالات اور اُن کے کانوں کو ذکر الٰہی کی طرف کھینچتا، نیند کو بھگاتا ہے خوشی بڑھاتا ہے + درمختار باب صلوٰۃ العیدین بحث تکبیر تشریق میں ہے وَلَا یُمْنَعُ الْعَامَّۃُ مِنَ التَّکْبِیْرِ فِی الْاَسْوَاقِ فِی الْاَیَّامِ الْعَشْرِ وَبِہٖ نَاْخُذُ بقرعید کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کہنے سے نہ روکو اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں + غالباً اُس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرۂ تکبیر لگاتے ہوں گے۔ یہ اگرچہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو + اسی عبارت کے ماتحت شامی میں ہے قِیْلَ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ یَنْبَغِیْ لِاَہْلِ الْکُوْفَۃِ وَغَیْرِہَا اَنْ یُّکَبِّرُوْا اَیَّامَ الْعَشْرِ فِی الْاَسْوَاقِ وَالْمَسَاجِدِ قَالَ نَعَمْ قَالَ الْفَقِیْہُ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَالَّذِیْ عِنْدِیْ اَنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ تُمْنَعَ الْعَامَّۃُ عَنْہُ لِقِلَّۃِ رَغْبَتِہِمْ فِی الْخَیْرِ وَبِہٖ نَاْخُذُ فَاَفَادَ اَنَّ فِعْلَہٗ اَوْلٰی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی

الحجہ میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیریں کہیں فرمایا کہ ہاں امام ابوجعفر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ عوام کو اس تکبیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پہلے ہی سے کار خیر میں کم رغبت رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں + اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی تکبیریں مستحب ہیں ؛

کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی کتاب الصلوٰۃ علی النبی میں ہے یستحب لقاری الحدیث وغیرہٖ ممن فی معناہ اذا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یرفع صوتہ بالصلوٰۃ علیہ والتسلیم بہ وقد نص العلماء من اصحابنا وغیرھم علٰی انہ یستحب ان یرفع صوتہ بالصلوٰۃ علٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التلبیہ یعنی حدیث شریف پڑھنے والوں وغیرھم کو چاہئیے کہ جب حضور کا ذکر ہو تو بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھیں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور پر بلند آواز سے درود پڑھے ؛

ان کے علاوہ اور بھی احادیث وفقہی عبارات پیش کی جا سکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر کفایت کی جاتی ہے + بحمد اللہ تعالیٰ مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب الحظر والاباحہ صفحہ ۱۰۴ میں ایک سوال وجواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور درود بالجہر خواہ جہر خفیف ہو یا شدید جائز ہے یا نہیں ؟ الجواب ذکر جہر خواہ کوئی ذکر ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص ہے وہاں مکروہ ہے اور صاحبین ودیگر فقہاء ومحدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے۔ والسلام ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ رشید احمد

مصرع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اب تو کسی دیوبندی وہابی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے روکے۔ کیونکہ اس کے بلا کراہت جواز پر رجسٹری ہو چکی ؛

عقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لئے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ ثواب بقدر محنت ملتا ہے اسی لئے سردی میں وضو کرنا، اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت کے لئے آنا، دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوٰۃ وغیرہ) اور ذکر بالجہر میں بمقابلہ خفی کے مشقت زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ افضل ہے۔ دوسرے اس لئے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے۔

کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے وہاں تک کے تمام درخت، پتے، گھاس، جن و انس قیامت میں اُس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجہر سے بھی اسی فائدے کی امید ہے۔ تیسرے اس لئے کہ خفی ذکر کا فائدہ صرف ذاکر کو ہے مگر ذکر بالجہر کا فائدہ ذاکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی ذکر سن کر ذکر کریں۔ اگر نہ بھی کریں تو بھی سُننا ثواب ہے اور لازم سے متعدی اچھا۔ چوتھے اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ آذان کی آواز سے شیطن بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کیا جا چکا کہ انہوں نے عرض کیا تھا اُطْرُدُ الشَّیْطٰنَ جس سے معلوم ہوا کہ دیگر اذکار سے بھی شیطان بھاگتا ہے۔ اس لئے ذکر بالجہر میں شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل و سُستی دور ہوتی ہے۔ ذکر خفی میں اکثر نیند بھی آجاتی ہے۔ مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریاکاری کے لئے نہ ہو۔ اگر ریا کے لئے ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نمازیں پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدست اسرارھم کا مشغلہ ذکر خفی ہے۔ وہ تو اس پر عامل ہیں ؎

دل میں ہو یاد تری گوشۂ تنہائی ہو ❊ پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے اولیاء ذکر بالجہر میں مشغول رہتے ہیں اُن کا اس پر عمل ہے ؎

سارا عالم ہو مگر دیدۂ دل دیکھے تمہیں ❊ انجمن گرم ہو اور لذّت تنہائی ہو

ہر دو حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرتے ہیں اور باقی حضرات جلوت میں خلوت۔ مگر كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرما لیا۔ مگر ان کا یہ اختلاف حلت و حرمت میں نہیں۔ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو خفی والے جہر والوں کو طعن کریں نہ جہر والے خفی والوں کو۔ یہ ساری گفتگو اُن دیوبندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگاتے ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہٗ کے اس فرمان کے قربان کہ نہ ایں کار می کنم نہ انکار می کنم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

دوسرا باب

ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اِس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی۔ ہم اولاً نقلی اعتراضات مع جواب عرض کرتے ہیں۔

(۱) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بغیر آواز نکلے صبح و شام + اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی دل ہی میں چاہیئے بلند آواز سے منع ہے +

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نماز میں قرءت یا مقتدی یا التحیات وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَمَنْ اَمَّ فِي صَلٰوةِ الْجَهْرِ يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ لَّا يَجْهَرَ جَهْرًا شَدِيْدًا بَلْ يَقْتَصِرُ عَلٰى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهٗ مَنْ خَلْفَهٗ قَالَ فِي الْكَشْفِ لَا يَجْهَرُ فَوْقَ حَاجَةِ النَّاسِ وَ اِلَّا فَهُوَ مُسِيْءٌ جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرءت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدرت ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ گنہگار ہوگا + تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے والمراد منه ان يقع ذالك الذكر بحيث يكون متوسطا بين الجهر والمخافتة كما قال الله تعالىٰ ولا تجهر یعنی مراد یہ ہے کہ جہر و اخفاء کے درمیان ذکر اللہ چاہیئے + تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَعْنِيْ بِالذِّكْرِ الْقُرْاٰنَ فِي الصَّلٰوةِ يُرِيْدُ اِقْرَءْ سِرًّا فِيْ نَفْسِكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دل میں قرءت کرو خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ ڈھونڈو + اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے۔ دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر محض قولی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شاغل ہو کہ اس کے بغیر ذکر بیکار ہے + خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِي النَّفْسِ اَنْ يَّسْتَحْضِرَ فِيْ قَلْبِهٖ عَظَمَةَ الْمَذْكُوْرِ جَلَّ جَلَالُهٗ کہا گیا ہے کہ دل میں ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو + اسی خازن میں ہے وَاِذَا كَانَ الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ عَارِيًا عَنْ ذِكْرِ الْقَلْبِ كَانَ عَدِيْمَ الْفَائِدَةِ لِاَنَّ فَائِدَةَ الذِّكْرِ حُضُوْرُ الْقَلْبِ وَاِسْتِشْعَارُهٗ عَظَمَةَ الْمَذْكُوْرِ جَلَّ جَلَالُهٗ یعنی جبکہ زبانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ تو دل کا حاضر کرنا اور خدا تعالیٰ کی عظمت کا دل میں لانا ہے + یا

اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہر سے بہتر ہے یعنی یہ امر استحبابی ہے اور استحباب بھی ہر وقت اور ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لئے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا الہ تو دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی کبھی بالجہر چاہئے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجہر ہو تو خاموشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو۔ اگر جہر میں خوفِ ریا ہے تو سکوت بہتر۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو تو قلب بیدار ہو اور سونے والے جاگ جاویں۔ اور تمام چیزیں قیامت کے دن ذاکر کے ایمان کی گواہی دیں تو جہر بہتر ہے۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ وَهُوَ الذِّكْرُ بِالْكَلَامِ الْخَفِيِّ فَاِنَّ الْاِخْفَاءَ اَدْخَلَ فِي الْاِخْلَاصِ وَاَقْرَبُ مِنَ الْاِجَابَةِ وَهٰذَا الذِّكْرُ يَعُمُّ الْاَذْكَارَ كُلَّهَا مِنَ الْقِرَاءَةِ وَالدُّعَاءِ وَغَيْرِهَا اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کو اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر تمام ذکروں اور قرءت اور دعاؤں کو شامل ہے۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے بِاَنَّ الْاِخْفَاءَ اَفْضَلُ حَيْثُ خَافَ الرِّيَاءَ اَوْ تَاَذَّى الْمُصَلُّوْنَ اَوِ النَّائِمُوْنَ وَالْجَهْرُ اَفْضَلُ فِي غَيْرِ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْعَمَلَ فِيْهِ اَكْثَرُ وَلِاَنَّ فَائِدَتَهُ تَتَعَدّٰى اِلَى السَّامِعِيْنَ وَلِاَنَّهُ يُوْقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ وَيَجْمَعُ هَمَّهُ وَيَصْرِفُ سَمْعَهُ اِلَيْهِ آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہ ریا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے علاوہ دیگر مقام میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے۔ اور اس لئے کہ یہ ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے خیالات کو جمع کرتا ہے اور ذاکر کی طرف کانوں کو متوجہ کرتا ہے۔

(۲) وَادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو بیشک حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے۔

جواب۔ اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الٰہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَیْ مُتَضَرِّعِيْنَ مُتَذَلِّلِيْنَ مُخْفِيْنَ الدُّعَاءَ لِيَكُوْنَ اَقْرَبَ اِلَى الْاِجَابَةِ لِكَوْنِ الْاِخْفَاءِ

دَلِیْلِ الْاِخْلَاصِ وَالْاِحْتِرَازِ عَنِ الرِّیَاءِ یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے ہوئے دعا کرو تاکہ قبولیت سے قریب ہو کیونکہ چھپکے سے دعا کرنا اخلاص کی اور ریا سے دور ہونے کی دلیل ہے۔ تفسیر خازن یہ ہی آیت وَقِیْلَ الْمُرَادُ بِهٖ حَقِیْقَةُ الدُّعَاءِ وَھُوَ الصَّحِیْحُ لِاَنَّ الدُّعَاءَ ھُوَ السُّؤَالُ وَالطَّلَبُ وَھُوَ نَوْعٌ مِّنَ الْعِبَادَةِ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیقۃً دعا ہے اور یہ ہی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَالْاَدَبُ فِی الدُّعَاءِ اَنْ یَّکُوْنَ خَفِیًّا لِھٰذِهِ الْاٰیَةِ قَالَ الْحَسَنُ دَعْوَةُ السِّرِّ وَدَعْوَةُ الْعَلَانِیَةِ سَبْعُوْنَ ضِعْفًا دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے حسن نے فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعائیں برابر ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الٰہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی اُدْعُوْا سے مراد ہر ذکر الٰہی ہے اور یہ امر استحبابی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔ تفسیر خازن میں اسی کے ماتحت ہے فَذَھَبَ بَعْضُھُمْ اِلٰی اَنَّ اِخْفَاءَ الطَّاعَاتِ وَ الْعِبَادَاتِ اَفْضَلُ مِنْ اِظْھَارِھَا لِھٰذِهِ الْاٰیَةِ وَلِکَوْنِھَا اَبْعَدَ مِنَ الرِّیَاءِ وَذَھَبَ بَعْضُھُمْ اِلٰی اَنَّ اِظْھَارَھَا اَفْضَلُ لِیَقْتَدِیَ بِهِ الْغَیْرُ فَیَعْمَلُ مِثْلَ عَمَلِهٖ وَذَھَبَ بَعْضُھُمْ اِلٰی اَنَّ اِظْھَارَ الْعِبَادَاتِ الْمَفْرُوْضَةِ اَفْضَلُ مِنْ اِخْفَائِھَا بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے اور اس لئے کہ یہ ریا سے زیادہ دور ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اظہار افضل ہے تاکہ دوسرے بھی اس کی پیروی کر کے عبادت کریں اور بعض فرماتے ہیں کہ فرض عبادات کا اظہار اخفا سے بہتر ہے۔

(۳) وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے پھر بلند آواز سے پکارنا بیکار ہے۔

جواب۔ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا جو کہ ذکر بالجہر یہ سمجھ کر کریں کہ خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے۔ ذکر بالجہر تو غافل قلب کو جگانے کے لئے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَسَبَبُ نُزُوْلِهٖ مَا رُوِیَ اَنَّ

اِعْرَابِيًّا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ اَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ فَقَالَ تَعَالٰى اِس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا کہ دور ہے کہ اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا۔ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا برا ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر اتری جبکہ لوگ نعرۂ تکبیر لگانا چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کا منشاء تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پہنچ جاویں کہ کفار کو خبر نہ ہو چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَالَ اَبُوْمُوْسٰى الْاَشْعَرِيُّ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى خَيْبَرَ اَشْرَفَ النَّاسُ عَلٰى وَادٍ فَرَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا جبکہ حضور علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ کسی اونچے جنگل پر چڑھے تو انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو۔ روح البیان یہ ہی آیت وَهٰذَا بِاعْتِبَارِ الْمَشَاهِدِ وَالْمَقَامَاتِ وَاللَّائِقُ بِحَالِ اَهْلِ الْغَفْلَاتِ الْجَهْرُ لِقَلْعِ الْخَوَاطِرِ یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے حال کے لائق ذکر بالجہر ہے برے خیالات کو دفع کرنے کے لئے۔

(۴) مشکوٰۃ کتاب الاسماء باب ثواب التسبیح والتحمید میں ہے فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِيْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ باواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع و بصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے بمقابلہ تمہاری سواریوں کی گردنوں کے زیادہ قریب ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر منع ہے اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث۔

جواب۔ اس کا جواب ضمناً سوال ۲ کے ماتحت گذر چکا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقعہ کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا لشکر بغیر اطلاع خیبر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خبر جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی چونکہ موقعہ کے خلاف تھا لہٰذا روک دیا گیا اسی حدیث کی ابتداء اس طرح ہے كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ

یجھروُن الخ ہم ایک سفر میں تھے کہ لوگ باآوازِ بلند تکبیر کہنے لگے + یا یہ کہ مسلمانوں پہ آسانی کے لئے بطور مشورہ یہ فرمایا گیا۔ کہ تم سفر کی مشقت میں ہو پھر چیخنے کی مشقت بھی اٹھاتے ہو اس کی کیا ضرورت ہے + لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے فِیْهِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الْجَهْرِ لِلتَّیْسِیْرِ وَالْاِرْفَاقِ لَا لِکَوْنِ الْجَهْرِ غَیْرَ مَشْرُوْعٍ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت محض آسانی کے لئے ہے نہ اس لئے کہ جہر منع ہے + اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے "دریں اشارت است کہ منع از جہر برائے آسانی و نرمی است نہ از جہت نامشروعیت ذکر جہر و حق آنست ذکر جہر مشروع است بے شبہ مگر بعارض ایں را در رسالہ اوراد اثبات نمودیم" اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کے لئے ہے نہ کہ اس لئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلاشبہ مشروع ہے لیکن کسی وجہ سے اور ہم نے اس کا ثبوت رسالہ اوراد میں دیا ہے +

(۵) ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے وَاَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَخْذًا بِالْاَقَلِّ لِاَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّکْبِیْرِ بِدْعَةٌ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول لیا کم کو لینے کے لئے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر ہے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر نماز فرض کے بعد تکبیر تشریق کہنا چاہیئے۔ اور صاحبین کے نزدیک نویں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر۔ اس لئے صرف دو دن تکبیر کہنا جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے + اسی ہدایہ میں اسی فصل تکبیرات التشریق میں ہے وَلِاَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّکْبِیْرِ خِلَافُ السُّنَّةِ وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهٖ عِنْدَ اِسْتِجْمَاعِ هٰذِهِ الشَّرَائِطِ اور اس لئے کہ تکبیر بالجہر خلافِ سنّت ہے اور اس کا حکم ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے +

جواب۔ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلافِ سنّت کہکر وجوب کا انکار فرماتے ہیں + ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوفہ کو بازاروں میں نعرۂ تکبیر کی اجازت دی تھی + اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوٰۃ العیدین میں عید الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں وَالْخِلَافُ فِی الْاَفْضَلِیَّةِ

اَمَّا الْكَرَاهَةُ فَمُنْتَفِيَةٌ عَنِ الطَّرَفَيْنِ. یعنی اختلاف محض افضلیت میں ہے لیکن کراہت دو کسی طرف نہیں ہے + اسی شامی میں اسی جگہ ہے اَلتَّكْبِيْرُ بِالْجَهْرِ فِيْ غَيْرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ لَايُسَنُّ اِلَّا بِاِزَاءِ الْعَدُوِّ اَوِ اللُّصُوْصِ وَقَاسَ عَلَيْهِ بَعْضُهُمُ الْحَرِيْقَ وَالْمَخَاوِفَ كُلَّهَا زَادَ الْقُهُسْتَانِيُّ اَوْ عَلَا شَرَفًا ایام تشریق کے علاوہ اور دنوں میں نعرۂ تکبیر سنّت نہیں۔ مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگنے اور تمام خوفناک چیزوں کو اور قہستانی نے زیادہ کیا ہے کہ بلندی پر چڑھنے کے وقت + درمختار باب العیدین میں ہے وَهٰذَا لِلْخَوَاصِّ اَمَّا الْعَوَامُّ فَلَا يُمْنَعُوْنَ عَنْ تَكْبِيْرٍ وَّلَا تَنَفُّلٍ اَصْلًا یہ احکام خواص کے لئے ہیں عوام کو تو نہ تکبیر سے روکو نہ نفل سے + شامی میں اسی بحث میں ہے لَانِيْ الْبَيْتِ اَيْ لَا يُسَنُّ وَاِلَّا فَهُوَ ذِكْرٌ مَشْرُوْعٌ غرضکہ ثابت ہوا کہ ہدایہ کی یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں ہے نہ کہ جائز ہونے میں + نیز تکبیر تشریق میں یہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے + نیز ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہ ہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے + نیز اگر ان آیات واحادیث کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض ذکر اللہ کو وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ جیسے کہ اذان۔ بقر عید کے موقعہ پر تکبیر تشریق، حج میں تلبیہ، جلسوں کے موقعوں پر نعرۂ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے یہ دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احاد کی وجہ سے قرآنی آیت میں قید لگانا جائز نہیں لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آگیا لہٰذا جائز ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے؟

مخالفین کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اوّلاً تو یہ کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخنا کیوں؟ جواب گذر چکا کہ یہ آواز بلند کرنا خدا تعالیٰ کے سُنانے کے لئے نہیں بلکہ دیگر فوائد کے لئے ہے۔ جیسے اذان وغیرہ زور سے دی جاتی ہے + دوم یہ کہ درود صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ حدیث سے ثابت نہیں لہٰذا ناجائز ہے + اس کا جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گذر گیا کہ دو اعذا، دعا میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی پوری تحقیق کہ کونسا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن ملاحظہ کرو + تیسرے یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں اُن سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھول لیتے ہیں لہٰذا ناجائز ہے +

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو کہ ذکر بالجہر بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع ورنہ جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو تب جائز ہونا چاہیئے + دوسرے یہ کہ یہاں پنجاب میں دیکھا گیا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ توقف کرکے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے اور اس وقت سب لوگ نماز سے فارغ ہو چکتے ہیں + تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے + نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر و عشاء چیخ کر قرآن یاد کرتے ہیں کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں بقر عید کے زمانہ میں جماعت فرض کے بعد فوراً ہی سب لوگ بآواز بلند تین بار تکبیر تشریق کہتے ہیں + کہئے ان ذکروں سے نمازی کا دھیان بٹتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجہر کر رہا ہو یہ منع ہے نہ یہ کہ نماز بھی ہو چکی۔ لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرتا پھرے۔ کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہٰذا اے نمازیو، اے قرآن یاد کرنے والو واعظو تم سب خاموش ہو جاؤ + خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلہ متفرع ہیں + مکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کے لیے طواف بند ہوتا ہے جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا۔ اور طواف میں دعاؤں کا اس قدر شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی + کہئے وہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں کے خلل کی وجہ سے طواف بند کراؤ گے؟

بحث ۲۰ اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ گیارھویں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لیے کچھ عرصہ پہلے بکرے اور مرغ وغیرہ پالتے ہیں اور اس کو فربہ کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر اس کو بسم اللہ پر ذبح کرکے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء و صلحاء کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانور اس کی نیت سے پالا گیا

ہے اس لئے کہدیتے ہیں گیارھویں کا بکرا یا غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے۔ جیسے کہ ولیمہ کا جانور۔ مگر مخالفین اس کام کو حرام، اس گوشت کو مُردار، اور فاعل کو مرتد و مشرک کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت۔ اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

دوسرا باب
اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لیکر ذبح کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مُردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ دانستہ بوقتِ ذبح بسم اللہ پڑھنا چھوڑدے یا خدا کے سوا کسی اور کا نام لیکر ذبح کرے (مثلاً بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کہدے یا غوث اور ذبح کردے) تو حرام ہے۔ خیال رہے کہ اس حلت و حرمت میں ذبح کرنیوالے کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان کا جانور مشرک نے ذبح کردیا مُردار ہوگیا۔ اگر مشرک نے بُت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کردیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبح کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے پیچھے زندگی میں جانور بُت کے نام کا تھا مگر ذبح خدا کے نام پر ہوا حلال ہے۔ اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا۔ مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مُردار۔ اسی کو قرآن نے فرمایا وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ وہ جانور بھی حرام ہے۔ جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا۔ یہاں پکارنے سے مراد بوقتِ ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَیْ رُفِعَ الصَّوْتُ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ كَقَوْلِهِمْ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى عِنْدَ ذَبْحِهٖ۔ یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے باسم اللات والعزیٰ۔ تفسیر جلالین میں اسی آیت کے ماتحت ہے بِاَنْ ذُبِحَ عَلٰى اِسْمِ غَيْرِهٖ اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے یَعْنِیْ مَا ذُكِرَ عَلٰى ذَبْحِهٖ غَيْرُ اِسْمِ اللّٰهِ وَذٰلِكَ اَنَّ الْعَرَبَ فِی الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَذْكُرُوْنَ اَسْمَآءَ اَصْنَامِهِمْ عِنْدَ الذَّبْحِ فَحَرَّمَ اللّٰهُ ذٰلِكَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ وَبِقَوْلِهٖ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی وہ جانور حرام ہے جس کے ذبح پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اس کو اس آیت سے اور آیت وَلَا تَاْكُلُوْا سے حرام فرمایا۔ تفسیر کبیر یہ ہی آیت وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ عِنْدَ الذَّبْحِ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَحَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ اہل عرب ذبح کے وقت کہتے تھے بسم اللات والعزیٰ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمادیا۔

تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے مَعْنَاہُ مَاذُبِحَ بِہٖ لِاِسْمِ غَیْرِ اللّٰہِ مِثْلُ اللَّاتِ وَ الْعُزّٰی وَاَسْمَاءِ الْاَنْبِیَاءِ آیت کے معنے یہ ہیں کہ اس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور وہ وہ ہے جو بتوں کے لئے ذبح کیا جاتا تھا + تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَیْ ذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ فَذُکِرَ عَلَیْہِ غَیْرُ اِسْمِ اللّٰہِ اَیْ رُفِعَ بِہِ الصَّوْتُ لِلصَّنَمِ وَذٰلِکَ قَوْلُ اَھْلِ الْجَاھِلِیَّۃِ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰی یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کے لئے ذبح کیا جاوے پس اُس پر غیر خدا کا نام لیا جائے یعنی اُس پر بُت کی آواز دی گئی ہو۔ اور یہ جاہلیت والوں کا یہ کہنا تھا کہ بسم اللات والعزّٰی + تفسیر لباب التاویل میں اسی آیت کے ماتحت ہے یَعْنِیْ مَاذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ وَالطَّوَاغِیْتِ وَاَصْلُ الْاِھْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ وَذٰلِکَ اَنَّھُمْ کَانُوْا یَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَھُمْ بِذِکْرِ اٰلِھَتِھِمْ اِذَا ذَبَحُوْھَا تفسیر علامہ ابو سعود میں ہے اَیْ رُفِعَ بِہِ الصَّوْتُ عِنْدَ ذَبْحِہٖ لِلصَّنَمِ تفسیر حسینی میں اسی آیت کے ماتحت ہے "وآنچہ اواز برآوردہ شود بغیر اللہ از برائے غیر خدا بداں در وقت ذبحہ آں یعنی بنام بتاں بکشند + ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت مَا اُھِلَّ میں اُھِلَّ سے مراد ہے ذبحہ کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا۔ لہٰذا جانور کی زندگی میں کسی طرف نسبت کرنے کا اعتبار نہیں + اب ہم فقہاء کی عبارات بھی پیش کرتے ہیں + تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے ماتحت ہے وَمِنْ ھٰھُنَا عُلِمَ اَنَّ الْبَقَرَۃَ الْمَنْذُوْرَۃَ لِلْاَوْلِیَاءِ کَمَا ھُوَ الرَّسْمُ فِیْ زَمَانِنَا حَلَالٌ طَیِّبٌ لِاَنَّہٗ لَمْ یُذْکَرْ اِسْمُ غَیْرِ اللّٰہِ وَقْتَ الذَّبْحِ وَاِنْ کَانُوْا یَنْذِرُوْنَھَا اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء اللہ کے لئے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبحہ کے وقت غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں اس میں تو گیارھویں شریف کے بکرے کا خاص فیصلہ فرما دیا نام لے کر اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ بزرگ ہیں جو کہ عرب و عجم کے علماء کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے ہیں + شامی باب الذبحہ میں ہے اِعْلَمْ اَنَّ الْمَدَارَ عَلَی الْقَصْدِ عِنْدَ اِبْتِدَاءِ الذَّبْحِ جاننا چاہئے کہ حلت و حرمت کا دارو مدار ذبحہ کے وقت نیت کا ہے + صاف معلوم ہوا کہ ذبحہ سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں + عالمگیری باب الذبح میں ہے مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاۃَ الْمَجُوْسِیِّ لِبَیْتِ نَارِھِمْ اَوْلِلْکَافِرِ لِاٰلِھَتِھِمْ تُوْکَلُ لِاَنَّہٗ سَمَّی اللّٰہَ تَعَالٰی وَیُکْرَہُ لِلْمُسْلِمِ کَذَا فِی التَّتَارْخَانِیَۃِ نَاقِلًا عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوٰی مسلمان نے

مجوسی کی وہ بکری جو اُن کے آتشکدہ کے لئے یا کافر کی اُن بتوں کے لئے تھی ذبحہ کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کے لئے مکروہ ہے اسی طرح تتارخانیہ میں جامع الفتاویٰ سے نقل کیا۔ دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبحہ بھی کرتا ہے بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے۔ گویا مالک کا پالنا اور ذبحہ کرانا دونوں فاسد مگر چونکہ بوقت ذبحہ مسلمان نے زبان سے بسم اللہ کہکر ذبحہ کیا ہے لہذا جانور حلال ہے۔ کہئے گیارھویں یا میلاد کا بکرا اس بت پرست کے بکرے سے بھی گیا گذرا ہے؟ کہ وہ تو حلال مگر یہ حرام۔ الحمد للہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیارھویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعث ثواب۔

دوسرا باب

اولیاء کے جانور کے متعلق اعتراضات وجوابات

(۱) اس آیت مَآ اُھِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں کلمہ اُھِلَّ اہلال سے مشتق ہے اور اہلال کے معنیٰ لغت میں ذبحہ کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارنے کے ہیں لہذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت ذبحہ وہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ سدو کی گائے اگرچہ خدا کے نام پر ذبحہ ہو حرام ہے

نوٹ:- یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ اس مسئلہ میں سخت غلطی فرماگئے۔

جواب- اہلال کے لغوی معنیٰ تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عرفی معنیٰ ہیں بوقت ذبحہ پکارنا۔ اور یہ عرفی معنیٰ ہی اس جگہ مراد ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنیٰ تو ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عرفی معنیٰ ہیں نماز۔ تو اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ سے نماز فرض ہوگی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت مَآ اُھِلَّ کے ماتحت ہے اَلْاِھْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ ھٰذَا ھُوَ الْمَعْنٰى الْاِھْلَالِ فِي اللُّغَةِ ثُمَّ قِيْلَ لِلْمُحْرِمِ الخ ہلال کے معنیٰ ہیں آواز بلند کرنا (پکارنا) یہ معنیٰ لغوی ہیں۔ پھر محرم کو کہا گیا الخ۔ اسی طرح حاشیہ بیضاوی للشہاب میں اسی آیت مَآ اُھِلَّ کے ماتحت ہے اَيْ رُفِعَ بِهِ الصَّوْتُ الخ ھٰذَا اَصْلُهٗ ثُمَّ جُعِلَ عِبَارَةً عَمَّا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ یعنی اس کو پکارا گیا ہو یہ اہلال کے لغوی معنیٰ ہیں پھر اس اُھِلَّ سے مراد لی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبحہ کیا جاوے۔ اگر یہاں اہلال کے لغوی معنیٰ مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہونگی۔ اولاً یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہوگی۔ مفسرین کے اقوال تو ہم پہلے باب میں عرض کرچکے۔ اب صحابہ کرام وغیرہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَآ اُھِلَّ الْاٰيَةَ قَالَ ذُبِحَ وَاَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَآ اُھِلَّ يَعْنِيْ مَآ اُھِلَّ لِلطَّوَاغِيْتِ

وَاَخْرَجَ اِبْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَمَا اُهِلَّ قَالَ مَاذُبِحَ لِغَیْرِ اللّٰهِ وَاَخْرَجَ اِبْنُ حَاتِمٍ عَنْ اَبِی الْعَالِیَةِ وَمَا اُهِلَّ یَقُوْلُ مَاذُکِرَ عَلَیْهِ اِسْمُ غَیْرِ اللّٰهِ + تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَالَ الرَّبِیْعُ ابْنُ اَنَسٍ یَعْنِیْ مَاذُکِرَ عِنْدَ ذَبْحِهٖ اِسْمُ غَیْرِ اللّٰهِ معلوم ہوا کہ اس قدر اکابر کرام تابعین کا یہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا + **جواب** (۲) یہ ہے کہ تمہارے بتائے ہوئے معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں۔ قرآن فرماتا ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں مقرر کئے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں + یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا۔ اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ کھاؤ اس کو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو + تفسیر فتح البیان میں زیر آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِیْرَةٍ اور نووی شرح مسلم کتاب الجنۃ ونعیمہا باب الصفۃ اللتی یعرف بہا فی الدنیا اهل الجنۃ صفحہ ۳۸۵ میں ہے اَلْمُرَادُ اِنْکَارُ مَا حَرَّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ مِنَ السَّآئِبَةِ وَالْبَحِیْرَةِ وَالْحَامِ وَاِنَّهَا لَمْ تَصِرْ حَرَامًا بِتَحْرِیْمِهٖ یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بحیرہ وغیرہ کہ یہ جانور ان کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے + اس سے معلوم ہوا کہ جو سانڈ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا۔ اگر مسلمان بسم اللہ کہکر ذبح کر لے تو حلال ہے۔ ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے + نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا یَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ اور کفار بولے کہ یہ جانور اور کھیتی روکی ہوئی ہے اس کو وہ ہی کھائے جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال میں + نیز فرماتا ہے وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُکُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤی اَزْوَاجِنَا کفار بولے کہ جو ان جانوروں کے شکم میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام یہ وہ ہی کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقف تھے اور کفار ان کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے۔ اس پابندی کی تردید فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فاتحہ کی نیت سے پالے ہوئے جانور کیوں حرام ہونگے؟ تیسرے

یہ کہ اُھِلَّ کے یہ معنیٰ فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں + ہم اس بحث کے پہلے باب میں عالمگیری کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے بت یا آگ کے چڑھاوے کے لئے جانور مسلمان سے ذبح کرایا۔ مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کیا وہ حلال ہے۔ اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کر دی گئی۔ کہ اولیاء اللہ کے نذر کا پالا ہوا جانور حلال ہے + چوتھے یہ کہ یہ معنیٰ عقل کے بھی خلاف ہیں اس لئے کہ جب اُھِلَّ کے لغوی معنیٰ مراد ہوئے یعنی جانور پر اس کی زندگی یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو حرام کر دیتا ہے۔ تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاویں۔ کیونکہ قرآن میں ہے مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اور ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے۔ "ما" میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکار دیا کسی اور نیت سے بہر حال حرمت آنی چاہیئے۔ تو زید کا بکرا، عمر کی بھینس، زید کے آم، بکر کے باغ کے پھل، فلاں کی بیوی، ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرسہ، امام بخاری کی کتاب سب ہی نسبتیں ناجائز ہو گئیں۔ اور ان کا استعمال حرام۔ اور بخاری ترمذی تو خالص شرک ہوا۔ کہ ان کی نسبت بخارا اور ترمذ کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں + جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلائی۔ سب کو حرام رہی جب اُس پر غیر خدا کا نام آیا اور فلاں کی زوجہ کہی گئی تب فلاں کو حلال ہوئی + کبھی غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے + حیدر آباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستی لکھا ہوا قرآن شریف تھا انگریز اُس کے دو لاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا + امیر عبد الرحمٰن خاں کا استعمالی قالین پچاس ہزار روپے میں امریکہ والوں نے خریدا + پرانے ٹکٹ بھی قیمتی ہوتے ہیں (سرکار علی پوری) + غرضکہ اُھِلَّ کے یہ معنیٰ ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے خلاف ہیں + پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت بُت کے نام پر پالا بعد میں اس سے تائب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اُھِلَّ میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا مَا اُھِلَّ کی حد میں آگیا + اب ماننا ہی پڑا کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا + اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکار کے پھر توبہ کر کے اللہ کے نام پر ذبح کرتا۔ تو بھی حرام ہوتا + چھٹے یہ کہ اگر اُھِلَّ کے معنے لغوی مراد لئے جاویں جب بھی بہ کی وجہ سے پکارنے میں تخصیص

ہوگی۔ اس طرح کہ بٖ فی کے معنی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی ذبحہ ورنہ پھر بہ سے کیا فائدہ ہوگا بغیر بہ کے بھی یہ معنی حاصل تھے۔ جیساکہ سلیمان جمل نے آیت مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی بنا کہ جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے۔ بہرحال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

(۲) فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو بسم اللہ سے ذبح کیا جاوے مگر ذابح کی نیت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارھویں کرنے والے کی نیت حضور غوث پاک کو راضی کرنا ہے۔ لہذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح تو بسم اللہ سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہوگیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر۳ میں آتی ہے۔

جواب۔ ذبح کی چار قسمیں ہیں اوّلاً یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہانا رب کو راضی کرنے کے لئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیقہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادۃ ہے مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے آگے پیچھے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جگہ نہیں۔ دوسرے چھری کی دھار کی آزمائش کے لئے ذبح کرنا یہ نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر بسم اللہ سے ہوا تو جانور حلال ورنہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ولیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کیلئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کے لئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کے لئے ہے یہ بھی اگر بسم اللہ سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے کے لئے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو۔ جیسے کہ ہندو لوگ بتوں یا دیوی پر جانور کی بھینٹ چڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خون دے کر بت کو راضی کرنا مقصود ہے۔ یہ جانور اگر بسم اللہ کہکر بھی ذبح کیا جاوے جب بھی حرام ہے۔ بشرطیکہ ذبح کرنے والے کی نیت بھینٹ کی ہو نہ کہ ذبح کرانے والے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہ ہی مراد ہے۔ قرآن فرماتا ہے وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور حرام ہے وہ جانور جو کہ بتوں پر ذبح کیا جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں سلیمان جمل فرماتے ہیں اَیْ مَا قُصِدَ بِذَبْحِهِ النُّصُبُ وَلَمْ يُذْكَرْ اِسْمُهَا عِنْدَ ذَبْحِهٖ بَلْ قُصِدَ تَعْظِيْمُهَا بِذَبْحِهٖ فَعَلٰى بِمَعْنَى اللَّامِ فَلَيْسَ هٰذَا مُكَرَّرًا مَعَ مَا سَبَقَ اِذْ ذَاكَ فِيْمَا ذُكِرَ عِنْدَ ذَبْحِهٖ اِسْمُ الصَّنَمِ وَهٰذَا فِيْمَا قُصِدَ بِذَبْحِهٖ تَعْظِيْمُ الصَّنَمِ

بِہٖ غَیْرِ ذِکْرِہٖ یعنی وہ جانور بھی حرام ہے۔ جس کے ذبح سے بُت مقصود ہوں اور اُن کے ذبح کے وقت بُت کا نام نہ لیا گیا ہو۔ یا کہ بُت کی تعظیم کا کیا گیا ہو۔ پس علیٰ بمعنی لام ہے لہٰذا یہ آیت۔ گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ وہاں مَا اُھِلَّ میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا جاوے۔ اور اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کی ذبح سے بُت کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو + سبحان اللہ کیا عمدہ فیصلہ کیا کہ جو بُت کے نام پر ذبح ہو وہ تو مَا اُھِلَّ میں داخل ہے۔ اور جس ذبح سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ میں داخل + بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو مَا اُھِلَّ سے ثابت کیا ہے بمعنی مَا ذُبِحَ لِتَعْظِیْمِ غَیْرِ اللّٰہِ + اسی پر در مختار کی عبارت ہے + غرضکہ جانور کی حرمت میں دو چیزوں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ کو راضی کرنے کے لئے جانور کا خون بہانا بایں معنے کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو۔ یہ ہی تقرب بغیر اللہ ہے۔ اسی کو فقہاء حرام فرماتے ہیں چونکہ گیارھویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اس لئے حرام نہیں۔ کیونکہ گیارھویں کرنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقراء پر تقسیم کیا جاوے گا لہٰذا اس سے گوشت مقصود ہوا + یہ فرق ضرور خیال میں رہے + بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ گیارھویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا یا زیادہ گوشت دیا جاوے یا دوسرا جانور کہ تو اس پر فاتحہ کر دے۔ تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا۔ اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا + معلوم ہوا کہ غوث پاک کے نام پر خون بہانا منظور ہے لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت والا ہی جان سکتا ہے۔ بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ + رہا جانور کا نہ بدلنا۔ اس کی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا گوشت ایسا نہ ملیگا۔ بعض لوگ ولیمہ کے لئے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تبادلہ گوارا نہیں کرتے بعض لوگ فاتحہ کے لئے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تبادلہ گوارا نہیں کرتے۔ بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا وعدہ ہو گیا اُس کو بدلنا جائز نہیں۔ جیسے کہ قربانی کا جانور + یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبیحہ کیوں حرام ہو گیا + غرضکہ اہتمام اور ہے اور بھینٹ اور + خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت یا فاتحہ کے لئے ہو اور فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کے لئے ہو تو حلال ہے۔ کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اس

کی عبادت نہیں ۔

(۳) درمختار عالمگیری باب الذبح میں اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ ذُبِحَ لِقُدُوْمِ الْاَمِیْرِ وَنَحْوِہٖ کَوَاحِدٍ مِنَ الْعُظَمَاءِ یُحَرَّمُ لِاَنَّہٗ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہِ وَلَوْ ذُکِرَ اسْمُ اللہِ عَلَیْہِ بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اگرچہ اس پر اللہ کا ہی نام لیا گیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ بسم اللہ ہی سے ذبح ہو۔ لہٰذا گیارھویں کا جانور بہر حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لئے ہے۔ اگرچہ ذبح بسم اللہ سے ہو۔

جواب:۔ اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا۔ کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو جانور حرام۔ بھینٹ کے معنٰی بیان کئے جا چکے کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو۔ اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لئے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت سے رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ درمختار کتاب الذبائح میں اسی جگہ فرماتے ہیں وَلَوْ لِلضَّیْفِ لَا یُحَرَّمُ لِاَنَّہٗ سُنَّۃُ الْخَلِیْلِ وَاِکْرَامُ الضَّیْفِ اِکْرَامُ اللہِ وَالْفَارِقُ اِنَّہٗ اِنْ قَدَّمَھَا لِیَاکُلَ مِنْھَا کَانَ الذَّبْحُ لِلہِ وَالْمَنْفَعَۃُ لِلضَّیْفِ اَوْ لِلْوَلِیْمَۃِ اَوْ لِلرِّبْحِ وَاِنْ لَّمْ یُقَدِّمْھَا لِیَاکُلَ مِنْھَا بَلْ یَدْفَعُھَا لِغَیْرِہٖ کَانَ لِتَعْظِیْمِ غَیْرِ اللہِ فَتُحَرَّمُ اور اگر ذبح مہمان کے لئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے آگے رکھا تا کہ اس میں سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کے لئے ہوگا اور نفع مہمان کے لئے یا ولیمہ یا تجارت کے لئے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ یوں ہی کسی کو دے دیا۔ تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لئے لہٰذا حرام ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ درمختار میں ہے وَفِیْ صَیْدِ الْمُنْیَۃِ اِنَّہٗ یُکْرَہُ وَلَا یُکَفَّرُ لِاَنَّا لَا نُسِیْئُ الظَّنَّ بِالْمُسْلِمِ اَنَّہٗ یَتَقَرَّبُ اِلَی الْاٰدَمِیِّ بِھٰذَا النَّحْرِ ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے ذابح کافر نہ ہوگا کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا جرم ہے۔ اس کے حاشیہ رد المحتار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے۔ مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲ زیر آیت وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہِ ہے مَا یُذْبَحُ عِنْدَ اِسْتِقْبَالِ

السُّلْطٰنِ تَقَرُّبًا اِلَيْهِ اَفْتٰى اَهْلُ الْبُخَارِىْ بِتَحْرِيْمِهٖ وَقَالَ الرَّافِعِىُّ هٰذَا غَيْرُ مُحَرَّمٍ لِاَنَّهُمْ اِنَّمَا يَذْبَحُوْنَهٗ اِسْتِبْشَارًا بِقُدُوْمِهٖ فَهُوَ كَذَبْحِ الْعَقِيْقَةِ لِوِلَادَةِ الْمَوْلُوْدِ مِثْلُ هٰذَا لَا يُوْجِبُ التَّحْرِيْمَ كَذَا فِىْ شَرْحِ الْمَشَارِقِ یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے اہل بخاری نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ یہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا عقیقہ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کر دیتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہوگا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے۔ آج کل یہ رسم نہیں تو جو کہ بادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں وہ حرام اور جو اظہار خوشی کے لئے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال۔ یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم زمانہ کی وجہ سے ہے + غرضکہ گیارھویں کے جانور کو ذبیحہ قدوم سلطان سے کوئی نسبت نہیں ⁂

(۴) گیارھویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے۔ اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہٰذا گیارھویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہوا + شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں ہے وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا يَجُوْزُ لِاَنَّهٗ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُوْنُ لِلْمَخْلُوْقِ ⁂

جواب۔ اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں نذر عرفی ہے بمعنی ہدیہ و نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لئے ہے اور اس کا مصرف یہ ہے اور ان میں سے کوئی بھی شرک نہیں۔ استاذ سے کہتے ہیں کہ یہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ ⁂

بحث ۲۱ بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

اولیاء اللہ کے ہاتھ پاؤں چومنا اور اسی طرح اُن کے بعد اُن کے تبرکات بال و لباس وغیرہ کو بوسہ دینا، اُن کی تعظیم کرنا مستحب ہے احادیث اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے ہم اس بحث کے بھی دو باب کرتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں ⁂

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں + اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرامگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا + یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے + مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقہ فصل ثانی میں ہے وَعَنْ ذِرَاعٍ وَّکَانَ فِیْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَیْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَّوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ یَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهٗ حضرت ذراع سے مروی ہے اور یہ وفد عبد القیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے + مشکوٰۃ باب الکبائر وعلامات النفاق میں حضرت صفوان ابن عسال سے روایت ہے فَقَبَّلَا یَدَیْهِ وَرِجْلَهٗ پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے + مشکوٰۃ شریف باب مایقال عند من حضرہ الموت بروایت ترمذی وابوداؤد میں ہے عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ ابْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَیِّتٌ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا + شفا شریف میں ہے کَانَ ابْنُ عُمَرَ یَضَعُ یَدَهٗ عَلَی الْمِنْبَرِ الَّذِیْ یَجْلِسُ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْخُطْبَةِ ثُمَّ یَضَعُهَا عَلٰی وَجْهِهٖ جس منبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبد اللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) + شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۱۵ میں ہے اِسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مِنْ مَشْرُوْعِیَّةِ تَقْبِیْلِ الْاَرْکَانِ جَوَازَ تَقْبِیْلِ کُلِّ مَنْ یَّسْتَحِقُّ الْعَظَمَةَ مِنْ اٰدَمِیٍّ وَّغَیْرِهٖ نُقِلَ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ تَقْبِیْلِ مِنْبَرِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَتَقْبِیْلِ قَبْرِهٖ فَلَمْ یَرَبِهٖ بَاْسًا وَّنَقَلَ عَنِ ابْنِ اَبِی الصَّیْفِ الْیَمَانِیِّ اَحَدِ عُلَمَاءِ مَکَّةَ مِنَ الشَّافِعِیَّةِ جَوَازَ تَقْبِیْلِ الْمُصْحَفِ وَاَجْزَاءِ الْحَدِیْثِ وَقُبُوْرِ الصّٰلِحِیْنَ ملخصًا ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے امام احمد بن حنبل

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر یا کہ قبر انور چومنا کیسا ہے فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یمانی سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبریں چومنا جائز ہیں + توشیح میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ فرماتے ہیں اِسْتَنْبَطَ بَعْضُ الْعَارِفِيْنَ مِنْ تَقْبِيْلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَقْبِيْلَ قُبُوْرِ الصَّالِحِيْنَ حجر اسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس نعلین، بال غرضکہ ساری تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے۔ بلکہ بزرگان دین کے بال و لباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے لڑائی وغیرہ مصائب میں امداد حاصل کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آوے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی کہ اٹھا لائیں گے اس کو فرشتے + اس آیت کی تفسیر میں تفسیر خازن و روح البیان و تفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں) ان کے مکانات شریفہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ان کے کپڑے اور آپ کے نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لئے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے + بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا، ان کی عظمت کرنا طریقۂ انبیاء ہے۔ تفسیر خازن و مدارک و روح البیان و کبیر سورہ یوسف پارہ ۱۲ زیر آیت فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا۔ تو ان کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تعویذ بنا کر ڈال دی تاکہ محفوظ رہیں + سارے پانی رب کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ مگر آب زمزم کی تعظیم اس لئے ہے۔ کہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

کے قدم شریف سے پیدا ہوا۔ مقام ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو اس کی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ رب تعالیٰ نے فرمایا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی۔ سب کے سر ادھر جھکا دیے۔ مکہ معظمہ کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ نیز فرمایا وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ + ایوب علیہ السلام سے فرمایا اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ۔ ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا۔ وہ شفا بنا + معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفا ہے + مشکوٰۃ شروع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا جبہ (اچکن) شریف تھا اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلاتی تھیں اسی مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب الاشربہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے مشکیزے سے منہ مبارک لگا کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کے لیے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا + اسی مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دست اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک بیعہ (یہودیوں کا عبادت خانہ) ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں کلی فرمادی اور فرمایا کہ اس بیعہ کو توڑ دو اور اس پانی کو وہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنالو + اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا لعاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے + حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی شریف میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی + مشکوٰۃ باب السترہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا۔ تو حضرت بلال نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضرت بلال کی طرف دوڑے جس کو اس غسالہ شریف کی تری مل گئی۔ اس نے اپنے منہ پر مل لی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا + ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے استعمالی چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے + اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں + عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے اِنْ قَبَّلَ یَدَ عَالِمٍ اَوْ سُلْطٰنٍ عَادِلٍ بِعِلْمِهٖ وَعَدْلِهٖ لَا بَاْسَ بِهٖ اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے علم و عدل کی وجہ سے تو اس

میں حرج نہیں + اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب زیارت القبور میں ہے وَلَا بَاسَ بِتَقْبِيْلِ قَبْرِ وَالِدَيْهِ كَذَا فِي الْغَرَائِبِ اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں + اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب ملاقات الملوک میں ہے اِنَّ التَّقْبِيْلَ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ قُبْلَةُ الرَّحْمَةِ كَقُبْلَةِ الْوَالِدِ وَلَدَهٗ وَقُبْلَةُ التَّحِيَّةِ كَقُبْلَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ وَقُبْلَةُ الشَّفَقَةِ كَقُبْلَةِ الْوَالِدِ بِوَالِدَيْهِ وَقُبْلَةُ الْمَوَدَّةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ اَخَاهُ وَقُبْلَةُ الشَّهْوَةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ اِمْرَأَتَهٗ وَزَادَ بَعْضُهُمْ قُبْلَةَ الدِّيَانَةِ وَهِيَ قُبْلَةُ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں۔ شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے۔ دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے + بعض نے زیادہ کیا۔ دین داری کا بوسہ اور وہ سنگِ اسود کا چومنا ہے + درمختار جلد پنجم کتاب الکراہیت آخر باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے وَلَا بَاسَ بِتَقْبِيْلِ يَدِ الْعَالِمِ وَالسُّلْطٰنِ الْعَادِلِ عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں + اس جگہ شامی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے قَالَ ثُمَّ اَذِنَ لَهٗ فَقَبَّلَ رَاْسَهٗ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَقَالَ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو سجدے کا حکم دیتے تو عورت کو حکم دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے + درمختار نے اسی جگہ بوسہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا کہ قُبْلَةُ الدِّيَانَةِ لِلْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَتَقْبِيْلُ عَتَبَةِ الْكَعْبَةِ تَقْبِيْلُ الْمُصْحَفِ قِيْلَ بِدْعَةٌ لٰكِنْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَاْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَيُقَبِّلُهٗ وَاَمَّا تَقْبِيْلُ الْخُبْزِ فَجَوَّزَ الشَّافِعِيَّةُ اَنَّهٗ بِدْعَةٌ مُبَاحَةٌ وَقِيْلَ حَسَنَةٌ ملخصاً ایک بوسہ دینداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ شریف کی چوکھٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک کو چومنا بعض لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لے کر چومتے تھے۔ اور روٹی کا چومنا اس کو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا ہے۔ کہ یہ بدعت جائزہ ہے بعض نے کہا کہ یہ بدعت حسنہ ہے + نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ

اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل (علیہ السلام) نے کعبہ کی تعمیر کی۔ اُن کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہُوا کہ دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکانے لگے + ان عبارات سے معلوم ہُوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں۔ اور متبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے + یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہُوا + مخالفین کے سردار جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۵۴ پر فرماتے ہیں "تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے۔ اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے" فقط رشید احمد عفی عنہ اس کے متعلق اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے ؎



دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات ہیں



بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں ان شاء اللہ اس کے سوا اور نہ مل سکیں گے:۔

(۱) فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔ نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ ہے اور جس طرح تعظیمی سجدہ حرام ہوگیا۔ تعظیمی رکوع بھی حرام ہوگیا اور جبکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لئے اُس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہوگیا لہذا یہ حرام ہے + درمختار کتاب الکراہیت باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے وَتَقْبِيلُ الْاَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الْوَثَنِ علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے + اسی کے ماتحت شامی میں ہے اَلْاِيْمَاءُ فِي السَّلَامِ اِلٰى قَرِيْبِ الرُّكُوْعِ كَالسُّجُوْدِ وَفِي الْمُحِيْطِ اَنَّهٗ يُكْرَهُ الْاِنْحِنَاءُ لِلسُّلْطَانِ وَغَيْرِهٖ وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ عَلٰى اِطْلَاقِ السُّجُوْدِ عَلٰى هٰذَا التَّقْبِيْلِ سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں + معلوم ہُوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ ہے اور غیر خدا کو سجدہ کرنا شرک ہے لہذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے + حضرات مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بلایا گیا اور داخل ہونے کا دروازہ چھوٹا رکھا گیا تاکہ اس بہانہ سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے۔ تو آپ نے اولاً دروازے میں پاؤں داخل

کیئے تاکہ جھکنا نہ لازم آجاوے (یہ اعتراض انتہائی ہے اور عام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں)

جواب: ہم اولاً سجدہ کی تعریف کریں پھر سجدے کے احکام۔ پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا احکام ہیں۔ اس سے یہ اعتراض خود بخود ہی دفع ہو جاوے گا + شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی۔ پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب الصلوٰۃ بحث سجدہ + اگر بغیر سجدے کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض وقت بیماری یا سردی سے چارپائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں + سجدہ دو طرح کا ہے۔ سجدہ تحیۃ اور سجدۂ عبادت۔ سجدہ تحیۃ تو کسی کی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدۂ عبادت کسی کو خدا یا خدا کی طرح جان کر نا۔ سجدۂ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک ہے۔ کسی نبی کے دین پر جائز نہ ہوا۔ کیونکہ ہر نبی توحید لائے۔ شرک کسی نے نہیں پھیلایا۔ سجدۂ تحیۃ زمانۂ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانۂ پاک تک جائز رہا + فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا + تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورۂ ہود زیر آیت وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ میں حضرت ابو العالیہ سے ایک روایت نقل کی کہ زمانہ نوح علیہ السلام میں شیطان نے توبہ کرنی چاہی تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ شیطان بولا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کو زندگی میں سجدہ نہ کیا تو اُن کی قبر کو کیا سجدہ کرونگا + پھر اسلام نے اس سجدۂ تحیۃ کو حرام فرمایا۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیۃ کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر مشرک یا کافر نہیں + معترض نے جو در مختار کی عبارت پیش کی اسی جگہ درمختار میں ہے اِنْ عَلٰی وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِیْمِ کُفْرٌ وَاِنْ عَلٰی وَجْهِ التَّحِیَّةِ لَا وَصَارَ اٰثِمًا مُرْتَكِبًا لِلْكَبِیْرَةِ اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لئے ہو تو کفر ہے اور اگر تحیۃ کے لئے ہو تو کفر نہیں۔ ہاں گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا + اسی عبارت کے ماتحت شامی نے اس کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا + اس کی دو نوعیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا۔ یہ اگر حدِ رکوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہاء منع فرماتے ہیں + دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لئے ہو اور وہ کام

تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کے جوتا سیدھا کرنا یا اُس کے پاؤں چُومنا کہ جھکنا اگرچہ اس میں بھی ہے مگر جوتا سیدھے کرنا یا پاؤں چُومنے کے لئے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لئے یہ حلال ہے۔ اگر توجیہ نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا؟ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا۔ کہ اُن کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا۔ کہ اُنہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار اکبری میں اکبر بادشاہ کو سجدہ کرایا جاتا ہے۔ اور اکبر اس غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا۔ کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیمِ اکبر نہ تھی ؛

(۲) احادیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنگِ اسود کو بوسہ دے کر فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ اِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْ لَا اِنِّیْ رَءَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قَبَّلْتُكَ اے حجر اسود میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو نہ چومتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگِ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آگیا مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ان تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہٰذا نہ چومنا ہی مناسب ہے۔

جواب۔ مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ ہدایہ مذیلہ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرما کر فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ اے امیر المومنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ جب میثاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگِ اسود قیامت کے دن آویگا کہ اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہونگے اور مومنین کی گواہی دیگا۔ لہٰذا یہ اللہ کا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے۔ حضرت فاروق نے فرمایا لَا اَبْقَانِیَ اللّٰهُ بِاَرْضٍ لَسْتَ فِیْهَا یَا اَبَا حَسَنٍ اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے۔ معلوم ہوا کہ سنگِ اسود نفع و نقصان پہنچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگِ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ

تھا کہ آپ اس بوسہ حجر سے ناراض تھے۔ سنت سے ناراضی کفر ہے۔ بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب پہلے بُت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بُتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا پتھروں کا پُوجنا اور یہ ہے پتھر کا چُومنا۔ پوجنا اور ہے اور چُومنا اور ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرمادیا۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ بالذات یہ پتھر نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بُتوں کو سمجھتے تھے ۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس پتھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں۔ تو حضرت فاروق کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت مرتضیٰ کا بھی۔ رضی اللہ عنہما ۔ ہماری اس تقریر سے روافض اور دیوبندی دونوں کے اعتراض اٹھ گئے ۔

تعجب ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تو سنگ اسود کے بوسہ سے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابراہیم کو اپنا مصلّےٰ بنا لیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے۔ اُن ہی کی عرض پر یہ آیت آئی وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى مقام ابراہیم بھی تو ایک پتھر ہی ہے۔ اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند ہے ۔

(۳) بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آجکل جو تبرکات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی۔ چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں۔ اس لئے ان کا چُومنا، ان کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صدہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے بال ہیں ؟

جواب ۔ تبرکات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں کافی ہے اس کے لئے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں۔ ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا۔ زنا کے ثبوت کے لئے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لئے دو کی گواہی کافی۔ اور رمضان کے چاند کے لئے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر۔ نکاح، نسب یادگاروں اور اوقات کے ثبوت کے لئے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے ۔ ایک پردیسی آدمی کسی عورت کو ساتھ لا کر مثل زن و شوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟

ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے + اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لئے صرف شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں کہ ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اس آیت میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاروں، اُن کی اُجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے۔ اب یہ کیسے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی۔ قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا۔ اس کے لئے محض شہرت معتبر مانی + معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار فرمایا + شفا شریف میں ہے وَمِنْ اِعْظَامِہٖ وَاِکْبَارِہٖ اِعْظَامُ جَمِیْعِ اَسْبَابِہٖ وَ اِکْرَامُ مَشَاھِدِہٖ وَاَمْکِنَتِہٖ وَمَعَاھِدِہٖ وَمَالَمَسَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوْعُرِفَ بِہٖ حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسباب اُن کے مکانات اور جس کو اُس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا ہو اور جس کے متعلق یہ مشہور ہو کہ یہ حضور علیہ السلام کی ہے ان سب کی تعظیم کرے + شرح شفا میں مُلا علی قاری اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں اِنَّ الْمُرَادَ جَمِیْعُ مَانُسِبَ اِلَیْہِ وَیُعْرَفُ بِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اُس کی تعظیم کرے + مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نورالایمان میں یہی عبارت شفا نقل فرما کر وَیُعْرَفُ بِہٖ پر حاشیہ لکھا اَیْ وَلَوْکَانَ عَلٰی وَجْہِ الْاِشْتِہَارِ مِنْ غَیْرِ ثُبُوْتِ اَخْبَارٍ فِیْ اٰثَارِہٖ کَذَا قَالَ عَلِیُّ الْقَارِیْ اگرچہ یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو + اسی طرح ملا علی قادری نے فرمایا + ملا علی قادری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک متقسط میں یہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء اُمت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی لوگ عزت و حرمت کرتے ہوں + تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ مہربان تبرکات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالعہ کریں ؎

عاشقاں را چہ کار با تحقیق ❊ ہر کجا نام اوست قربانیم

لطیفہ۔ ہم دھوراجی کاٹھیاواڑ میں نگینہ مسجد میں بارھویں ربیع الاول شریف کو وعظ کہنے لگے

وہاں بال مبارک کی زیارت کی جارہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درود پاک کا ورد کرتے تھے کوئی روتا تھا، کوئی دعا مانگ رہا تھا غرضکہ عجب پُر کیف منظر تھا۔ ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے منہ کو لقوے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے۔ اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بال حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے ان کا جواب نہ دیا۔ بلکہ اُن سے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے عبدالرحمٰن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے، کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ اولاً تو اُس نکاح کے گواہ نہیں۔ اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف اُن کے ہی قطرے سے ہے۔ تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں اُن کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے ہم نے کہا کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ شرمندہ ہو گئے کہنے لگے یہ اور بات ہے۔ پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں۔ فرمایا دیوبند کے ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہمچاری قدس سرہٗ سے ایک دیوبندی صاحب فرمانے لگے کہ حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہیئے۔ کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا۔ چپ رہ اُلّو۔ بولے۔ یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ کو جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں میں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے۔ اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ صلی اللہ علیہ وسلم

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے ؛ پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

(۴) نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں۔ یہ تو تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا نقشہ ہے پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو؟

جواب۔ یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اُس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیئے۔ لاہور کا چھپا ہوا قرآن شریف، اُس کا کاغذ روشنائی آسمان سے نہیں اُتری ہماری بنائی ہوئی ہے۔ مگر واجب التعظیم ہے۔ کہ اُس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دوشنبہ معظم ہے کہ اصل کی حاکی ہے؛

بحث ۲۲ عبد النبی عبد الرسول نام رکھنا

عبد النبی عبد الرسول عبد المصطفےٰ عبد العلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے۔ قرآن وحدیث و اقوال فقہاء سے ثابت ہے۔ مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراض وجوابات۔

پہلا باب
اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اور نکاح کرواپنوں میں اُن کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔ اس عبارت میں عبادکم کو کُم کی طرف مضاف کیا گیا ہے یعنی تمہارے بندے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اے محبوب فرمادو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اس یاعبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرمادو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور اُمتی۔ دوسرے معنی کو بھی بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

بندۂ خود خواند احمد در رشاد ✽ جملہ عالم را بخواں قُلْ يٰعِبَادُ

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پڑھ لو قُلْ یاعباد۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ نفحۂ مکیہ ترجمہ شمائم امدادیہ صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ الآیۃ مرجع ضمیر متکلم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ الآیۃ آپ کہدو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر خطبہ میں فرمایا قَدْ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ عَبْدَهٗ وَخَادِمَهٗ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔ مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا

جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے (رضی اللہ عنہما) تو عرض کیا ؎

گفت ما دو بندگانِ کوئے تو ✽ کردمش آزاد ہم بر روئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں اُن کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں + صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنا شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں فَاِنِّیْ اُرْوِیْهِ عَنْ شَیْخِنَا الشَّیْخِ عَبْدِ النَّبِیِّ الْخَلِیْلِیْ میں اس کو اپنے شیخ عبدالنبی خلیلی سے روایت کرتا ہوں + معلوم ہوا کہ صاحب درمختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا + مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے ؎

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں ✽ عبیدِ سود کا ان کے لقب ہے یوسفِ ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں غرضکہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن و حدیث و اقوال فقہاء اور اقوال مخالفین سے ثابت ہے۔ عرب والے عام طور پر کہتے ہیں عبدی حُرٌّ۔ شاعر کہتا ہے ع اَلْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا +

لطیفہ: تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبدا نام رکھنے کو شرک کہا۔ مگر تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے۔ مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی + اور ماں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ رشید احمد ابن کریم النساء بنت فرید بخش ابن غلام قادر ابن محمد صالح ابن غلام محمد + دیوبندی بتائیں کہ مولوی رشید احمد صاحب کے خاندانی بزرگ مشرک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد حلالی ہے یا حرامی؟

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں

عبد کے معنیٰ ہیں عابد عبادت کرنے والا تو عبدالنبی کے معنیٰ ہوں گے نبی کی عبادت کرنے والا اور یہ معنیٰ صریحی شرکیہ معنیٰ ہیں لہٰذا ایسے نام منع ہیں +

جواب:۔ عبد کے معنیٰ عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاویگا تو اس کے معنے عابد ہونگے۔ اور جب غیر اللہ کی طرف نسبت ہو گی تو معنی ہونگے خادم غلام لہٰذا عبدالنبی

کے معنے ہوئے نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے وَالتَّسْمِيَةُ بِاسْمٍ يُوْجَدُ فِي كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى جَائِزَةٌ كَالْعَلِيِّ وَالرَّشِيْدِ وَالْبَدِيْعِ لِاَنَّهُ مِنَ الْاَسْمَاءِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُرَادُ فِيْ حَقِّ الْعِبَادِ مَا لَا يُرَادُ فِيْ حَقِّ اللهِ تَعَالٰى كَذَا فِي السِّرَاجِيَّةِ جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں اور ان کے نام رکھنا جائز ہے جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کے لئے ان کے وہ معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لئے مراد نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنے اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنے۔ اسی طرح عبد اللہ کے معنی اللہ کا عابد، عبد النبی کے معنی نبی کا غلام۔ اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنے ہونگے کہ مِنْ عِبَادِكُمْ؟

(۲) مشکوٰۃ کتاب الادب باب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب الالفاظ من الادب وغیرہ میں ہے لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَاَمَتِيْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ اِمَاءُ اللهِ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِيْ وَجَارِيَتِيْ تم میں سے کوئی نہ کہے عبدی (میرا بندہ) تم سب اللہ کے بندے ہو۔ اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی وجاریتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہٰذا حرام ہے اور عبد النبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہٰذا منع ہے۔ **جواب**۔ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے۔ اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے فَاِنْ قِيْلَ قَدْ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا فَالْجَوَابُ مِنْ وَجْهَيْنِ اَحَدُهُمَا اَنَّ الْحَدِيْثَ الثَّانِيْ لِبَيَانِ الْجَوَازِ وَاَنَّ النَّهْيَ فِي الْاَوَّلِ لِلْاَدَبِ وَكَرَاهَةِ التَّنْزِيْهِ لَا لِلتَّحْرِيْمِ اگر کہا جاوے کہ حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں فرمایا کہ لونڈی اپنے رب کو جنے گی (یعنی بندے کو رب فرمایا) اس کا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ دوسری حدیث بیان جواز کے لئے ہے۔ اور پہلی حدیث میں ممانعت ادب کے لئے ہے اور کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔ مسلم میں اسی جگہ ہے لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ لِلْعِنَبِ الْكَرْمُ فَاِنَّ الْكَرْمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ۔ اسی جگہ یہ بھی ہے لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ فَاِنَّ الْكَرْمَ الْمُسْلِمُ انگور کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الادب باب الاسامی میں ہے اِنَّ اللهَ هُوَ الْحَكَمُ

وَاِلَیۡہِ الۡحُکۡمُ فَلِمَ تُکۡنٰی اَبَا الۡحَکَمِ۔ حکم تو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو تیرا نام ابوالحکم کیوں ہے۔ مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے لَاتُسَمِّیَنَّ غُلَامَكَ یَسَارًا وَّلَا رَبَاحًا وَّلَا نَجِیْحًا وَّلَا اَفْلَحَ اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجیح اور افلح نہ رکھو۔ ان تمام احادیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن اور حدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرمایا ہے کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا: فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ: اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مربی یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں۔ ہاں اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں وہابیوں کو چڑانے کے لئے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں۔ کہ جس مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیئے۔

بحث ۲۳ اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنی۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت۔ مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب

پہلا باب

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے۔ اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔ اسقاط کے لغوی معنی ہیں گرا دینا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دور کرنا۔ چنانچہ ذخیرہ الصراط میں ہے "اسقاط آں چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میت بہ ایں قدر کہ میسر شود"۔ اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمداً سہواً خطاءً رہ جاتے ہیں جس کو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعد موت ان کی سزا میں گرفتار ہے۔ اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مطہرہ نے اس بیکسی کی حالت میں اس میت کی دستگیری

کرنے کے لئے کچھ طریقے تجویز فرمادیئے۔ کہ اگر ولی میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کردے تو بیچارہ مُردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام اسقاط ہے۔ حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے + وہابی، دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہیں اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے + اسقاط کا طریقہ ہے کہ میت کی عمر معلوم کی جاوے اس میں سے نوسال عورت کے لئے اور بارہ سال مردے کے لئے نابالغی کے نکال دو۔ اب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہونے کے زمانہ میں کس قدر نمازیں اُس کی باقی رہ گئی ہیں کہ نہ وہ پڑھی اور نہ قضا کیں۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ انداز لگالو۔ جتنی نمازیں حاصل ہوئی فی ۱۷۵ روپے اٹھنی بھر گیہوں خیرات کردو۔ یعنی جو فطرہ کی مقدار ہے۔ وہ ہی ایک نماز کے فدیہ کی۔ وہ ہی ایک روزے کی۔ تو ایک دن کی چھ نمازیں، پانچ فرض اور ایک وتر واجب ان کا فدیہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوئے اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور سال کی نمازوں کا ۱۰۸ من گندم ہوتا ہے + اب اگر کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہیں تو صدہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دیندار مالدار تو یہ کرسکے مگر غربا سے ناممکن۔ اُن کے لئے یہ طریقہ ہے کہ ولی میت بقدر طاقت گندم یا اُس کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اُس کی قیمت لے۔ اور کسی مسکین کو اس کا مالک کردے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے دے۔ وہ پھر اُس فقیر کو صدقہ دے۔ ہر بار کے صدقہ میں ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کردیں رحمت الٰہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرمادے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے + پنجاب میں جو عام طور پر مروّج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا ایک نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اُس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کردیا۔ اس سے نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوگا + بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہٰذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کردیا۔ سب نمازوں کا فدیہ ادا ہوگیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ لکھائی چھپائی کا ہے۔ اگر دو روپیہ کا یہ نسخہ ہے۔ تو دو روپیہ کی خیرات کا ثواب ملیگا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزارہا روپیہ سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں

صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرضکہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ طریقہ صحیح نہ ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہوگا نہ یہ کہ حرام ہے بلادلیل کسی شئے کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلائے دیوبند ہی کا کام ہے بقدر خیرات ثواب مل جاویگا۔

نوٹ۔ ہم نے فدیہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کے لئے نہیں ہے ایک نماز کا فدیہ ۱۷۵ روپیہ اٹھنیّ بھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگالیں۔

اسقاط کے ثبوت میں تین بحثیں کرنا ہیں۔ ایک تو یہ کہ حرام سے بچنے حلال حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے شرعی حیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نماز روزہ کا فدیہ مال سے ہوسکتا ہے تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل۔ حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکڑیاں ماروں گا۔ رب تعالیٰ نے ان کو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لیکر ان کو مار دو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ قرآن اسی قصہ کو نقل فرماتا ہے وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو لیکر مار دو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز ظاہر نہ ہو۔ اس کے لئے بھی ایک حیلہ ہی فرمایا جس کا مفصل ذکر سورۂ یوسف میں ہے۔ ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کردونگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی۔ کہ ان کی آپس میں صلح کرادو حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو ان کو تعلیم دی گئی۔ کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیدیں مشکوٰۃ۔ کتاب البیوع باب الربٰو میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرمے لائے۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ ردّی خرمے تھے میں نے دو صاع ردّی خرمے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرمے لے لئے۔ فرمایا کہ یہ سود ہوگیا۔ آئندہ ایسا کرو کہ ردّی خرمے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور ان پیسوں کے اچھے خرمے لے لو۔ دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا

نام ہے کتاب الحیل۔ اسی طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے کُلُّ حِیْلَةٍ یَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِاِبْطَالِ حَقِّ الْغَیْرِ اَوْ لِاِدْخَالِ شُبْهَةٍ فِیْهِ اَوْ لِتَمْوِیْهِ بَاطِلٍ فَهِیَ مَكْرُوْهَةٌ وَكُلُّ حِیْلَةٍ یَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِیَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ اَوْ لِیَتَوَصَّلَ بِهَا اِلٰی حَلَالٍ فَهِیَ حَسَنَةٌ وَالْاَصْلُ فِیْ جَوَازِ هٰذَا النَّوْعِ مِنَ الْحِیَلِ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰی خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا وَهٰذَا تَعْلِیْمُ الْمَخْرَجِ لِاَیُّوْبَ النَّبِیِّ وَعَامَّةُ الْمَشَائِخِ عَلٰی اَنَّ حُكْمَهَا لَیْسَ بِمَنْسُوْخٍ وَهُوَ الصَّحِیْحُ مِنَ الْمَذْهَبِ جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لئے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا حلال کو پالے وہ اچھا ہے۔ اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ کہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اس سے مار دو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عام مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہ ہی صحیح مذہب ہے۔ حموی شرح اشباہ اور تتار خانیہ میں جواز حیلہ کی بہت نفیس تقریر فرمائی۔ چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ وَقَعَتْ وَحْشَةٌ بَیْنَ هَاجِرَةَ وَسَارَةَ فَحَلَفَتْ سَارَةُ اِنْ ظَفِرَتْ بِهَا قَطَعَتْ عُضْوًا مِنْهَا فَاَرْسَلَ اللّٰهُ جِبْرِیْلَ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنْ یُصْلِحَ بَیْنَهُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَا حِیْلَةُ یَمِیْنِیْ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنْ یَّاْمُرَ سَارَةَ اَنْ تَثْقُبَ اُذُنَیْ هَاجِرَ فَمِنْ ثَمَّ ثُقُوْبُ الْاُذُنِ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ و ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقعہ ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹونگی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ کہ ان میں صلح کرادیں۔ حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی۔ کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے۔ ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا۔

دوسری فصل روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔ اس سے معلوم

کہ مجبور، بوڑھا یا مرض الموت کا مریض جب روزے کے قابل نہ رہے تو ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے کے زیادہ مہتم بالشان ہے۔ اس لئے نماز کو روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ چنانچہ اسی آیت کے ماتحت تفسیرات احمدیہ شریف میں مُلّا احمد جیون قدس سرہٗ فرماتے ہیں وَ الصَّلوٰةُ نَظِيْرُ الصَّوْمِ بَلْ اَهَمُّ فِيْهِ فَاَمَرْنَا بِالْفِدْيَةِ اِحْتِيَاطًا وَّرَجُوْنَا الْقُبُوْلَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَضْلًا۔ اور روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہٰذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاطاً حکم دیا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے + منار میں ہے وُجُوْبُ الْفِدْيَةِ فِي الصَّلوٰةِ لِلْاِحْتِيَاطِ نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے + شرح وقایہ میں ہے وَفِدْيَةُ كُلِّ صَلوٰةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ وَّهُوَ الصَّحِيْحُ ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہ ہی صحیح ہے + شرح الیاس میں ہے وَتُعْتَبَرُ فِدْيَةُ كُلِّ صَلوٰةٍ فَائِتٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ اَيْ كَفِدْيَةِ يَوْمٍ ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے +

فتح القدیر میں ہے مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَاَوْصٰى بِهٖ اُطْعِمَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ لِكُلِّ يَوْمٍ مِّسْكِيْنًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرًا لِاَنَّهٗ عَجَزَ عَنِ الْاَدَاءِ وَكَذٰلِكَ اِذَا اَوْصٰى بِالْاِطْعَامِ عَنِ الصَّلوٰةِ جو شخص مر جاوے اور اس پر رمضان کی قضا ہے پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع خرمے یا جو دیدے۔ کیونکہ میت اب ادا سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں کھانا دینے کی وصیت کی ہو + طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے اِعْلَمْ اَنَّهٗ قَدْ وَرَدَ النَّصُّ فِي الصَّوْمِ بِاِسْقَاطِهٖ بِالْفِدْيَةِ وَاتَّفَقَتْ كَلِمَةُ الْمَشَائِخِ عَلٰى اَنَّ الصَّلوٰةَ كَالصَّوْمِ اِسْتِحْسَانًا وَاِذَا عَلِمْتَ ذٰلِكَ تَعْلَمُ جَهْلَ مَنْ يَّقُوْلُ اِنَّ اِسْقَاطَ الصَّلوٰةِ لَا اَصْلَ لَهٗ اِذْ هٰذَا اِبْطَالٌ لِلْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنَ الْمَذْهَبِ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز و روزہ کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے۔ بلکہ احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں + چنانچہ نسائی نے اپنے سنن کبریٰ اور عبد الرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبد اللہ ابن عباس سے نقل فرمایا۔ لَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَّلَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَّلٰكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدًّا مِّنْ حِنْطَةٍ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اس کی طرف سے ہر دن

بحث ۲۲ عبد النبی عبد الرسول نام رکھنا

عبد النبی عبد الرسول عبد المصطفیٰ عبد العلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے۔ قرآن و حدیث و اقوال فقہاء سے ثابت ہے۔ مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراض و جوابات۔

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔ اس عبارت میں عباد کو کُم کی طرف مضاف کیا گیا ہے یعنی تمہارے بندے قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اے محبوب فرمادو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرمادو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی۔ دوسرے معنی کو بھی بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

بندۂ خود خواند احمد در رشاد ❊ جملہ عالم را بخواں قُلْ یٰعِبَاد

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پڑھ لو قُلْ یٰعِبَاد۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ نفحۂ مکیہ ترجمہ شمائم امدادیہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ الآیۃ مرجع ضمیر متکلم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ الآیۃ آپ کہدو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر خطبہ میں فرمایا قَدْ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکُنْتُ عَبْدَہٗ وَخَادِمَہٗ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔ مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا

جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے (رضی اللہ عنہما) تو عرض کیا ؎

گفت مادو بندگان کوئے تو ٭ کردمش آزاد ہم بر روئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں اُن کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں۔ صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنا شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں فَاِنِّی اَرْوِیْهِ عَنْ شَیْخِنَا الشَّیْخِ عَبْدِ النَّبِیِّ الْخَلِیْلِیِّ میں اس کو اپنے شیخ عبدالنبی خلیلی سے روایت کرتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ صاحب درمختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے ؎

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں ٭ عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں غرضکہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن وحدیث واقوال فقہاء اور اقوال مخالفین سے ثابت ہے۔ عرب والے عام طور پر کہتے ہیں عبدی حرٌّ۔ شاعر کہتا ہے ع اَلْوَاهِبُ الْمِائَةَ الْهِجَانَ وَعَبْدَهَا ٭

لطیفہ: تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبد النبی نام رکھنے کو شرک کہا۔ مگر تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے۔ مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ رشید احمد ابن کریم النساء بنت فرید بخش ابن غلام قادر ابن محمد صالح ابن غلام محمد۔ دیوبندی بتائیں کہ مولوی رشید احمد صاحب کے خاندانی بزرگ مشرک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد حلالی ہے یا حرامی؟

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجوابات میں

عبد کے معنیٰ ہیں عابد عبادت کرنے والا تو عبدالنبی کے معنیٰ ہوں گے نبی کی عبادت کرنے والا اور یہ معنیٰ صریح شرکیہ معنیٰ ہیں لہٰذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب: عبد کے معنیٰ عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاویگا تو اس کے معنیٰ عابد ہونگے۔ اور جب غیر اللہ کی طرف نسبت ہو گی تو معنیٰ ہونگے خادم غلام لہٰذا عبدالنبی

کے معنے ہوئے نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے وَالتَّسْمِیَۃُ بِاسْمٍ یُوْجَدُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی جَائِزَۃٌ کَالْعَلِیِّ وَالرَّشِیْدِ وَالْبَدِیْعِ لِاَنَّہٗ مِنَ الْاَسْمَاءِ الْمُشْتَرَکَۃِ یُرَادُ فِیْ حَقِّ الْعِبَادِ مَا لَا یُرَادُ فِیْ حَقِّ اللّٰہِ تَعَالٰی کَذَا فِی السِّرَاجِیَّۃِ جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں اور ان کے نام رکھنا جائز ہے جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کے لئے ان کے وہ معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لئے مراد نہیں+ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنے اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنے۔ اسی طرح عبد اللہ کے معنی اللہ کا عابد، عبد النبی کے معنی نبی کا غلام۔ اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنے ہونگے مِنْ عِبَادِکُمْ؟

(۲) مشکوٰۃ کتاب الادب باب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب الالفاظ من الادب وغیرہ میں ہے لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰہِ وَکُلُّ نِسَاءِکُمْ اِمَاءُ اللّٰہِ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ وَجَارِیَتِیْ تم میں سے کوئی نہ کہے عبدی (میرا بندہ) تم سب اللہ کے بندے ہو۔ اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی وجاریتی + اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہٰذا حرام ہے اور عبد النبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہٰذا منع ہے۔ **جواب**۔ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے۔ اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے فَاِنْ قِیْلَ قَدْ قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ تَلِدَ الْاَمَۃُ رَبَّتَہَا فَالْجَوَابُ مِنْ وَجْھَیْنِ اَحَدُھُمَا اَنَّ الْحَدِیْثَ الثَّانِیْ لِبَیَانِ الْجَوَازِ وَاَنَّ النَّھْیَ فِی الْاَوَّلِ لِلْاَدَبِ وَکَرَاھَۃِ التَّنْزِیْہِ لَا لِلتَّحْرِیْمِ اگر کہا جاوے کہ حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں فرمایا کہ لونڈی اپنے رب کو جنے گی (یعنی بندے کو رب فرمایا) اس کا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ دوسری حدیث بیان جواز کے لئے ہے۔ اور پہلی حدیث میں ممانعت ادب کے لئے ہے اور کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی + مسلم میں اسی جگہ ہے لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ لِلْعِنَبِ الْکَرْمُ فَاِنَّ الْکَرْمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ۔ اسی جگہ یہ بھی ہے لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْکَرْمَ فَاِنَّ الْکَرْمَ الْمُسْلِمُ انگور کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے + مشکوٰۃ کتاب الادب باب الاسامی میں ہے اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَکَمُ

وَاِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تُكْنٰى اَبَا الْحَكَمِ حکم تو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو تیرا نام ابو الحکم کیوں ہے + مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے لَا تُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَّلَا رَبَاحًا وَّلَا نَجِيْحًا وَّلَا اَفْلَحَ اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجیح اور افلح نہ رکھو + ان تمام احادیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن اور حدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہو گا۔ دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرمایا ہے کَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ : اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مربی یا رب کہے تو مشرک نہ ہو گا۔ ہاں اگر اس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں۔ ہاں اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں وہابیوں کو چڑانے کے لئے یہ نام رکھے تو بہت باعثِ ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں۔ کہ جس مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیئے۔

بحث ۲۳ اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنیٰ۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت۔ مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب

پہلا باب

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنیٰ ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے۔ اسقاط کا ثبوت کیا؟ اسقاط کے لغوی معنیٰ ہیں گرا دینا۔ اصطلاحی معنیٰ یہ ہیں کہ میت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں اُن کو اس کے ذمہ سے دُور کرنا + چنانچہ ذخیرہ الصراط میں ہے "اسقاط آں چیز است کہ دور کردہ شود از ذمۂ میت بہ ایں قدر کہ میسر شود" اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمداً سہواً خطاءً رہ جاتے ہیں جن کو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعدِ موت اُن کی سزا میں گرفتار ہے۔ اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مطہرہ نے اس بیکسی کی حالت میں اس میت کی دستگیری

کرنے کے لئے کچھ طریقے تجویز فرما دیئے۔ کہ اگر ولی میّت وہ طریقہ میت کی طرف سے کر دے تو بیچارہ مُردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام اسقاط ہے۔ حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی، دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن میں اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ ہے کہ میت کی عمر معلوم کی جاوے اس میں سے نو سال عورت کے لئے اور بارہ سال مرد کے لئے نابالغی کے نکال دو۔ اب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہونے کے زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ گئی ہیں کہ نہ وہ پڑھی اور نہ قضا کیں۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ انداز لگالو۔ جتنی نمازیں حاصل ہوئی فی ۵ ء ۱ روپے اٹھنی بھر گیہوں خیرات کر دو۔ یعنی جو فطرہ کی مقدار ہے۔ وہ ہی ایک نماز کے فدیہ کی۔ وہ ہی ایک روزے کی۔ تو ایک دن کی چھ نمازیں، پانچ فرض اور ایک وتر واجب ان کا فدیہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوئے اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور سال کی نمازوں کا ۱۰۸ من گندم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہیں تو صدہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دیندار مالدار تو یہ کر سکے مگر غربا سے ناممکن۔ اُن کے لئے یہ طریقہ ہے کہ ولیٔ میّت بقدر طاقت گندم یا اس کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اس کی قیمت لے۔ اور کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے دے۔ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے۔ ہر بار کے صدقہ میں ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کر دیں رحمت الٰہی سے امید ہے کہ میّت کی مغفرت فرما دے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے۔ پنجاب میں جو عام طور پر مروّج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا ایک نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا۔ اس سے نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہٰذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا۔ سب نمازوں کا فدیہ ادا ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ لکھائی چھپائی کا ہے۔ اگر دو روپیہ کا یہ نسخہ ہے۔ تو دو روپیہ کی خیرات کا ثواب ملیگا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزارہا روپیہ سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں

صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرضکہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ طریقہ صحیح نہ ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہوگا نہ یہ کہ حرام ہے بلا دلیل کسی شئے کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلائے دیوبندی کا کام ہے بقدر خیرات ثواب مل جاویگا۔

نوٹ۔ ہم نے فدیہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر یہ ہر جگہ کے لئے نہیں ہے ایک نماز کا فدیہ ۱۷۵ روپیہ اٹھنی بھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگالیں۔

اسقاط کے ثبوت میں تین بحثیں کرنا ہیں۔ ایک تو یہ کہ حرام سے بچنے حلال حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے شرعی حیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نماز روزہ کا فدیہ مال سے ہو سکتا ہے تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل۔ حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکڑیاں ماروں گا۔ رب تعالیٰ نے اُن کو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لیکر اُن کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ قرآن اسی قصہ کو نقل فرماتا ہے وَخُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو لیکر مارو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز ظاہر نہ ہو۔ اس کے لئے بھی ایک حیلہ ہی فرمایا جس کا مفصل ذکر سورۂ یوسف میں ہے۔ ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کرونگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی۔ کہ ان کی آپس میں صلح کرا دو حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو اُن کو تعلیم دی گئی۔ کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں مشکوٰۃ۔ کتاب البیوع باب الربوا میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرمے لائے۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ ردّی خرمے تھے میں نے دو صاع ردّی خرمے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرمے لے لئے۔ فرمایا کہ یہ سود ا ہو گیا۔ آئندہ ایسا کرو کہ ردّی خرمے پیسوں کے عوض فروخت کر دو اور اُن پیسوں کے اچھے خرمے لے لو۔ دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا

نام ہے کتاب الحیل + اسی طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی + چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے کُلُّ حِیْلَةٍ یَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِاَبْطَالِ حَقِّ الْغَیْرِ اَوْ لِاِدْخَالِ شُبْهَةٍ فِیْهِ اَوْ لِتَمْوِیْهِ بَاطِلٍ فَهِیَ مَکْرُوْهَةٌ وَّکُلُّ حِیْلَةٍ یَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِیَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ اَوْ لِیَتَوَصَّلَ بِهَا اِلٰی حَلَالٍ فَهِیَ حَسَنَةٌ وَالْاَصْلُ فِیْ جَوَازِ هٰذَا النَّوْعِ مِنَ الْحِیَلِ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰی خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا وَهٰذَا تَعْلِیْمُ الْمَخْرَجِ لِاَیُّوْبَ النَّبِیِّ وَعَامَّةُ الْمَشَائِخِ عَلٰی اَنَّ حُکْمَهَا لَیْسَ بِمَنْسُوْخٍ وَهُوَ الصَّحِیْحُ مِنَ الْمَذْهَبِ جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لئے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا حلال کو پالے وہ اچھا ہے۔ اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ کہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اس سے ماردو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عام مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب ہے + حموی شرح اشباہ اور تتار خانیہ میں جواز حیلہ کی بہت نفیس تقریر فرمائی۔ چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ وَقَعَتْ وَحْشَةٌ بَیْنَ هَاجِرَةَ وَسَارَةَ فَحَلَفَتْ سَارَةُ اِنْ ظَفَرَتْ بِهَا قَطَعَتْ عُضْوًا مِنْهَا فَاَرْسَلَ اللّٰهُ جِبْرِیْلَ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنْ یُّصْلِحَ بَیْنَهُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَا حِیْلَةُ یَمِیْنِیْ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنْ یَّاْمُرَ سَارَةَ اَنْ تَثْقُبَ اُذُنَیْ هَاجِرَ فَمِنْ ثَمَّ ثُقُوْبُ الْاُذُنِ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ و ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو گیا حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقعہ ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹونگی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ کہ ان میں صلح کرا دیں۔ حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی۔ کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے + ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا +

دوسری فصل روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا + اس سے معلوم

کہ مجبور، بوڑھا یا مرض الموت کا مریض جب روزے کے قابل نہ رہے تو ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے کے زیادہ مہتم بالشان ہے۔ اس لئے نماز کو روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ چنانچہ اسی آیت کے ماتحت تفسیرات احمدیہ شریف میں مُلّا احمد جیون قدس سرہٗ فرماتے ہیں وَالصَّلٰوۃُ نَظِیْرُ الصَّوْمِ بَلْ اَهَمُّ فِیْهِ فَاَمَرْنَا بِالْفِدْیَةِ اِحْتِیَاطًا وَرَجَوْنَا الْقَبُوْلَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی فَضْلًا۔ اور روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہٰذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاطاً حکم دیا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے + منار میں ہے وَوُجُوْبُ الْفِدْیَةِ فِی الصَّلٰوۃِ لِلْاِحْتِیَاطِ نمازیں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے + شرح وقایہ میں ہے وَفِدْیَةُ کُلِّ صَلٰوۃٍ کَصَوْمِ یَوْمٍ وَھُوَالصَّحِیْحُ ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہ ہی صحیح ہے + شرح الیاس میں ہے وَیُعْتَبَرُ فِدْیَةُ کُلِّ صَلٰوۃٍ فَائِتٍ کَصَوْمِ یَوْمٍ اَیْ کَفِدْیَةِ یَوْمٍ ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے +

فتح القدیر میں ہے مَنْ مَّاتَ وَعَلَیْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَاَوْصٰی بِهٖ اَطْعَمَ عَنْهُ وَلِیُّهٗ بِکُلِّ یَوْمٍ مِسْکِیْنًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِیْرًا لِاَنَّهٗ عَجَزَ عَنِ الْاَدَاءِ وَکَذٰلِكَ اِذَا اَوْصٰی بِالْاِطْعَامِ عَنِ الصَّلٰوۃِ جو شخص مر جاوے اور اس پر رمضان کی قضاء ہے پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع خرمے یا جو دیدے۔ کیونکہ میت اب ادا سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں کھانا دینے کی وصیت کی ہو + طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے اِعْلَمْ اَنَّهٗ قَدْ وَرَدَ النَّصُّ فِی الصَّوْمِ بِاِسْقَاطِهٖ بِالْفِدْیَةِ وَاتَّفَقَتْ کَلِمَةُ الْمَشَائِخِ عَلٰی اَنَّ الصَّلٰوۃَ کَالصَّوْمِ اِسْتِحْسَانًا وَاِذَا عَلِمْتَ ذٰلِكَ تَعْلَمُ جَهْلَ مَنْ یَّقُوْلُ اِنَّ اِسْقَاطَ الصَّلٰوۃِ لَا اَصْلَ لَهٗ اِذْ هٰذَا اِبْطَالٌ لِلْمُتَّفَقِ عَلَیْهِ مِنَ الْمَذْهَبِ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز و روزہ کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے۔ بلکہ احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں + چنانچہ نسائی نے اپنے سنن کبریٰ اور عبدالرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے نقل فرمایا۔ لَا یُصَلِّیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا یَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلٰکِنْ یُطْعِمُ عَنْهُ مَکَانَ کُلِّ یَوْمٍ مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اس کی طرف سے ہر دن

کے عوض دو مُد گندم (آدھا صاع) خیرات کردے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب القضاء میں ہے قَالَ مَاتَ وَعَلَیْہِ صِیَامُ شَھْرِ رَمَضَانَ فَلْیُطْعَمْ عَنْہُ مَکَانَ کُلِّ یَوْمٍ مِّسْکِیْنًا جو کہ مر جاوے اور اس کے ذمہ ماہ رمضان کے روزے ہوں تو چاہیئے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔ غرضکہ نماز و روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے۔ اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

تیسری فصل۔ مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی فَصْلٌ فِیْ اِسْقَاطِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوۃِ یعنی یہ فصل نماز و روزے کے اسقاط میں ہے اس میں فرماتے ہیں وَلَا یَصِحُّ اَنْ یَّصُوْمَ وَلَا اَنْ یُّصَلِّیَ عَنْہُ وَاِنْ لَّمْ یَفِ مَا اَوْصٰی بِہٖ عَمَّا عَلَیْہِ یَدْفَعُ ذٰلِکَ الْمِقْدَارَ لِلْفَقِیْرِ فَیَسْقُطُ عَنِ الْمَیِّتِ بِقَدْرِہٖ ثُمَّ یَھَبُہُ الْفَقِیْرُ وَھٰکَذَا حَتّٰی یَسْقُطُ مَا کَانَ عَلَی الْمَیِّتِ مِنْ صِیَامٍ وَصَلٰوۃٍ وَیَجُوْزُ اِعْطَاءُ فِدْیَۃِ صَلَوَاتٍ لِوَاحِدٍ جُمْلَۃً بِخِلَافِ کَفَّارَۃِ الْیَمِیْنِ ترجمہ وہی ہے جو ہم نے طریقۂ اسقاط میں بیان کیا۔ درمختار باب قضاء الفوایت میں ہے وَلَوْ لَمْ یَتْرُکْ مَالًا یَسْتَقْرِضُ وَارِثُہٗ نِصْفَ صَاعٍ مَثَلًا وَیَدْفَعُہٗ لِفَقِیْرٍ ثُمَّ یَدْفَعُہُ الْفَقِیْرُ لِلْوَارِثِ ثُمَّ وَثُمَّ حَتّٰی یَتِمَّ اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو طریقۂ اسقاط میں بیان ہوا اس کی شرح میں شامی میں اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں وَالْاَقْرَبُ اَنْ یُّحْسَبَ مَا عَلَی الْمَیِّتِ وَیَسْتَقْرِضَ بِقَدْرِہٖ بِاَنْ یُّقَدَّرَ عَنْ کُلِّ شَھْرٍ اَوْ سَنَۃٍ اَوْ بِحَسَبِ مُدَّۃِ عُمْرِہٖ بَعْدَ اِسْقَاطِ اِثْنٰی عَشَرَ سَنَۃً لِلذَّکَرِ وَتِسْعِ سِنِیْنَ لِلْاُنْثٰی لِاَنَّھَا اَقَلُّ مُدَّۃِ بُلُوْغِھِمَا فَیَجِبُ عَنْ کُلِّ شَھْرٍ نِصْفُ غَرَارَۃِ فتح القدیر بِالْمُدِّ الدِّمَشْقِیِّ مُدِّ زَمَانِنَا وَلِکُلِّ سَنَۃٍ شَمْسِیَّۃٍ سِتُّ غَرَائِرَ فَیَسْتَقْرِضُ قِیْمَتَھَا وَیَدْفَعُھَا لِلْفَقِیْرِ ثُمَّ یَسْتَوْھِبُھَا مِنْہُ وَیَتَسَلَّمُھَا مِنْہُ لِتَتِمَّ الْھِبَۃُ ثُمَّ یَدْفَعُھَا لِذٰلِکَ الْفَقِیْرِ اَوْ لِفَقِیْرٍ اٰخَرَ وَھٰکَذَا فَیَسْقُطُ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ کَفَّارَۃُ سَنَۃٍ بَعْدَ ذٰلِکَ یُعِیْدُ الدَّوْرَ لِکَفَّارَۃِ الصِّیَامِ ثُمَّ الْاُضْحِیَۃِ ثُمَّ الْاَیْمَانِ لٰکِنْ لَابُدَّ فِیْ کَفَّارَۃِ الْاَیْمَانِ مِنْ عَشَرَۃِ مَسَاکِیْنَ بِخِلَافِ فِدْیَۃِ

الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ يَجُوْزُ اِعْطَاءُ فِدْيَةِ صَلَوٰتٍ لِّوَاحِدٍ یعنی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کرے کہ میت پر کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں۔ اور اس اندازے سے قرض لے اس طرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے اندازہ لے یا میت کی کُل عمر کا اندازہ کرے اور پوری عمر میں سے بلوغ کی کم از کم مدت مرد کے لئے بارہ سال ہے اور عورت کے لئے نو سال وضع کر دے پھر حساب کرے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف عزارہ ہوگا (فتح القدیر دمشقی سمیت) اور ہر شمسی سال کا کفارہ ۱۲ عزارہ ہوا پس وارث اس کی قیمت قرض لے اور فقیر کو اسقاط کے لئے دے۔ پھر فقیر اس کو دے دے اور وارث ہبہ قبول کرکے موہوب پر قبضہ کرلے۔ پھر وہ ہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں دے اسی طرح دورہ کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک سال کا کفارہ ادا ہوگا۔ اور اس کے بعد روزہ اور قربانی کے کفارہ کے لئے دورہ کرے پھر کفارہ یمین کے لئے لیکن کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے۔ بخلاف فدیہ نماز کے کہ اس میں چند نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتا ہے + یہ بالکل وہ ہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا + الاشباہ والنظائر میں ہے اَرَادَ الْفِدْيَةَ عَنْ صَوْمِ اَبِيْهِ اَوْ صَلٰوتِهٖ وَهُوَ فَقِيْرٌ يُعْطِيْ مَنَوَيْنِ مِنَ الْحِنْطَةِ فَقِيْرًا ثُمَّ يَسْتَوْهِبُهٗ ثُمَّ يُعْطِيْهِ وَهٰكَذَا اِلٰى اَنْ يَّتِمَّ + مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے فَحِيْلَتُهٗ لِاِبْرَاءِ ذِمَّةِ الْمَيِّتِ عَنْ جَمِيْعِ مَا عَلَيْهِ اَنْ يَّدْفَعَ ذٰلِكَ الْمِقْدَارَ الْيَسِيْرَ بَعْدَ تَقْدِيْرِهٖ بِشَيْءٍ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَلٰوةٍ اَوْ نَحْوِهٖ وَيُعْطِيْهِ لِلْفَقِيْرِ بِقَصْدِ اِسْقَاطِ مَا يُرِيْدُ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ بَعْدَ قَبْضِهٖ يَهَبُهُ الْفَقِيْرُ لِلْوَلِيِّ اَوْ لِلْاَجْنَبِيِّ وَيَقْبِضُهٗ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْمَوْهُوْبُ لَهٗ لِلْفَقِيْرِ بِجِهَةِ الْاِسْقَاطِ مُتَبَرِّعًا بِهٖ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ يَهَبُهُ الْفَقِيْرُ لِلْوَلِيِّ (اِلٰى اَنْ قَالَ) وَهٰذَا هُوَ الْمَخْلَصُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ترجمہ وہ ہی ہے جو اوپر گذرا + عالمگیری میں ہے وَاِنْ لَّمْ يَتْرُكْ مَالًا يَسْتَقْرِضُ وَرَثَتُهٗ نِصْفَ صَاعٍ وَيَدْفَعُ اِلٰى مِسْكِيْنٍ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ مِسْكِيْنٌ عَلٰى بَعْضِ وَرَثَتِهٖ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ حَتّٰى يَتِمَّ الْكُلُّ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ + اسی طرح بحر الرائق۔ عینی شرح کنز الدقائق، جامع الرموز۔ معتمد ظہیریہ شرح مختصر النقایہ۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ قرائد۔ جواہر القول المختصر وغیرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف سے تمام کی عبارات نقل نہیں کیں۔ منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو + فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب

البدعات صفحہ ۲۰۱ میں ہے "حیلہ اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوس کا ملانوں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیلہ کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحت نیت ورثہ کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیا دیہ کا ہے" فقط رشید احمد عفی عنہ

اگرچہ اس میں بہت ہیر پھیر کی مگر جائز مان لیا۔ لہٰذا اب کسی دیوبندی کو تو حیلہ اسقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے + ہم فقہی عبارات پیش کر چکے ہیں جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ مالدار آدمی بھی اگر پورا فدیہ ادا کرے تو تمام ترکہ اسی میں چلا جاویگا۔ ورثہ کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوا۔ تو حیلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ رہا حیلہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے لہٰذا لغو ہے۔



دوسرا باب
حیلہ اسقاط پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیوبندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا محض لفاظی سے کام لیتے ہیں۔ چونکہ بعض سیدھے مسلمان شبہات میں پڑ جاتے ہیں اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

(۱) حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ یہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں + یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جاویں؟

جواب۔ حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شرعیہ پورا کرنے کی شرعی تدبیر اردو میں بولتے ہیں "حیلہ رزق بہانہ موت" اور شرعی حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گذر چکے۔ اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیلئے حیلہ کرنا گناہ ہے۔ لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب۔ کسی جگہ

مسجد بن رہی ہے۔ روپیہ کی ضرورت ہے۔ زکوٰۃ کا پیسہ اُس پر نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوٰۃ دی اُس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اُس پر خرچ کر دیا۔ اُس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔ لینے کا حیلہ کرنا بُرا اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیلہ ہے خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں ؎ رحمت حق بہانہ می طلبد ٭ رحمتِ حق بہانہ می طلبد خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے ٭ یہ آیت یخادعون منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ جو کہ کلمۂ ایمانی کو اپنے لئے آڑ بناتے تھے اور دل میں کافر تھے ٭ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اُس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے ٭ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اُس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے۔ اُس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کیونکہ صدقہ غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اَلصَّدَقَةُ تُطْفِیْ غَضَبَ الرَّبِّ ٭ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ چھوٹ جاوے وہ ایک دینار خیرات کرے ٭ اسی مشکوٰۃ باب الحیض میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے بحالتِ حیض صحبت کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے ٭ یہ خیرات کیا ہے اُس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئندہ نمازوں کا فدیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرا دیں ٭

(۲) نماز روزہ عبادت بدنی ہے اور فدیہ مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ حیلہ محض باطل ہے ٭

جواب۔ یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے اُن پر فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الٰہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اُس کو حکم الٰہی ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ اُس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مردود ہوا ٭ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے۔ کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اُس کے معاوضہ مال دیتے ہیں بعض صورتیں میں جان کا بدلہ بھی مال سے ہوتا ہے۔ اور شریعت میں بعض کفار کے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نمازی پہلی التحیات بھول گیا تو سجدہ سہو کرے۔ کسی نے اپنی بیوی سے اظہار کر لیا تو اُس کے کفارہ میں

۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بحالتِ احرام شکار کر لیا۔ اگر پیسہ ہے تو اُس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزے رکھے۔ یہ تمام کفارے خلافِ قیاس ہیں مگر شریعت نے مقرر فرما دیا بسر وچشم منظور ہے

(۳) حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیونکہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کرینگے؟ اس لئے یہ بند ہونا چاہئے

جواب۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلۂ زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلۂ توبہ سے آدمی گناہ پر دلیر ہوتا ہے کیونکہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوٰۃ کا مال بغیر محنت ملیگا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جبکہ آدمی کو معلوم ہو گیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کریگا جیسے کہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ اسی طرح یہ بھی جو شخص کہ فدیہ نماز پر دلیر ہو کہ نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا۔ اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیحہ کو غلط استعمال کرے تو غلطی اُس استعمال کرنے والے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی + نیز یہ مسئلہ اسقاط صدہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو +

(۴) کچھ بنی اسرائیلوں نے حیلہ کر کے مچھلی کا شکار کیا تھا جس سے اُن پر عذاب الٰہی آ گیا۔ اور وہ بندر بنا دیئے گئے كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ معلوم ہوا کہ حیلہ سخت گناہ ہے اور عذاب الٰہی کا باعث

جواب۔ حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا۔ جیسے کہ بہت سے گوشت اُن پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اُس اُمت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے۔ نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار اُن پر حرام تھا۔ ایسے حیلہ اب بھی منع ہیں +

(۵) قرآن فرماتا ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود کمائے اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اُس کی اولاد مال خرچ کر کے اُس کو اِس جرم سے آزاد کرا دے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیلہ خلافِ قرآن ہے +

جواب اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں گذر گیا کہ اس آیت کی چند توجیہیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں۔ وہ کرے یا نہ کرے اس لئے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلافِ عقل ہے ۔

بعد مرنیکے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے ⁂ فاتحہ کو قبر پہ پھر کوئی آئے یا نہ آئے

یا یہ کہ یہ آیت کریمہ عبادت بدنیہ کے بارے میں آئی ہے۔ کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے ذمہ سے اس کے فرائض نماز و روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر یہ توجیہیں نہ کی جاویں۔ تو بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آوے گی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مومنین کے لئے اپنے ماں باپ کے لئے دعا کریں۔ نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا ہی ہے۔ احادیث نے میت کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

ضروری ہدایت۔ بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے ورثا اس کی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کراتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے۔ اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے اس کی اصل یہ ہے کہ مشکوٰۃ کتاب عذاب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اَتَاہُ مَلَکَانِ اور لوگ دفن کرکے لوٹ آتے ہیں تب منکر نکیر فرشتے سوالات کے لئے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا۔ اور پھر شامی جلد اول باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید۔ جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون سے مرنے والا، زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنے والا بشرطیکہ یہ دونوں صابر ہوں) صدیق۔ نابالغ بچہ۔ جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا، ہر رات سورۂ ملک پڑھنے والا یا مرض موت میں روزانہ سورۂ اخلاص پڑھنے والا (بعض نے فرمایا کہ نبی سے بھی) اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتے۔ تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہوا۔ اور بعد دفن سے ہی آدمی وہاں موجود رہا۔ تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جبکہ جمعہ آگیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا گویا یہ عذاب الٰہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرمادے۔ اب جبکہ آدمی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور قاری کو بھی۔ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول بعد الدفن میں ہے کہ قال الشافعی: یستحب ان یقرء وا عندہ

شیئًا من القراٰن قالوا فان ختموا القراٰن کلہ کان حسنًا یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔

ہم اذان قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سبزہ اُگ جاتا ہے اُس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے۔ یہ تو انسان کی تلاوت قرآن سے ضرور نافع ہوگی انشاء اللہ۔ مگر چاہئیے یہ کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے۔ اگرچہ لوگ باری باری سے بیٹھیں۔

ضروری نوٹ۔ بعض جگہ مسلمان رمضان کے جمعۃ الوداع کے دن کچھ نوافل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرام اور بدعت کہتے ہیں اور لوگوں کو روکتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کہ کسی نمازی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے۔ قضاء عمری بھی نماز تو ہے اس سے روکنا ہرگز جائز نہیں قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تفسیر روح البیان پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ایک حدیث نقل کی اَیُّمَا عَبْدٍ اَوْ اَمَۃٍ تَرَکَ صَلٰوتَہٗ فِیْ جَھَالَتِہٖ لَوْ تَابَ وَنَدِمَ عَلٰی تَرْکِھَا فَلْیُصَلِّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ بَیْنَ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ اِثْنَتٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً یَقْرَءُ فِیْ کُلٍّ مِّنْھَا الْفَاتِحَۃَ وَاٰیَۃَ الْکُرْسِیِّ وَالْاِخْلَاصَ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ مَرَّۃً لَایُحَاسِبُہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ذَکَرَہٗ فِیْ مُخْتَصَرِ الْاِحْیَاءِ جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہو اُس کے چھوٹ جانے کی وجہ سے تو جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں نفل پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور قل ہو اللہ اور سورۂ فلق وسورۂ ناس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اُس سے قیامت کے دن حساب نہ لے گا۔ اس حدیث کو مختصر الاحیاء میں ذکر کیا۔ صاحب روح البیان اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ تارک الصلوٰۃ بندہ شرمندہ ہو کر تمام نمازیں قضاء پڑھ لے۔ کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں۔ پھر قضا کرنے کا جو گناہ ہوا تھا۔ وہ اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جاویگا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازیں قضا نہ پڑھو۔ صرف یہ نماز پڑھ لو سب ادا ہو گئیں۔ یہ تو روافض بھی نہیں کہتے۔ کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے سال بھر تک نماز نہ پڑھو۔ بس جمعۃ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہو گئیں۔ مطلب وہ ہی ہے

کہ صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔ اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرفہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حاجیوں کے لیئے دعائے مغفرت فرمائی۔ بارگاہِ الٰہی سے جواب آیا کہ ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر مزدلفہ میں دعا فرمائی۔ تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرمادیئے گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض مار لو، کسی کو قتل کردو، کسی کی چوری کرلو اور حج کر آؤ۔ سب معاف ہوگیا۔ نہیں بلکہ ادائے قرض میں جو خلافِ وعدہ تاخیر وغیرہ ہوگئی وہ معاف کردی گئی حقوق العباد بہرحال ادا کرنے ہونگے۔ اگر کوئی مسلمان اس قضا عمری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کرے تو اس کو سمجھادو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔ اللہ توفیق خیر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

بحث ۲۲ اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرمارہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی لکھ دو تاکہ کتاب مکمل ہوجاوے لہٰذا اس کو بھی داخل کتاب کرتے ہیں۔ رب العالمین قبول فرمادے۔ آمین

اس بحث کے بھی دو باب کیئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ تو اس کو سن کر اپنے دونوں انگوٹھے یا کلمے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اور اس سے دنیاوی و دینی چند فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ پر اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوٰۃ مسعودی جلد دوم باب بستم بانگ نماز میں ہے رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ وَوَضَعَ اِبْهَامَیْهِ عَلٰی عَیْنَیْهِ فَاَنَا

طَالِبَہٗ فِی صُفُوْفِ الْقِیٰمَۃِ وَقَائِدُہٗ اِلَی الْجَنَّۃِ حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائینگے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے + تفسیر روح البیان پارہ ۶ سورہ مائدہ زیر آیت وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الآیہ ہے وَضْعُ تَقْبِیْلِ ظُفْرَیْ اِبْہَامَیْہِ مَعَ مُسَبِّحَتَیْہِ وَ الْمَسْحُ عَلٰی عَیْنَیْہِ عِنْدَ قَوْلِہٖ محمد رسول اللہ لِاَنَّہٗ لَمْ یَثْبُتْ فِی الْحَدِیْثِ الْمَرْفُوْعِ لٰکِنَّ الْمُحَدِّثِیْنَ اتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ الْحَدِیْثَ الضَّعِیْفَ یَجُوْزُ الْعَمَلُ بِہٖ فِی التَّرْغِیْبِ وَالتَّرْہِیْبِ محمد رسول اللہ کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو مع کلمے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مرفوع سے ثابت نہیں لیکن محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے موقعہ پر جائز ہے + شامی جلد اول باب الاذان میں ہے یُسْتَحَبُّ اَنْ یُّقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰی مِنَ الشَّہَادَۃِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الثَّانِیَۃِ مِنْہَا قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰہُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَیِ الْاِبْہَامَیْنِ عَلَی الْعَیْنَیْنِ فَاِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَکُوْنُ قَائِدًا لَّہٗ اِلَی الْجَنَّۃِ کَذَا فِیْ کَنْزِ الْعِبَادِ قہستانی ونحوہ فی الفتاوی الصُّوْفِیَّۃِ وَفِیْ کِتَابِ الفردوس مَنْ قَبَّلَ ظُفْرَیْ اِبْہَامَیْہِ عِنْدَ سَمَاعِ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ فِی الْاَذَانِ اَنَا قَائِدُہٗ وَمُدْخِلُہٗ فِیْ صُفُوْفِ الْجَنَّۃِ وَتَمَامُہٗ فِیْ حَوَاشِی الْبَحْرِ لِلرَّمْلِیْ اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَللّٰہُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی کے مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان میں اشہد ان محمداً رسول اللہ سن کر، تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤنگا۔ اور اس جنت کی صفوں میں داخل کردوں گا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے + اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ، کتاب الفردوس، قہستانی، بحر الرائق کا حاشیہ ان تمام

میں اس کو مستحب فرمایا + مقاصد حسنہ فی الاحادیث الدائرہ علی السنتہ میں امام سخاوی نے فرمایا :- ذَکَرَہُ الدَّیْلَمِیُّ فِی الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ ھٰذَا وَقَبَّلَ بَاطِنَ الْاَنْمُلَتَیْنِ السَّبَّابَتَیْنِ وَمَسَحَ عَیْنَیْہِ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِیْ فَقَدْ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ وَلَمْ یَصِحَّ دیلمی نے فردوس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ اُن سرکار نے جب مؤذن کا قول اشہد ان محمدا رسول اللہ سنا تو یہ ہی فرمایا ۔ اور اپنی کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی ۔ یہ حدیث پایہ صحت تک نہ پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مصنفہ ابوالعباس احمد ابی بکر رداد سے نقل کیا عن الخضر علیہ السلام اَنَّہٗ قَالَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ یَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ ثُمَّ یُقَبِّلُ اِبْھَامَیْہِ وَیَجْعَلُھُمَا عَلٰی عَیْنَیْہِ لَمْ یَرْمَدْ اَبَدًا حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشہد ان محمدا رسول اللہ تو کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد ابن عبد اللہ پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی + پھر فرماتے ہیں کہ فقیہ محمد ابن بابا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار تیز ہوا چلی جس سے اُس کی آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی سخت درد تھا وَاِنَّہٗ لَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ یَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ ذٰلِکَ فَخَرَجَتِ الْحَصَاۃُ مِنْ فَوْرِہٖ جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا اشہد ان محمدا رسول اللہ تو یہ ہی کہہ لیا فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی + اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا انہوں نے امام امجد کو فرماتے ہوئے سنا (امام امجد متقدمین علمائے مصریں سے ہیں) کہ فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک سنے تو اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے وَقَبَّلَھُمَا وَمَسَحَ بِھِمَا عَیْنَیْہِ لَمْ یَرْمَدْ اَبَدًا اور دونوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی آنکھ نہ دکھے گی پھر فرمایا کہ بعض مشائق عراق وعجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں وَقَالَ لِیْ کُلٌّ مِنْھُمَا مُنْذُ فَعَلْتُہٗ لَمْ تَرْمَدْ عَیْنِیْ انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری بھی آنکھیں نہ دکھیں + اسی مقاصد

حسنہ میں کچھ آگے جاکر فرماتے ہیں۔ قَالَ ابْنُ صَالِحٍ وَلَمَّا سَمِعْتُهُ اِسْتَعْمَلْتُهُ فَلَا تَرْمَدُ عَيْنِىْ وَاَرْجُوْا اَنَّ عَافِيَتَهُمَا تَدُوْمُ وَاِنِّىْ اَسْلَمُ مِنَ الْعَمٰى اِنْشَاءَ اللّٰهُ ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب سے یہ سُنا ہے اس پر عمل کیا۔ میری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہیگا اور میں اندھا ہونے سے محفوظ رہونگا۔ پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشہد ان محمد رسول اللہ سن کر یہ کہے مَرْحَبًا بِحَبِيْبِىْ وَقُرَّةِ عَيْنِىْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے انگوٹھے چوم لے اور آنکھوں سے لگائے وَلَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمَدْ کبھی اندھا نہ ہوگا۔ اور نہ کبھی اُس کی آنکھیں دُکھیں گی۔ غرضکہ اسی مقاصد حسنہ میں بہت سے ائمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا۔ شرح نقایہ میں ہے وَاعْلَمْ اَنَّهُ يُسْتَحَبُّ اَنْ يُّقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰى مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قَرَّتْ عَيْنِىْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَيِ الْاِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ لَهُ قَائِدًا اِلَى الْجَنَّةِ كذا فى كنز العباد جاننا چاہیئے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ سُن کر یہ کہے کہ صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور دوسرا کلمہ سُن کر یہ کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے تو حضور علیہ السلام اُس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد میں ہے۔ مولانا جمال ابن عبداللہ ابن عمر مکی قدس سرہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں تَقْبِيْلُ الْاِبْهَامَيْنِ وَوَضْعُهُمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ ذِكْرِ اسْمِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِى الْاَذَانِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌّ صَرَّحَ بِهٖ مَشَائِخُنَا اذان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف سُن کر انگوٹھے چومنا اور اُن کو آنکھوں سے لگانا جائز بلکہ مستحب ہے اس کی ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے۔ علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ تکملہ مجمع بحار الانوار میں اسی حدیث کو لَا يَصِحُّ فرماکر فرماتے ہیں وَرُوِىَ تَجْرِبَةُ ذٰلِكَ عَنْ كَثِيْرِيْنَ اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ حضرت صدر الافاضل مولائی مرشدی اُستاذی مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی دام ظلہم فرماتے ہیں کہ ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا۔ جس کا نام ہے "انجیل برناس" آجکل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اُس کے ترجمے کئے گئے ہیں اُس کے اکثر احکام اسلامی احکام سے ملتے جلتے ہیں۔ اُس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام

نے روح القدس (نور مصطفوی) کے دیکھنے کی تمنا کی۔ تو وہ نور ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفوی کیوں کیا۔ اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ جہاں کہ بتایا گیا ہے کہ زمانہ عیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے + علمائے احناف کے علاوہ علمائے شافعی و علمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے + چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب "اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین" مصری صفحہ ۲۴۷ میں ہے ثُمَّ يُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمَدْ اَبَدًا پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے آنکھوں سے لگائے تو کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی + مذہب مالکی کی مشہور کتاب "کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی" مصری جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں + پھر فرماتے ہیں ثُمَّ يُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمَدْ اَبَدًا پھر انگوٹھے چومے اور آنکھوں سے لگائے تو نہ کبھی اندھا ہو اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں + اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی عدوی صفحہ ۱۷۰ میں فرماتے ہیں لَمْ يُبَيِّنْ مَوْضِعَ التَّقْبِيْلِ مِنَ الْاِبْهَامَيْنِ اِلَّا اَنَّهٗ نُقِلَ عَنِ الشَّيْخِ الْعَالِمِ الْمُفَسِّرِ نُوْرِ الدِّيْنِ الْخُرَاسَانِيِّ قَالَ بَعْضُهُمْ لَقِيْتُهٗ وَقْتَ الْاَذَانِ فَلَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَبَّلَ اِبْهَامَيْ نَفْسِهٖ وَمَسَحَ بِالظُّفْرَيْنِ اَجْفَانَ عَيْنَيْهِ مِنَ الْمَاقِ اِلٰى نَاحِيَةِ الصُّدْغِ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ عِنْدَ كُلِّ تَشَهُّدٍ مَرَّةً مَرَّةً فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ كُنْتُ اَفْعَلُهٗ ثُمَّ تَرَكْتُهٗ فَمَرِضَتْ عَيْنَايَ فَرَاَيْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَقَالَ لِمَا تَرَكْتَ مَسْحَ عَيْنَيْكَ عِنْدَ الْاَذَانِ اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ تَبْرَءَ عَيْنَاكَ فَعُدْ فِي الْمَسْحِ فَاسْتَيْقَظْتُ وَمَسَحْتُ فَبَرِئَتْ وَلَمْ يُعَاوِدْ فِيْ مَرَضُهَا اِلَى الْاٰنَ مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ مفسر نور الدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کو اذان کے وقت ملے جب انہوں نے مؤذن کو اشہد ان محمدا رسول اللہ کہتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا اور کنپٹی کے

کے کونے تک پہنچایا۔ پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا۔ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے کہ میں پہلے انگوٹھے چوما کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ پس میری آنکھیں بیمار ہوگئیں۔ پس میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آنکھیں اچھی ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا شروع کردو۔ پس بیدار ہوا اور یہ مسح شروع کیا مجھ کو آرام ہوگیا۔ اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا (ماخوذ از نہج السلامہ) + اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان وغیرہ میں انگوٹھے چومنا آنکھوں سے لگانا مستحب ہے + حضرت آدم علیہ السلام اور صدیق اکبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سُنّت ہے + فقہاء محدّثین و مفسّرین اس کے استحباب پر متفق ہیں۔ ائمہ شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی۔ ہر زمانہ اور ہر ملک کے مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں۔ اس میں حسب ذیل فائدے ہیں :- یہ عمل کرنے والا آنکھ دکھنے سے محفوظ رہیگا اور انشاء اللہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔ اگر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لئے یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے بارہا کا تجربہ ہے۔ اس کے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں تلاش فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل فرمائیں گے اَللّٰھُمَّ رْزُقْنَا شَفَاعَةَ حَبِیْبِکَ الْکَرِیْمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمِیْن اس کو ناجائز کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے + استحباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں +

نوٹ۔ اذان کے متعلق تو صاف و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں جو پیش کی جا چکیں تکبیر بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان فرمایا گیا ہے بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوۃٌ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان + لہٰذا تکبیر میں اشھد ان محمدًا رسول اللہ پر انگوٹھے چومنا نافع و باعث برکت ہے۔ اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ نیت خیر سے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے ہیں۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی تعظیم کی جاوے باعث ثواب ہے +

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات وجوابات

(۱) انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا لَا یَصِحُّ فِی الْمَرْفُوْعِ مِنْ کُلِّ ھٰذَا شَیْءٌ ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں + ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا کُلُّ مَا یُرْوٰی فِی ھٰذَا فَلَا یَصِحُّ رَفْعُہٗ البتہ اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں کسی کا رفع صحیح نہیں + خود علامہ شامی نے اسی بحث اذان میں اسی جگہ فرمایا لَمْ یَصِحَّ مِنَ الْمَرْفُوْعِ مِنْ ھٰذَا شَیْءٌ ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں + صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے +

جواب۔ اس کے چند جوابات ہیں۔ اولاً یہ کہ یہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں قُلْتُ وَاِذَا ثَبَتَ رَفْعُہٗ اِلَی الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَیَکْفِیْ لِلْعَمَلِ بِہٖ لِقَوْلِہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام علیکم بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ یعنی میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے لہٰذا عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنّت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنّت + معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے + دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا لَمْ یَصِحَّ یعنی یہ تمام احادیث حضور تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے۔ لہٰذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے + تیسرے یہ کہ اصول حدیث و اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو جاوے تو حسن بن جاتی ہے۔ چنانچہ درمختار جلد اول باب مستحبات الوضوء میں اعضاء وضو کی دعاؤں کے متعلق فرماتے ہیں وَقَدْ رَوَاہُ ابْنُ حَبَّانَ وَغَیْرُہٗ عَنْہُ علیہ السلام مِنْ طُرُقٍ اس حدیث کو ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا + اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں اَیْ یُقَوِّیْ بَعْضُھَا بَعْضًا فَارْتَقٰی اِلٰی مَرْتَبَۃِ الْحَسَنِ یعنی بعض اسناد بعض

کو قوت دیتی ہیں لہٰذا یہ حدیث درجہ حسن کو پہنچ گئی + اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث چند طرق سے روایت ہے لہٰذا حسن ہے + چوتھے یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے + چنانچہ یہی علامہ شامی اسی رد المحتار جلد اول باب الاذان میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں عَلٰی اَنَّهٗ فِیْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ یَجُوْزُ الْعَمَلُ بِالْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ کَمَا مَرَّ فِیْ اَوَّلِ کِتَابِ الطَّهَارَةِ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی حلال و حرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں۔ صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہٰذا اس میں حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے + نیز مسلمانوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے وَقَدْ رُوِّیْنَا فِیْهِ حَدِیْثًا مِّنْ حَدِیْثِ اَبِیْ اُمَامَةَ لَیْسَ بِالْقَائِمِ اِسْنَادُهٗ وَلٰکِنِ اعْتَضَدَ بِشَوَاهِدَ وَبِعَمَلِ اَهْلِ الشَّامِ یعنی تلقین میت کی حدیث قوی الاسناد نہیں مگر اہل شام کے عمل و دیگر شواہد سے قوی ہو گئی۔ انگوٹھے چومنے پر بھی اُمت کا عمل ہے۔ لہٰذا یہ حدیث قوی ہوئی + اس سے زیادہ تحقیق نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو + پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی حدیث نہ ملتی۔ تب بھی امت مصطفٰے علیہ السلام کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے + چھٹے یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے۔ اور عمل میں صرف صوفیائے کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے + چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ہوامعہ میں ہوامعہ مقدمہ کے دسویں ہامعہ میں فرماتے ہیں "اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہاء قرابادین را" تصریفی اعمال میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے کہ طبیب لوگ حکمت کے نسخے ایجاد کرتے ہیں + خود شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب القول الجمیل وغیرہ میں صدہا عمل تعویذ گنڈے جنات کو دفع کرنے جنات سے محفوظ رہنے، حمل محفوظ رکھنے کے تجویز فرماتے ہیں کہ فلاں دعا ہرن کی کھال پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار کے ڈال دو اسقاط نہ ہوگا۔ کسم کا رنگا ہوا ڈور عورت کے جسم سے ناپ کر نو گرہ لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا درد زہ کو مفید ہے وغیرہ وغیرہ۔ بتاؤ کہ ان اعمال کے متعلق کون سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے، گمی ہوئی چیز کے

تلاش کرنے کے لئے بہت سے طریقے شامی میں بیان ہوئے۔ بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ تو جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل دردِ چشم کے لئے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوع کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکمِ استحباب تو بالکل صحیح ہے گفتگو ثبوتِ حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آٹھویں یہ کہ اچھا اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو کراہت کے ثبوت کی کون سی حدیث صحیح ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومو وغیرہ وغیرہ انشاء اللہ کراہت کے لئے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

الحمد للہ کہ اس اعتراض کے پرخچے اُڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نورِ مصطفےٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اُس کو چوما تھا تو تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جو وجہ وہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب۔ حضرت ہاجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاشِ پانی کے لئے صفا و مروہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہے؟ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو کنکر مارے۔ آج تم حج میں وہاں کیوں کنکر مارتے ہو؟ وہاں اب کونسا شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ السلام نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لئے طواف میں رمل کر کے اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طوافِ قدوم میں رمل کیوں کرتے ہو؟ اب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ مجناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی ہے۔

(۳) کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا چاہئے۔

جواب۔ چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے اس لئے اسی کو چومتے ہیں منصوصات

ہیں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے۔ تو یہ ہے کہ تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورۂ اعراف زیر آیت۔ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا میں بیان فرمایا کہ جنّت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا۔ جب اُن پر عتاب الٰہی ہوا وہ کپڑا اتار لیا گیا۔ مگر انگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنّتی لباس ہیں اور اب جنّت تو ہم کو حضور علیہ السلام کے طفیل سے ملیگی۔ لہٰذا اُن کے نام پر جنّتی لباس چوم لیتے ہیں۔ جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنّتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیونکہ اُس جنّتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے۔ لیئے زمین پر آیا تھا اور طوفان نوحی میں اُٹھا لیا گیا اور یہ پتھر اُس کی یادگار رہا۔ اسی طرح ناخن بھی اس جنّتی لباس کی یادگار ہے ؛

بحث ۲۵ جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میّت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے باواز بلند کلمہ طیّبہ سب مل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ کوئی بھی اس کو منع کرتا ہوگا مگر پنجاب میں آکر معلوم ہوا کہ دیوبندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرنا پڑا۔ اس بحث کے بھی دو باب کیئے جاتے ہیں۔ پہلا باب۔ اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْمِ ؞

پہلا باب

جنازہ کے آگے کلمہ طیّبہ یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازے کے آگے کلمہ طیّبہ یا تسبیح و تہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے۔ اس پر قرآنی آیات و احادیث صحیحہ و اقوال فقہا شاہد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر + اس کی شرح تفسیر روح البیان میں ہے اَیْ

يَذْكُرُوْنَهُ دَائِمًا عَلَى الْحَالَاتِ كُلِّهَا قَائِمِيْنَ وَقَاعِدِيْنَ وَمُضْطَجِعِيْنَ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ لَا يَخْلُوْ عَنْ هٰذِهِ الْهَيْئَاتِ غَالِبًا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الٰہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا + تفسیر ابو السعود میں اسی کے ماتحت ہے وَالْمُرَادُ تَعْمِيْمُ الذِّكْرِ لِلْاَوْقَاتِ وَتَخْصِيْصُ الْاَحْوَالِ الْمَذْكُوْرَةِ لَيْسَ لِتَخْصِيْصِ الذِّكْرِ بِهَا بَلْ لِاَنَّهَا الْاَحْوَالُ الْمَعْهُوْدَةُ الَّتِيْ لَا يَخْلُوْ عَنْهَا الْاِنْسَانُ ترجمہ قریب قریب وہ ہی ہے جو اُوپر کیا گیا + تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَلْمُرَادُ كَوْنُ الْاِنْسَانِ دَائِمَ الذِّكْرِ لِرَبِّهٖ فَاِنَّ الْاَحْوَالَ لَيْسَتْ اِلَّا هٰذِهِ الثَّلٰثَةَ ثُمَّ لَمَّا وَصَفَهُمْ بِكَوْنِهِمْ ذَاكِرِيْنَ فِيْهَا كَانَ ذٰلِكَ دَلِيْلًا عَلٰى كَوْنِهِمْ مُوَاظِبِيْنَ عَلَى الذِّكْرِ غَيْرَ فَاتِرِيْنَ عَنْهُ اس کا ترجمہ بھی وہ ہی ہے جو گذر چکا + ابن عدی نے کامل میں اور امام زیلعی نے نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں لکھا ہے عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ يُسْمَعُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَمْشِيْ خَلْفَ الْجَنَازَةِ اِلَّا قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُبْدِيًا اور راجعًا اگرچہ حدیث ضعیف بھی ہو۔ پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے + تحذیر المختار علی رد المختار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ پر ہے وَلٰكِنْ قَدِ اعْتَادَ النَّاسُ كَثْرَةَ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفْعَ اَصْوَاتِهِمْ بِذٰلِكَ وَهُمْ اِنْ مُنِعُوْا اَبَتْ نُفُوْسُهُمْ عَنِ السُّكُوْتِ وَالتَّفَكُّرِ فَيَقَعُوْنَ فِيْ كَلَامٍ دُنْيَوِيٍّ وَرُبَمَا وَقَعُوْا فِيْ غِيْبَةٍ وَاِنْكَارُ الْمُنْكَرِ اِذَا اَفْضٰى اِلٰى مَا هُوَ اَعْظَمُ مُنْكَرًا كَانَ تَرْكُهٗ اَحَبَّ لِاَنَّهٗ ارْتِكَابُ بِاَخَفِّ الْمُفْسِدَتَيْنِ كَمَا هُوَ الْقَاعِدَةُ الشَّرْعِيَّةُ + اس آیت، اور ان تفاسیر کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ہر حال میں ذکر الٰہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ اب کسی موقعہ پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء تو بحالتِ جنابت وبحالتِ حیض بھی تلاوتِ قرآن کے علاوہ تمام ذکروں کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جا رہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہوا۔ قرآن فرماتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے

ذکر سے دل چین پاتے ہیں + اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔ فَالْمُؤْمِنُوْنَ یَسْتَانِسُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ الْاِسْمُ الْاَعْظَمُ وَیُحِبُّوْنَ اِسْتِمَاعَھَا وَالْکُفَّارُ یَفْرَحُوْنَ بِالدُّنْیَا وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِذِکْرِ غَیْرِ اللّٰہِ پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسم اعظم ہے) مسلمان اُنس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں + اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی اور فرحت کا باعث ہے اور کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل وعیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کریگا + خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہٰذا ہر طرح جائز ہوا۔ محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے۔

منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں بروایت حضرت انس ہے اَکْثِرُوْا فِی الْجَنَازَۃِ قَوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ + مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃً یَطُوْفُوْنَ فِی الطُّرُقِ یَلْتَمِسُوْنَ اَھْلَ الذِّکْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَنَادَوْا ھَلُمُّوْا اِلٰی حَاجَتِکُمْ الخ اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں۔ ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الٰہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر اُن ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ + لہٰذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے اور اُن سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا + خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے + مشکوٰۃ اسی باب میں ہے اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّۃِ قَالَ حِلَقُ الذِّکْرِ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرو تو کچھ کھا لیا کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے + اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا + خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے + اسی مشکوٰۃ میں اسی باب میں ہے کہ اَلشَّیْطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ

شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاویگا تو شیطان سے میت کو امن رہیگی۔ یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالۃً ثابت کیا گیا۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر۔ پھر فرماتے ہیں لٰکِنَّ بَعْضَ الْمَشَائِخِ جَوَّزُوا الذِّکْرَ الْجَهْرِیَّ وَرَفْعَ الصَّوْتِ بِالتَّعْظِیْمِ قُدَّامَ الْجَنَازَةِ وَخَلْفَهَا لِتَلْقِیْنِ الْمَیِّتِ وَالْاَمْوَاتِ وَالْاَحْیَاءِ وَتَنْبِیْهِ الْغَفَلَةِ وَالظَّلَمَةِ وَزَالَةِ صَدَاءِ الْقُلُوْبِ وَقَسَاوَتِهَا بِحُبِّ الدُّنْیَاءِ وَرِیَاسَتِهَا یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت سختی دنیا کی محبت دور ہو۔ لواقح الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں وَکَانَ سَیِّدِیْ عَلِیُّ الْخَوَّاصُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ اِذَا عَلِمَ مِنَ الْمَاشِیْنَ مَعَ الْجَنَازَةِ اَنَّهُمْ لَا یَتْرُکُوْنَ اللَّغْوَ فِی الْجَنَازَةِ وَیَشْتَغِلُوْنَ بِاَحْوَالِ الدُّنْیَا فَیَنْبَغِیْ اَنْ نَاْمُرَهُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَفْضَلُ مِنْ تَرْکِهٖ وَلَا یَنْبَغِیْ لِلْفَقِیْهِ اَنْ یُّنْکِرَ ذٰلِكَ اِلَّا بِنَصٍّ اَوْ اِجْمَاعٍ فَاِنَّ لِلْمُسْلِمِیْنَ الْاِذْنَ الْعَامَّ مِنَ الشَّارِعِ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کُلَّ وَقْتٍ شَاؤُا وَلِلّٰهِ الْعَجَبُ مِنْ عَمِیَ قَلْبُ مَنْ یُّنْکِرُ مِثْلَ هٰذَا۔ حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ ان کو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے۔ اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کرے۔ امام شعرانی اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرماتے ہیں وَلَا نُمَکِّنُ اَحَدًا مِّنْ اِخْوَانِنَا یُنْکِرُ شَیْئًا اِبْتَدَعَهَا الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی جِهَةِ الْقُرْبَةِ وَ

رَدُّوْا حَسَنًا لَاسِیَّمَا مَا کَانَ مُتَعَلِّقًا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کَقَوْلِ النَّاسِ اِمَامَ الْجَنَازَۃِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَوْ قِرَاءَۃَ اَحَدِ الْقُرْاٰنِ اَمَامَہَا وَنَحْوَ ذٰلِکَ فَمَنْ حَرَّمَ ذٰلِکَ فَھُوَ قَاصِرٌ عَنْ فَہْمِ الشَّرِیْعَۃِ پھر فرماتے ہیں وکلمۃ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ اکبر الحسنات فَکَیْفَ یُمْنَعُ مِنْہَا وَتَاَمَّلْ اَحْوَالَ غَالِبِ الْخَلْقِ الْاٰنَ فِی الْجَنَازَۃِ تَجِدُھُمْ مَشْغُوْلِیْنَ بِحِکَایَاتِ الدُّنْیَا لَمْ یَعْتَبِرُوْا بِالْمَیِّتِ وَقَلْبُھُمْ غَافِلٌ عَنْ جَمِیْعِ مَا وَقَعَ لَہٗ بَلْ رَءَیْتُ مِنْھُمْ مَنْ یَّضْحَکُ وَاِذَا تَعَارَضَ عِنْدَنَا مِثْلُ ذٰلِکَ وَکَوْنُ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ فِیْ عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدَّمْنَا ذِکْرَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ بَلْ کُلُّ حَدِیْثٍ لَغْوٌ اَوْلٰی مِنْ حَدِیْثِ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا فِی الْجَنَازَۃِ فَلَوْ صَاحَ کُلُّ مَنْ فِی الْجَنَازَۃِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَلَا اِعْتِرَاضَ ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دینگے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصًا وہ جو کہ اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ طیبہ پڑھنا یا کہ جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں میں بہتر نیکی ہے۔ پس اس سے کیوں منع کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے۔ ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کرکے کہ یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کے ساتھ پکار کر نہیں پڑھا جاتا تھا۔ اس ناجائز ہونے کا حکم دینا درست نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے بلکہ دنیاداروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے۔ پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ لا الٰہ الا اللہ پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الٰہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ نہ ملیں گے :-

(۱) جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہا منع فرماتے ہیں چنانچہ عالمگیری جلد اول کتاب الجنائز فصل فی حمل الجنازہ میں ہے وَعَلٰی مُتَّبِعِیِ الْجَنَازَۃِ الصَّمْتُ وَیُکْرَہُ لَهُمْ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فَاِنْ اَرَادَ اَنْ یَّذْکُرَ اللّٰهَ یَذْکُرُہٗ فِیْ نَفْسِهٖ كَذَا فِیْ فَتَاوٰی قَاضِیْ خَان جنازے کیساتھ جانے والوں خاموش رہنا واجب ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کریں + فتاویٰ سراجیہ باب حمل الجنازہ میں ہے وَیُکْرَہُ النِّیَاحُ وَالصَّوْتُ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ وَفِیْ مَنْزِلِ الْمَیِّتِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ وَقَوْلُهُمْ كُلُّ حَیٍّ یَمُوْتُ وَنَحْوُ ذٰلِكَ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ بِدْعَۃٌ جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے + درمختار جلد اول کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت میں ہے كَمَا كُرِہَ فِیْهَا رَفْعُ صَوْتٍ بِذِكْرٍ اَوْ قِرَاءَةٍ جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرءت کرنا مکروہ ہے + اس کے ماتحت شامی میں ہے قُلْتُ وَاِذَا كَانَ هٰذَا فِی الدُّعَاءِ فَمَا ظَنُّكَ بِالْغِنَاءِ الْحَادِثِ فِیْ هٰذَا الزَّمَانِ جبکہ دعا میں اس قدر سختی ہے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے + ابن منذر نے اشراف میں نقل کیا کہ قَالَ قَیْسُ ابْنُ عُبَادَۃَ كَانَ اَصْحٰبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَكْرَهُوْنَ رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ ثَلٰثٍ عِنْدَ الْقِتَالِ وَفِی الْجَنَازَۃِ وَفِی الذِّكْرِ یعنی صحابہ کرام جہاد، جنازہ، ذکر میں بلند آواز کو ناپسند کرتے تھے + ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصاً وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو بہت ہی برا ہے (مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے)

جواب :- فقہاء کی ان عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اولاً یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ لکھا اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے یا تحریمی (کراہت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی اسکا کرنا تو جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر) دوسرے یہ کہ یہ حکم اس زمانے کے لئے تھا یا کہ ہر زمانہ کے

لئے۔ تیسرے یہ کہ مطلقاً بولنا منع ہے۔ یا کہ خاص ذکر بالجہر یا کہ نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہر شخص کو منع ہے یا کہ خالص اشخاص کو۔ جب یہ چار باتیں طے ہوجاویں مسئلہ بالکل واضح ہو جاویگا۔ حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ فرمایا۔ اُن کی مراد مکروہ تنزیہی ہے۔ چنانچہ شامی اسی منقولہ عبارت کے ساتھ ساتھ فرمایا قِیْلَ تَحْرِیْمًا وَقِیْلَ تَنْزِیْهًا کَمَا فِی الْبَحْرِ عَنِ الْغَایَتِ وَفِیْهِ عَنْهَا وَیَنْبَغِیْ لِمَنْ تَبِعَ الْجَنَازَةَ اَنْ یُّطِیْلَ الصَّمْتَ کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی جیسا کہ بحر الرائق میں غایت سے نقل کیا۔ اسی بحر میں بروایت غایت ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جاوے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے + جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنا بہتر اور خاموش نہ رہنا بلکہ ذکر بالجہر کرنا بہتر نہیں جائز ہے + نیز کراہت تنزیہی اور تحریمی کی پہچان خود علامہ شامی نے مکروہات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی۔ فرماتے ہیں شامی جلد اول کتاب الطہارت مطلب تعریف المکروہ فَحِیْنَئِذٍ اِذَا ذَکَرُوْا مَکْرُوْهًا فَلَابُدَّ مِنَ النَّظْرِ فِیْ دَلِیْلِهٖ فَاِنْ کَانَ نَهْیًا ظَنِّیًّا یُحْکَمُ بِکَرَاهَةِ التَّحْرِیْمِ اِلَّا بِصَارِفِ النَّهْیِ عَنِ التَّحْرِیْمِ اِلَی النَّدْبِ فَاِنْ لَّمْ یَکُنِ الدَّلِیْلُ نَهْیًا بَلْ کَانَ مُفِیْدًا لِلتَّرْکِ الْغَیْرِ الْجَازِمِ فَهِیَ تَنْزِیْهِیَّةٌ جب فقہاء مکروہ فرمادیں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دلیل میں نظر کی جاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہت تنزیہی ہے + اس سے معلوم ہوا کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی۔ اور جن فقہاء نے بھی اس ذکر بالجہر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ حضرت شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا اَیِ الْمُجَاهِرِیْنَ بِالدُّعَاءِ یعنی بلند آواز سے دعا کرنے والوں کو + معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہٰذا یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے + نیز امام شعرانی نے عہود مشائخ میں اسی ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا وَقَدْ رَجَّحَ النَّوَوِیُّ اَنَّ الْکَلَامَ خِلَافُ الْاَوْلٰی امام نووی نے اس کو ترجیح دی کہ جنازے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں + نیز شرح طریقہ محمدیہ نے بیان فرمایا وَهُوَ یُکْرَهُ عَلٰی مَعْنٰی اَنَّهٗ تَارِكُ الْاَوْلٰی جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے بایں معنی

کہ خلاف اُولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں + بہرحال ماننا پڑیگا کہ جن فقہاء نے اس کو مکروہ کہا اُن کی مراد مکروہ تنزیہی ہے + دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اُس زمانے کے لئے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا۔ کیونکہ اُس زمانہ میں جو بھی جنازے کے ساتھ جاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اُس سے عبرت پکڑتا تھا اہلِ میت کے ساتھ رنج وغم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی مدعیٰ بھی یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کرلیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

وَاِذَا حَمَلْتَ اِلَی الْقُبُوْرِ جَنَازَةً ٭ فَاعْلَمْ بِاَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جایا جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلافِ حکمت تھا کہ بات کرنے میں دھیان بٹے گا اور دل اور طرف متوجہ ہو جاوے گا۔ لہٰذا فقہاء نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو + کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول الماشی مع الجنازہ میں ہے والحکمۃ فِیہ ظاھرۃ وھی انہ اسکنْ لخاطرہ واجمع لفکرہ فیما یتعلق بالجنازۃ وَھُوَ المطلوبُ فِی ھٰذ الحالِ + مشکوٰۃ باب دفن المیت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لئے گئے وَجَلَسْنَا مَعَہٗ كَاَنَّ عَلٰی رُءُوْسِنَا الطَّیْرُ طیاری قبریں دیر تھی۔ تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں (پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا ہے تاکہ آواز سے پرندے اُڑ نہ جاویں) + اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دنیاوی باتیں ہنسی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گپیاں اُڑاتے ہیں۔ ہم نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغلہ کر کے دل بہلاتے ہیں تو اُن کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دینا ان بیہودہ باتوں سے بہتر ہے۔ لہٰذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں + حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر رہے وہ جاہل ہے + امام شعرانی اپنی کتاب عہود مشائخ میں فرماتے ہیں وَاِنَّمَا لَمْ یَکُنِ الْکَلَامُ وَالْقِرَاءَۃُ وَالذِّکْرُ اَمَامَ الْجَنَازَۃِ فِیْ عَهْدِ السَّلَفِ لِاَنَّهُمْ کَانُوْا اِذَا مَاتَ لَهُمْ مَیِّتٌ اِشْتَرَکُوْا کُلُّهُمْ فِی الْحُزْنِ عَلَیْهِ حَتّٰی کَانَ لَا یُعْرَفُ قَرَابَۃُ الْمَیِّتِ مِنْ غَیْرِہٖ فَکَانُوْا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلَی النُّطْقِ الْکَثِیْرِ لِمَا هُمْ عَلَیْهِ مِنْ ذِکْرِ الْمَوْتِ بَلْ خَرِسَتْ

اَلْسِنَتُهُمْ عَنْ كُلِّ كَلَامٍ فَإِذَا وَجَدْنَا جَمَاعَةً بِهٰذِهِ الصِّفَةِ فَلَكَ يَا اَخِي عَلَيْنَا اَنْ لَا نَأْمُرَ هُمْ بِقِرَاءَةٍ وَّلَا ذِكْرٍ گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا ذکر کرنا اس لئے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہوجاتا تھا تو سارے شرکاء رنج وغم میں شریک ہوجاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر اُن کو قدرت نہ رہتی تھی۔ اور اُن کی زبانیں گونگی ہوجاتی تھیں۔ اگر ہم آج بھی اس صفت کے لوگ پا لیں تو ہم اُن کو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نہ دیں گے + سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کہئے کیا آجکل لوگوں کا یہ حال ہے + حضرت شیخ عثمان بجیرمی شرح اقناع کے حاشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں (قَوْلُهٗ وَكُرِهَ لَغَطٌ فِي الْجَنَازَةِ) قَوْلُهٗ لَغَطٌ اَيْ رَفْعُ صَوْتٍ وَّلَوْ بِقُرْاٰنٍ اَوْ ذِكْرٍ اَوْ صَلٰوةٍ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهٰذَا بِاعْتِبَارِ مَا كَانَ فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَاِلَّا فَالْاٰنَ لَا بَاسَ بِذٰلِكَ لِاَنَّهٗ شِعَارُ الْمَيِّتِ لِاَنَّ تَرْكَهٗ مُزْدَرِيَةٌ بِهٖ وَلَوْ قِيْلَ بِوُجُوْبِهٖ لَمْ يُبْعَدْ كَمَا نَقَلَهُ الْمَدَابِغِيُّ یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا درود خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے ہے جو کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں کی تھی ورنہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ذکر بالجہر میت کی علامت ہے اس کے چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہٰذا اس کو اگر ضروری بھی کہا جاوے تو بھی بعید نہیں۔ جیسا کہ مدابغی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا + امام شعرانی نے عہود مشائخ میں فرمایا فَمِمَّا اَحْدَثَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَاسْتَحْسَنُوْهُ قَوْلُهُمْ اَمَامَ الْجَنَازَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَوْ وَسِيْلَتُنَا يَوْمَ الْعَرْضِ عَلَى اللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَنَحْوُ ذٰلِكَ فَمِثْلُ هٰذَا لَا يَجِبُ اِنْكَارُهٗ فِي هٰذَا الزَّمَانِ لِاَنَّهُمْ اِنْ لَّمْ يَشْتَغِلُوْا بِذٰلِكَ اِشْتَغَلُوْا بِحَدِيْثِ الدُّنْيَا وَذٰلِكَ لِاَنَّ قَلْبَهُمْ فَارِغٌ مِّنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ رَءَيْتُ بَعْضَهُمْ يَضْحَكُ اَمَامَ الْجَنَازَةِ ترجمہ مسلمانوں نے جس کام کو اچھا سمجھ کر ایجاد کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اگر وہ لوگ اس ذکر میں مشغول نہ ہوئے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کو

جنازے کے آگے ہنستے ہوئے اور مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے + امام شعرانی قدس سرہٗ نے جو کچھ اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اس سے بدتر حال آج ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے۔ اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچکر کنکروں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تجہیز و تکفین کے احکام بتائے۔ اس سے یہ ہی بہتر تھا +

لطیفہ مخالفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سنانا، لوگوں کے آپس میں ہنسی مذاق کرنے کو نہ منع کرتے ہیں نہ اس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں جیساکہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے کہ کلام، سلام، ہنسی، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ۔ خدا سمجھ دے +

نوٹ ضروری۔ شائد کوئی کہے کہ اسلامی احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی ؟ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی علت کی بنا پر ہوں وہ علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے جیسے کہ اول زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اولیاء اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرورۃً زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں۔ اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پر دعائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں + قرآن پاک میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا۔ لیکن اب عوام کے فائدے کا لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا + عالمگیری کتاب الکراہیت باب آداب المصحف میں ہے لَا بَاْسَ بِکِتَابَةِ اَسَامِی السُّوَرِ وَعَدِّ الْاٰیِ وَھُوَ اِنْ کَانَ اِحْدَاثًا فَھُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ وَّکَمْ مِنْ شَیْءٍ کَانَ اِحْدَاثًا وَھُوَ حَسَنٌ وَّکَمْ مِنْ شَیْءٍ یَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَکَانِ سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں + اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں + تیسرے یہ کہ کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جارہا ہے

لہٰذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لئے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خوانی میت کا اعلان بھی ہؤا۔ اور جنازے کا اعلان کرنا اس نیت سے کہ لوگ نماز جنازے یا دفن میں شرکت کرلیں۔ جائز ہے۔ چنانچہ درمختار دفن میت کی بحث میں ہے وَلَا بَاسَ بِنَقْلِہٖ قَبْلَ دَفْنِہٖ وَبِالْاِعْلَامِ بِمَوْتِہٖ وَبِاِرْثَائِہٖ بِشِعْرٍ اَوْ غَیْرِہٖ یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو منتقل کرنا اُس کے جنازے کا اعلان کرنا، میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اس کے سوا جائز ہے۔ اس کی شرح میں شامی میں ہے اَیْ اِعْلَامِ بَعْضِہِمْ بَعْضًا لِیَقْضُوْا حَقَّہٗ وَکَرِہَ بَعْضُہُمْ اَنْ یُّنَادٰی عَلَیْہِ فِی الْاَزِقَّۃِ وَالْاَسْوَاقِ وَالْاَصَحُّ اَنَّہٗ لَا یُکْرَہُ اِذَا لَمْ یَکُنْ مَعَہٗ تَنْوِیْہٌ بِذِکْرِہٖ یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تاکہ لوگ اس میت کے حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا ہے یہ کہ گلی کوچوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا جاوے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اعلان مکروہ نہیں ہے جبکہ اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔ جبکہ اعلان جنازہ کے لیے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلانِ جنازہ کی نیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہؤا کہ جس جہر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ خاص ہو تو جائز ہے۔ اسی لئے علامہ شامی نے اسی بحث میں تتارخانیہ سے نقل کیا وَاَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ الْجَنَائِزِ فَیَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْہُ النَّوْحُ اَوِ الدُّعَاءُ لِلْمَیِّتِ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلٰوۃَ اَوِ الْاِفْرَاطُ فِیْ مَدْحِہٖ کَعَادَۃِ الْجَاہِلِیَّۃِ بِمَا ہُوَ یُشْبِہُ الْمُحَالَ وَاَمَّا اَصْلُ الثَّنَاءِ عَلَیْہِ فَغَیْرُ مَکْرُوْہٍ لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد نوحہ کرنا یا میت کے لئے نماز شروع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اُس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ مکروہ نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور بافائدہ ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے فی زمانہ اس میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کر دیئے گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت خاص اہل علم کو ہے۔ اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو اُن کو منع نہ کیا جاوے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الٰہی سے نہ روکو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الٰہی سے بے رغبت ہیں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے وَلَا

يُكَبِّرُ فِيْ طَرِيْقِهَا وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلَهَا مُطْلَقًا وَكَذَا لَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَهَا فِيْ مُصَلَّاهَا فَاِنَّهٗ مَكْرُوْهٌ عِنْدَ الْعَامَّةِ عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ عید سے پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے + پھر فرماتے ہیں هٰذَا لِلْخَوَاصِ اَمَّا الْعَوَّامُ فَلَا يُمْنَعُوْنَ مِنْ تَكْبِيْرٍ وَّلَا تَنَفُّلٍ اَصْلًا لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عوام کو اس سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کار خیر میں کم ہے + اس کے ماتحت شامی میں ہے اَیْ لَا سِرًّا وَّلَا جَهْرًا فِی التَّكْبِيْرِ یعنی ان کو آہستہ اور بلند آواز سے تکبیر کہنے سے نہ روکا جاوے + نیز ہم ذکر بالجہر کی بحث میں بحوالہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہیں کیا ان کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں + ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر خواص کو کسی خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں + اسی لئے فقہاء نے یہ تو فرمادیا کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن یہ نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو + اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے + دوم یہ کہ پہلے زمانہ کے لئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ علّت حکم بدل گئی + تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان ہے لہٰذا فائدے مند ہے جائز ہے، چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الٰہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے +

(۲) جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چیختے جاتے ہیں "رام رام ست ہے"۔ اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت ناجائز ہے۔ لہٰذا یہ منع ہے +

جواب۔ کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں اور ہم خدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار گنگا سے گنگا کا پانی لے کر آتے ہیں۔ ہم مکہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوئی۔ نیز جو کام کہ کفار کی قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں + اگر کافر بھی اپنے

جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں. تو شوق سے پڑھیں. یہ اچھا کام ہے اور اچھے کام میں مشابہت بری نہیں ہوتی ؛

(۳) راستہ میں کلمہ طیبہ آواز سے پڑھنا بے ادبی ہے کیونکہ وہاں گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہذا یہ منع ہے

جواب. یہ اعتراض محض لغو ہے. فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے. ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے جیسے کہ پاخانہ یا گھورا (روڑی) شامی بحث قرأت عند المیت میں ہے وَفِی الْقُنْیَةِ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ رَاكِبًا اَوْمَاشِیًا اِذَا لَمْ یَكُنْ ذٰلِكَ الْمَوْضِعُ مُعَدًّا لِلنَّجَاسَةِ سوار یا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جگہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو + قرآن بغل میں لے کر راستہ سے گذرنا جائز ہے اور پاخانہ میں لے جانا منع ہے + نیز بقرعید کے دن حکم ہے کہ عید گاہ کے راستے میں بلند آواز سے تکبیر تشریق کہتا ہوا جاوے + درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے وَیُكَبِّرُ جَهْرًا اِتِّفَاقًا فِی الطَّرِیْقِ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے + حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے + اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے + عالمگیری کتاب الکراہیت باب الصلوٰۃ والتسبیح میں اور عمدۃ الابرار مجموع النوازل، خانیہ، سراجیہ، ملتقط، تجنیس وغیرہ میں ہے وَاَمَّا التَّسْبِیْحُ وَالتَّهْلِیْلُ لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَهٗ یعنی حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے بھی جائز ہے +

(۴) جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈر جاتے ہیں کیونکہ ان کو موت یاد آجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں لہذا بقاعدۂ طبی بھی یہ منع ہونا چاہیئے ؛

جواب. قرآن فرماتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں. مسلمانوں کو تو اس سے چین اور راحت ہوتی ہے. ہاں کفار ڈرتے ہونگے. ان کو ڈرنے دو. کفار تو اذان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے اذان بند کی جاوے گی + ہاں اگر کسی حاذق طبیب نے لکھا ہو کہ کلمہ طیبہ کی آواز وبا کے اسباب میں سے ہے تو پیش کیا جاوے لیکن وہ طبیب مسلمان اور حاذق ہو. کوئی دیوبندی یا کوئی وہمی طبیب نہ ہو. وہمی باتوں کا اعتبار نہیں + ثابت ہوا کہ میت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باعث برکت ہے + مخالفین کے پاس بجز غلط فہمی کے اور

کوئی اعتراض قوی نہیں + وَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ ⁂

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک جس قدر مسائل میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں اُن کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پہ ایمان کا دارومدار نہیں صرف کراہت اور استحباب میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بناپر عرب و عجم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں اور ہرایک کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں اُن کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ اُن کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے۔ اگر کوئی صاحب غلط ثابت کریں تو وہ انعام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا اسرار تھا کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کردی جاوے۔ مگر اس وقت کاغذ دستیاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم اِن شاءَ اللہ اس کے اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں اُن عقائد سے ہی بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں:۔

دیوبندی عقائد	اسلامی عقائد
۱۔ خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ امکان کذب) براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب انبٹی جہد المقل مصنفہ مولوی محمود حسن صاحب	جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہٰذا خدا کے لئے "سکنا" کہنا بے دینی ہے ⁂
۲۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کرے۔ کسی ولی نبی جن فرشتے بھوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی) ⁂	خدائے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم اس کی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے تب معلوم کرنیکا مطلب یہ ہوا کہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں

	کو بھی علوم غیبیہ عطا کئے (قرآن کریم)
۳۔ خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور ماہیت سے پاک ماننا بدعت ہے۔ ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی	خدائے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب و ماہیت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزائے سے بنا ہے اس کو دیوبندیوں نے بھی بے خبری میں کفر لکھ دیا (کتب علم کلام)
۴۔ خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی۔ جب بندے اچھے یا برے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ بلغۃ الحیران صفحہ ۱۵۷ زیر آیت اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○ مصنفہ مولوی حسین علی صاحب بھچرالوی شاگرد مولوی رشید احمد صاحب	خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے اس کا علم واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لئے کسی چیز سے اس کو بے علم مانے وہ بے دین ہے (عام کتب عقائد) دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کریں تو کیا تعجب ہے؟
۵۔ خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہٰذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجاویں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آویگا۔ (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانیٔ مدرسہ دیوبند)	خاتم النبیین کے یہ ہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی، بروزی، مراقی، مذاقی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی معنی پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ہی معنی حدیث نے بیان فرمائے جو اس معنی کا انکار کرے وہ مرتد ہے (جیسے کہ قادیانی اور دیوبندی)
۶۔ اعمال میں بظاہر امتی نبی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانیٔ مدرسہ دیوبند)	کوئی غیر نبی خواہ ولی ہو یا غوث یا صحابی کسی کمال علمی و عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ صحابی کا کچھ جو خیرات کرنا ہمارے صدہا من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے (حدیث)

۷۔ حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے. (یکروزی مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۴۴)	رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے (دیکھو رسالہ امتناع النظیر مصنفہ مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی)
۸۔ حضور علیہ السلام کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب و تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)	حضور علیہ السلام کو الفاظ عام سے پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نیّتِ حقارت ہو تو کفر ہے (قرآن کریم) یارسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے۔ نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی است
۹۔ شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب) ۔	جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے (دیکھو شفا شریف) حضور علیہ السلام تمام مخلوق الٰہی میں بڑے عالم ہیں ۔
۱۰۔ حضور علیہ السلام کا علم بچوں، پاگلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے (حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب) ۔	حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو ادنیٰ چیزوں سے تشبیہ دینا یا ان کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے ۔
۱۱۔ حضور علیہ السلام کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آگیا (براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب)	رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے دین ہے ۔
۱۲۔ ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب) ۔	رب تعالیٰ فرماتا ہے وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا پھر فرماتا ہے اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ جو نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خود چمار

	ہے ذلیل ہے ؎
۱۳۔ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی)	جس نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے۔ اسی لئے التحیات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یار نہ ہو نماز ہو (دیکھو بحث حاضر و ناظر) ؎
۱۴۔ میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پلصراط پر لے گئے اور دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جارہے ہیں تو میں نے حضور کو گرنے سے روکا (بلغۃ الحیران، مبشرات مصنفہ مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب) ؎	حضور علیہ السلام کے بعض غلام پلصراط سے بجلی کی طرح گذر جائیں گے۔ اور پلصراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کی مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دعا فرمائیں گے رَبِّ سَلِّم (حدیث) جو کہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر گرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے ؎
۱۵۔ مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کمسن شاگردنی سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے ان کے کسی مرید نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ صدیقہ آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی کمسن عورت میرے ہاتھ آوے گی۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ ہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڈھا ہوں اور بی بی لڑکی ہے (رسالہ الامداد) مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب ماہ صفر ۱۳۳۵ھ	حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں (قرآن کریم) خصوصاً صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان ہوں کوئی کمین آدمی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جورو سے تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخت توہین بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے اس سے زیادہ اور کیا بے ایمانی اور بے غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو جورو سے تعبیر دی جاوے۔

عقائد دیوبندیہ کا یہ ایک نمونہ ہے۔ اگر تمام عقائد بیان کئے جاویں تو اس کے دفتر چاہئیے۔ حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عظام ہی پر تبرّا کیا۔ مگر دیوبندیوں کے قلم سے نہ خدا کی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نہ ازواج مطہرات سب ہی کی اہانت کی گئی۔ اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم ان کے غلامانِ غلام اپنی صدیقہ ماں کے لئے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لئے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تاکہ مسلمان اُن سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

صاحبزادۂ بلند اقبال عزیزی مولوی سید محمود شاہ صاحب سلمہٗ کا اصرار تھا کہ امکانِ کذب، امکانِ نظیر، دیوبندیوں کی عبارات کی توضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں۔ مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لئے دیوبندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکۃ الآرا تحقیق کریں گے۔ جس سے علمائے دیوبند کی منطق دانی کا بھی انشاء اللہ پتہ چل جائے گا۔ اور مولوی حسین احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجیہات عبارات کی ہیں اُن کی حقیقت بھی معلوم ہو جاوے گی انشاء اللہ۔ ہم اہلِ سُنّت پر الزام ہے کہ ہم لوگ پیر پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام کو اور اپنے پیروں کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔ لہٰذا مشرک ہیں۔ ہم دکھاتے ہیں کہ خود دیوبندی کس درجہ کے پیر پرست ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے ؎

تمہاری تربتِ انور کو دے کر طور سے تشبیہ ٭ کہوں ہوں بار بار اَرِنی مری دیکھی بھی نادانی

مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب ارنی فرمانے والے موسیٰ ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں تو اپنے شیخ کو رب بتایا۔ اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں ؎

زباں پر اہلِ ہوا کی ہے کیوں اُعْلُ ھُبَل شاید ٭ اُٹھا دُنیا سے کوئی بانیٔ اسلام کا ثانی

اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو بانیٔ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ثانی کہا گیا۔ پھر فرماتے ہیں ؎

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہئے عجب کیا ہے ٭ شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی

اِس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بنایا + پھر فرماتے ہیں ؎

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں ٭ عبید سُود کا اُن کے لقب ہے یوسفِ ثانی

مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے ماشاء اللہ ایسے حسین ہیں کہ اُن کو یوسفِ ثانی کا لقب دیا گیا + ناظرین غور فرمائیں۔ کہ از خدا تا فاروق کونسا درجہ باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی قابلِ دید ہے۔ اس میں یہ شعر بھی ہے ؎

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا ٭ اِس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم

اِس شعر میں مولوی صاحب نے حضرت روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مرشد سے مقابلہ کا چیلنج دیا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی کیا یعنی مُردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے رشید احمد نے دو کام کئے مُردوں کو زندہ کیا اور زندوں کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں رشید احمد صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل بنایا ٭

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مُرید نے مولوی صاحب موصوف کو لکھا کہ مَیں نے خواب کی حالت میں اس طرح کلمہ پڑھا لا الٰہ الّا اللہ اشرف علی رسول اللہ۔ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہ ہی منہ سے نکلتا تھا۔ پھر بیدار ہو گیا۔ تو درود شریف پڑھا۔ تو یوں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلٰنَا اَشْرَفْ عَلِیْ۔ بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے + اس کا جواب مولوی اشرفعلی صاحب نے یہ دیا۔ کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہٖ تعالیٰ متبع سنت ہے + ۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ ماخوذ از رسالہ الامداد بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۵ ٭

غور کرنا چاہیئے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھ لو۔ اور اُن پر درود پڑھو مگر بے اختیاری زبان کا بہانہ کردو۔ سب جائز ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا طلاق ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں یہ بہانا کافی مانا گیا۔ اور اس کو پیر کے متبع سنت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ٭

تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۶ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بھاوج اپنے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں۔ کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اُن سے

فرمایا کہ اُٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکاوے۔ اس کے مہمان علماء (یعنی دیوبندی) ہیں۔ اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا (چشم بد دُور) + مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اُن کا داہنا ہاتھ خاص اپنے دستِ قدرت میں پکڑ کر امور قدسیہ سے بہت بلند اور نادر چیزیں اُن کے سامنے پیش کیں + پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا سید احمد صاحب کو حکم ہوا۔ کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کریگا اگرچہ وہ لکھو کھہا ہی کیوں نہ ہوں ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے + اسی صراط مستقیم میں اولیاء کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں "اور اُن کو انبیاء کے ساتھ وُہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیونکہ ان کے درمیان بھی مِنْ وَجْہٍ نبوت کا علاقہ ہے۔ اور مِنْ وَجْہٍ اخوت کا یعنی اولیاء اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ + کہئے آج تک کسی مُرید نے اپنے پیرو مرشد کے لئے ایسی تعلّیاں نہ کی ہونگی۔ مگر اِن حضرات پر نہ فتویٰ شرک ہے نہ حکم کفر نہ یہ قبر پرست کہلائیں +

جو کچھ عرض کیا گیا۔ نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اظہار منظور ہے۔ نہ اپنی قابلیت دکھانا مقصود + میں کیا اور میری لیاقت اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی واستاذی قبلۂ عالم حامی دین، ناصرِ مسلمین مولانا الحاج سید محمّد نعیم الدّین صاحب قبلہ مراد آبادی دام ظلہم الاقدس کے در کا صدقہ ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے دوست و دشمن کو پہچانیں۔ دولتِ ایمان کو دینی راہزنوں سے محفوظ رکھیں۔ اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں۔ اور جو بھی اس سے فائدہ اُٹھائے۔ اس فقیر بے نوا کے لئے دعائے حسن خاتمہ کرے۔ مولیٰ تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرما دے + مسلمانوں کو راہِ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے اِن ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرما دے آمین یارب العٰلمین بجاہ حبیبک الرءوف الرحیم الکریم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہ ونورِ عرشہ سیدنا ومولانا محمدٍ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتہٖ وھو ارحم الراحمین ؎

ناچیز احمد یار خاں نعیمی اشرفی اوجھانوی بدایونی مدرّس مدرسہ خُدام الرسول گجرات

۶ ذیقعد روز ایمان افروز دوشنبہ مبارکہ ۱۳۶۱ھ

اِس کتاب کو لکھ چکنے کے بعد حضور امیرِ ملت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم کا گرامی نامہ تشریف لاکر باعثِ عزت افزائی ہُوا جس میں ایک ایمان افروز نہایت باریک علمی نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اور مجھے حکم ملا کہ وہ کتاب میں لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں + جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشر کہتے ہیں وہ نور ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو بیان سے بالاتر ہے۔ جس چیز کو اس ذات گرامی سے نسبت ہو جاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ بے مثل ہے۔ قرآن فرماتا ہے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو + معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات بے مثل بیویاں ہیں كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اے مسلمانو! تم بہترین اُمت ہو + معلوم ہوا کہ امتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے مثل اُمت ہے + مدینہ منورہ بے مثل شہر + قبر انور کی زمین بے مثل زمین + جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی + حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ غرضکہ جس کو اس ذاتِ کریم سے نسبت ہو گئی وہ بے مثل و بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے کہ منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یہ ساری بہار ہے وہ بے مثل نہ ہوں۔ ڈاکٹر اقبال رحؒ نے کیا خوب کہا ہے

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز ÷ از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن ÷ آں امام اولین و آخرین
بانوئے آں تاجدارِ هَلْ اَتٰى ÷ مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا
مادر آں مرکزِ پرکار عشق ÷ مادر آں قافلہ سالار عشق
رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست ÷ پاس فرمانِ جناب مصطفےٰ
ورنہ گرد تربتش گردیدمے ÷ سجدہا بر خاکِ وے پاشیدمے

فاطمہ زہرا اس لئے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی، ولی کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا سبحان اللہ کیا طرزِ استدلال ہے + اعلیحضرت قدس سرہٗ نے خوب فرمایا ہے

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ÷ اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ ÷ ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

احمد یار خاں ادجھانوی عفی عنہ

قہرِ کبریا بر منکرینِ عصمتِ انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہنی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہِ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دلیر کردیا ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا۔ جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کافر بھی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خاکش بدہن پہلے مشرک وکفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے نبی ہوئے۔ میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ اوراق جس سے ان عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور ناز کرتا ہوں۔ کہ میری عزّت و آبرو زبان وقلم عظمتِ انبیاء کیلئے ڈھال بنے سیدنا حسّان نے کیا خوب فرمایا ہے فلان ابی ووالدتی وعرضی ؞ لعرض محمدٍ منکم وقاءٗ

یہ رسالہ بہت ہوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جاء الحق کے دوسرے ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرماکر نافع خلائق بنائے۔ اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں:-

مقدمہ

گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک، کفر، کبائر، صغائر۔ پھر صغائر دو قسم کے۔ بعض وہ جو دناءت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے چوری، کم تولنا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عمداً اور سہواً۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہورِ نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد۔ انبیائے کرام شرک، کفر، بدعقیدگی، گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہ تعالیٰ معصوم ہیں۔ کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمداً سہواً ایک آن کے لئے بھی بدعقیدہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ عارف اللہ پیدا ہوتے ہیں۔ مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی۔ کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے فرمایا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔ نیز فرمایا وَاَوْصَانِیْ

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ یعنی مجھے تاحین حیات، نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا اور اپنی والدہ سے سلوک کرنے والا بھی ہوں + اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے ہیں۔ اور حکمت عملی، تہذیب، اخلاق وتدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں + حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی۔ کہ سبحان اللہ آفتاب وچاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدلنے کو ان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا هٰذَا رَبِّيْ اے کافرو کیا رب میرا یہ ہوسکتا ہے ؟ اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بچپن شریف کی اس سادی گفتگو پاک پر بو علی سینا اور فارابی کو ساری منطق قربان اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں العالم متغیر و کل متغیر حادث لٰہذا العالم حادث پھر یوں کہتے ہیں کہ العالم حادث ولا شئ من الحادث بمعبود فالعالم لیس بمعبود اس طرز استدلال کو رب نے پسندیدگی کی سند بخش کر فرمایا وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ + حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرکر امت کی شفاعت فرمائی (مدارج ومواہب) معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن شریف میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر ارسطو وفلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے فرمایا مَا خَلَقْنَا لِهٰذَا ہم اس لئے پیدا نہیں ہوئے + رب نے اس کی تائید یوں فرمائی۔ کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ خود فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب وگل میں جلوہ گر تھے + تفسیرات احمدیہ میں لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں انهم معصومون عن الكفر قبل الوحی وبعدہ باجماع انبیاء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں + اس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں ان کا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہوسکتا + رہے گناہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام ارادۂ گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کرسکتے ہیں اور نہ اس کے

بعد + ہاں نسیاناً خطاءً صادر ہو سکتے ہیں۔ مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں + گناہ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دنائت اور چھچھورے پن پر دلالت کریں اور وہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں + یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل اُن امور میں ہے جن کا تبلیغ سے تعلق نہیں۔ رہے احکام تبلیغیہ ان میں کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو نہ خطاءً + یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لئے ہے کہ اُن سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اُمت کا اجماع ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہورِ نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے کوئی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیراتِ احمدیہ میں آیت لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے لَاخِلَافَ لِاَحَدٍ فِیْ اَنَّ نَبِیَّنَا علیہ السلام لَمْ یَرْتَکِبْ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً طَرْفَۃَ عَیْنٍ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَہٗ کَمَا ذَکَرَہٗ ابو حنیفہ فی الفقہ الاکبر تفسیر روح البیان آیت مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ کی تفسیر میں ہے یَدُلُّ عَلَیْہِ اَنَّہٗ علیہ السلام قِیْلَ لَہٗ ھَلْ عَبَدْتَّ وَثَنًا قَطُّ قَالَ لَا قِیْلَ ھَلْ شَرِبْتَ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا فَمَا زِلْتُ اَعْرِفُ اَنَّ الَّذِیْ ھُمْ عَلَیْہِ کُفْرٌ یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بُت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں۔ کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں۔ ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔

پہلا باب
عصمتِ انبیاء کا ثبوت

عصمتِ انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع اُمت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہ ہی کرے گا جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں:-

قرآنی آیات (۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں (۲) شیطان نے خود بھی اقرار دیا تھا کہ وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ کہ اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کر دونگا سوا تیرے

خاص بندوں سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں۔ اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کر سکے۔ اور نہ بے راہ چلا سکے۔ پھر اُن سے گناہ کیونکر سرزد ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر اُن کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے۔ مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں (۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ہم گروہ انبیاء کے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں (۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خود کرنے لگوں + معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے (۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس بُرائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو بُرائی کا حکم کرتے ہیں۔ سوا اُن نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس اُنہیں فریب دیتے ہی نہیں (۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ جس سے معلوم ہوا۔ کہ انبیاء کرام سارے جہان سے افضل ہیں اور جہان میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ اُن سے بڑھ جائیں (۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ہمارا عہد نبوّت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملیگا + معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں + قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا قَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن مَیں رب العلمین کا رسول ہوں + لٰكِنِّیْ سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی۔ نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث (۱) مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہوگیا لہٰذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے (۲) اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقتِ ولادت شیطان مارتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ سکا + معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی وسوسہ سے بھی محفوظ ہیں (۳) مشکوٰۃ

کتاب الغسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا۔ کہ اس میں شیطانی اثر ہے۔ بلکہ اُن کی بیبیاں بھی احتلام سے پاک ہیں (۴) انبیائے کرام کو جنباٸی نہیں آتی۔ کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اُس وقت لاحول پڑھتے ہیں (۵) مشکوٰۃ شریف باب علاماتِ نبوت میں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اُس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصّہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے۔ اور پھر اُسے ماءِ زمزم سے دھو دیا گیا (۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گذرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن پر پیغمبر کی نظر کرم ہو جائے۔ وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں۔ پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوالِ علماءِ اُمت:۔ ہمیشہ سے اُمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصمتِ انبیاء پر اجماع رہا سوا فرقہ ملعونہ حشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی، شرح فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ تفسیر روح البیان آیت مَاكُنْتَ تَدْرِی مَا الْكِتٰبُ الآیہ کی تفسیر میں ہے فَاِنَّ اَهْلَ الْوُصُوْلِ اِجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنَّ الرُّسُلَ علیہم السلام کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ قَبْلَ الْوَحْیِ مَعْصُوْمِیْنَ مِنَ الْكَبَائِرِ وَمِنَ الصَّغَائِرِ الموجبۃ لِنَفْرَۃِ النَّاسِ عَنْهُمْ قَبْلَ الْبِعْثَۃِ وَبَعْدَهَا فَضْلًا عَنِ الْكُفْرِ یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان صغائر سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بھی چہ جائیکہ کفر۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَهٗ بِالْاِجْمَاعِ وَكَذَا عَنْ تَعَمُّدِ الْكَبَائِرِ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ انبیائے کرام کفر سے وحی سے پہلے اور بعدہٗ بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔ غرضکہ اُمت مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اسکے لئے زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل:۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیائے کرام کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے (۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شیطان کے اغوا سے

اور ہم پہلے ثابت کر چکے کہ انبیائے کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز اُن کے نفوس پاک ہیں۔ اور وہ شیطانی اغوا سے محفوظ ہیں۔ جب یہ تینوں وجہیں نہیں۔ تو اب اُن سے کفر اور فسق کیونکر سرزد ہو (۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے۔ اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں (۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہر حال اُن کی فرماں برداری کی جائے۔ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو اُن کی اطاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی۔ اور یہ اجماع ضدین ہے (۴) فاسق کی بات بلا تحقیق نہ ماننی چاہئے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اور نبی کی ہر بات بلا تحقیق ماننی فرض ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَہُمُ الْخِیَرَۃُ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو اُن کی بات بلا تحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ ماننا بھی۔ اور یہ اجماع نقیضین ہے (۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے۔ اسی لئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے۔ اور نیک کار سے رحمان خوش۔ اسی لئے وہ حزب اللہ میں سے ہے اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گنہگار ہوں۔ تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گے اور یہ ناممکن ہے (۶) فاسق سے متقی افضل۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ اگر نبی کسی وقت گناہ کریں۔ اور اس وقت اُن کا امتی نیکی کر رہا ہو تو لازم آوے گا کہ اُمتی اس گھڑی نبی سے افضل ہو۔ اور یہ باطل ہے۔ کوئی اُمتی ایک آن کے لئے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا (۷) بدعقیدہ کی تعظیم حرام ہے۔ حدیث میں ہے مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَۃٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی ہَدْمِ الْاِسْلَامِ جس نے بدعقیدہ کی تعظیم کی اُس نے سلام ڈھانے پر مدد دی۔ اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ اگر نبی ایک آن کے لئے بے دین ہوں تو انکی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی (۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلہ سے ہے۔ رب فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّہُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَہُمْ جَآءُوْکَ الآیۃ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہِ مصطفوی میں حاضر ہو کر اُن کے وسیلہ سے استغفار کرنے دعوت دی گئی۔ اگر خاکش بدہن آپ کا دامنِ عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا؟ اور کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی۔ جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو۔ ضروری ہے کہ وہ خود جرموں سے پاک ہو۔ اگر وہ بھی گنہگار ہو۔ تو پھر ترجیح بلا مرجح کا سوال پیدا ہوگا (۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے۔ موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے۔ سنہری زیورات کا

بکس بھی قیمتی۔ دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے۔ تو چاہئے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ ہی اُن نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں (۱۰) فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیائے کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی۔ حالانکہ اُن کا ہر قول صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے + حضرت ابوخزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت جنّت و دوزخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سُن کر ایمان لے آئے۔ تو اس زبان سے سُن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے اونٹ خرید لیا ہے۔ جس کے انعام میں اُن ایک کی گواہی دو کے برابر کر دی +

دوسرا باب

عصمتِ انبیاء پر اعتراضات و جوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کئے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اُٹھ جائیں گے۔ وہ یہ کہ عصمتِ انبیاء قطعی و اجماعی مسئلہ ہے۔ وہ احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور یا احاد ہیں وہ سب مردود کوئی بھی قابل اعتبار نہیں اگرچہ صحیح ہی ہوں + تفسیر کبیر سورۂ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلافِ عصمتِ انبیاء ہوں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے اُن حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں کہ اُن کے ظاہری معنی مراد نہ ہونگے یا کہا جائیگا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے + تفسیرات احمدیہ شریف آیت لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر میں ہے وَاِذَا تَقَرَّرَ هٰذَا فَمَا نُقِلَ عَنِ الْاَنْبِيَاءِ مِمَّا يُشْعِرُ بِكِذْبٍ اَوْ مَعْصِيَةٍ فَمَا كَانَ مَنْقُوْلًا بِطَرِيْقِ الْاٰحَادِ فَمَرْدُوْدٌ وَمَا كَانَ مَنْقُوْلًا بِطَرِيْقِ التَّوَاتُرِ فَمَصْرُوْفٌ عَنْ ظَاهِرِهٖ اِنْ اَمْكَنَ وَاِلَّا فَمَحْمُوْلٌ عَلٰى تَرْكِ الْاَوْلٰى اَوْ كَوْنِهٖ قَبْلَ الْبِعْثَةِ بلکہ مدارج النبوۃ شریف جلد اوّل باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آیتیں متشابہات

کی مثل ہیں جن میں خاموشی لازم۔ دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اور اجماعی ہے۔ مگر بعض آیتیں ظاہری معنی کے لحاظ سے اسکے بالکل خلاف ہیں۔ رب فرماتا ہے یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں۔ رب انہیں فرماتا ہے مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے فرمایا ہے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے۔ فرماتا ہے يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ انکے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری مکر اور دھوکہ سے پاک و منزہ ہے۔ اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہے لہٰذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے۔ بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کئے جائیں۔ جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے+ یہ ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دیگا۔ مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کئے دیتے ہیں:-

(۱) ابلیس نے بھی سجدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر یہ ہی جرم کیا۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی۔ کہ اُسے فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت سے خارج کر دیا گیا۔ جرم و سزا میں دونوں برابر ہوئے۔ بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی ابلیس نے یہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے (ملحد شحنہ شریعت کانپور)+

جواب۔ شیطان سجدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزا یاب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں نہ گنہگار تھے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی۔ کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو غلط سمجھ کر اُسکے بالمقابل گفتگو کرنے کی ہمت کی کہ بولا خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ گویا یہ زمین اس کے لئے کالے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی۔ کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار اور لاحول کے کوڑے کھاتا پھرے+ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا۔ کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کہیں فرمایا فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ کہیں فرمایا فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ غرضکہ اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے

متعلق فرمایا کہ وہ دھوکہ کھا گئے۔ اُن سے خطا ہو گئی۔ دھوکہ یہ ہوا کہ اُن سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اِس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے آپ وہاں نہ جائیے میں لا دیتا ہوں۔ آپ کھا لیجئے۔ اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپ کا خیر خواہ۔ آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ یا لَا تَقْرَبَا ممانعت تنزیہی سمجھے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو۔ یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زمین ہی کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا کہ فرمایا تھا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً جنت میں تو کچھ روز اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں۔ گویا وہ جگہ اُن کے ٹریننگ کی تھی۔ کسی کو ٹریننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ اُن کو رُلا کر اس لئے بھیجا گیا۔ کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ وزاری ساری عبادتیں کی تھیں۔ دردِ دل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا۔ جنّت کا بہانہ تھا درحقیقت اپنے عشق میں رُلانا تھا۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔

دردِ دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو ٭ ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّبیاں
اے خیالِ یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا ٭ تُو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا

یہ راز وہ سمجھے جو لذتِ عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج منہا اور یہاں فرمایا گیا اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا جس میں بتایا کہ تم عرصہ کے لئے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کروڑہا اولاد کے ساتھ واپس یہیں آؤ گے یعنی دو جا رہے ہو اور کروڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنّت سے نہ نکالا بلکہ ہم نے اُنہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیونکہ اُن کی پشت شریف میں کفار فساق سب ہی کی روحیں تھیں جو کہ جنّت کے قابل نہ تھے حکم ہوا کہ اے آدم نیچے جا کر اِن خبثا کو چھوڑ آؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہ ہی ہے (مرقات، باب الایمان بالقدر وروح البیان آیت فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ)۔

(۲) شیطان کا زمین میں آنا پردیس میں آنا ہے۔ مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اور اُن کا جسم چونکہ زمین پر اور مٹی سے بنا لہٰذا زمین اُن کا وطنِ جسم ہوئی اور عالم ارواح۔ گویا وطنِ روح ہے اور وطنِ روح سے وطنِ جسم کی طرف آئے۔ جو انسان مرکر

جنّت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطنِ جسم سے وطنِ روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے لہٰذا زمین اُس کے لئے پردیس ہُوا ؀

(۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا۔ تو یہاں اُنھیں خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ اُن کے سر پر تاجِ نبوت نہ رکھا جاتا۔ اُن کی اولاد میں اولیاء و انبیاء خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ فرمائے جاتے ملزم کو معافی دے کر قید سے نکال لیتے ہیں۔ شاہی محل میں لاکر پھر اُس پر انعامات کی بارش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی ظاہری خطا چھوٹوں کے لئے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اُس خطائے اوّل کا ہی صدقہ ہیں۔ لطف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کیلئے دانہ گندم کھانا خطا قرار دیا گیا۔ اور اُن کی اولاد کے لئے وہ ہی غذا تجویز ہوئی ؀

(۴) حضرت آدم و حوّا نے اپنے ایک بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے اسکو قرآن کریم نے فرمایا فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ جس سے معلوم ہُوا۔ کہ آدم علیہ السلام کا یہ کام شرک تھا۔ ثابت ہُوا کہ پیغمبر شرک بھی کر لیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم و حوّا مراد ہیں ؀

جواب۔ آدم علیہ السلام اس قسم کے عیب سے بالکل پاک ہیں۔ معترض نے اس آیت سے دھوکا دیا۔ بہت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ جَعَلَا کا فاعل قصی اور اس کی بیوی ہے۔ کیونکہ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کے معنٰی یہ ہیں۔ کہ اے قریش رب نے تمہیں ایک جان یعنی قصی سے پیدا فرمایا۔ اور اس قصی کی بیوی اُس کی جنس سے بنائی۔ قصی نے یہ غضب کیا کہ اپنے رب سے دعائیں کر کے بیٹا مانگا تھا۔ اور اسکا نام عبد الحارث رکھ دیا (تفسیر خزائن عرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں۔ اور بعض نے فرمایا کہ جَعَلَ میں مضاف پوشیدہ ہے اور اسکا فاعل اولادِ آدم و حوّا ہی ہیں یعنی آدم و حوّا کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا۔ (دیکھو روح البیان و مدارک وغیرہ) اِسی لئے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہُوا فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اگر یہ فعل حضرت آدم و حوّا کا ہوتا تو يُشْرِكَانِ تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا۔ نیز ایک معمولی سی خطاء یعنی گندم کھا لینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہئے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا۔ مگر بالکل نہ ہُوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبرِ واحد ہے اور عصمتِ پیغمبر یقینی و قطعی ؀

(۳) رب تعالیٰ فرماتا ہے فَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى، آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے۔ اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوئے ÷

جواب۔ یہاں مجازاً خطا کو عصیاں فرمایا گیا اور غوٰی کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا ہیں یعنی حیات دائمی کے لئے گندم کھایا تھا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت۔ جب رب نے اُن کے بھول جانے کا بار بار اعلان فرمایا تو عصٰی سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں تعارض پیدا کرنا ہے ÷

(۴) ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا هٰذَا رَبِّیْ اور یہ صریحی شرک ہے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی ÷

جواب۔ اس کا جواب مقدمہ میں گذرا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے۔ پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ پھر ستارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ اِس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد ستاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہئے تھا ÷

(۵) ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ (قرآن) میں بیمار ہوں ۲ خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا اس اس بڑے بت نے یہ کام کیا ۳ اپنی بیوی حضرت سارہ کو فرمایا هٰذِهٖ اُخْتِیْ یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں ÷

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالتِ مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتّٰی کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے۔ وہاں یا تو خطرۂ جان تھا یا خطرۂ عصمت تھا وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرۂ جان تھا۔ اس لئے یہ فرمایا (روح البیان آیت بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ لہٰذا یہ فعل گناہ نہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ ان

میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنیٰ مراد لئے گئے ہیں جسے توریہ کہتے ہیں توریہ ضرورۃً جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائے گی۔ دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دونگا۔ ایک صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے، وغیرہ (مشکوٰۃ باب المزاح) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے بشکل مدعی مدعیٰ علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ هٰذَا اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں۔ یہاں بھائی اور بکریوں سے مجازی معنیٰ مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمایا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ اس کے معنیٰ ہیں میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ یا سقیم ولی بیماری یعنی ناراضی درنج مراد ہے۔ یعنی مرادل تم سے ناراض ہے۔ اسی طرح بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ میں کبیر سے رب تعالیٰ مراد ہے اور هٰذَا سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو۔ بتی کا کام رب کا ہی کام ہے وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا فَعَلَهٗ شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ الایۃ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ الایۃ جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

(۶) داؤد علیہ السلام نے پرائی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورۂ ص میں ہے اور یہ فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب۔ مؤرخین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں بہت کچھ زیادتی کر دی ہے اور جو کچھ احادیث احادیث میں ہے وہ بھی نامعقول۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قصے کہانیوں کی طرح بیان کرے گا میں اسے ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت

کی سزا ۸۰ کوڑے ہیں اُس کو دُگنے لگیں گے روح البیان سورۃ صٓ قصہ داؤد ؛ واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اُسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اُس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا + چنانچہ تفسیرات احمدیہ آیت لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے وَعَنْ دَاوٗدَ بِکَوْنِهٖ اِقْدَامًا عَلَی الْفِعْلِ الْمَشْرُوْعِ وَهُوَ نِکَاحُ الْمَخْطُوْبَةِ لِاُوْرِیَا لَا لِنَظْرَةِ مَنْکُوْحَتِهٖ مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے اُن کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو ایک ذہنی مقدمہ لیکر بھیجا اور اُنہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کرا کر اشارۃً سمجھا دیا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔ اور انبیاء کا رب تعالیٰ کے ہاں کتنا احترام کہ نہایت عمدہ طریقہ سے اُنہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو اُن کی یہ عظمت فرمائے اور یہ بے دین اُن حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائیں۔ خدا کی پناہ ؛

(۷) یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا۔ جیسے رب فرماتا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور اُنہوں نے زلیخا کا ارادہ کر لیا اگر اپنے رب کی بُرھان نہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو یہ کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا ؟

جواب۔ یوسف علیہ السلام ارادۂ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا تھا وہ کافر ہے + روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے فَمَنْ نَسَبَ اِلَی الْاَنْبِیَآءِ الْفَوَاحِشَ کَالْعَزْمِ عَلَی الزِّنَاءِ وَنَحْوِهِ الَّذِیْ یَقُوْلُهُ الْحَشْوِیَّةُ کَفَرَ لِاَنَّهٗ شَتْمٌ لَهُمْ کَذَا فِی الْقُنْیَةِ رہا تمہارا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ پر وقف کر دو اور هَمَّ بِهَا سے علیحدہ آیت شروع ہو۔ معنیٰ یہ ہوئے کہ بیشک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کر لیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا یہ معنیٰ نقلاً وعقلاً ہر طرح صحیح ہیں + خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے وَلَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا۔ مدارک شریف میں ہے کہ وَمِنْ حق القاری اِذَا قَدَّرَ خُرُوْجَهٗ مِنْ حکم القسم وَجَعَلَهٗ کَلَامًا بِرَاْسِهٖ اَنْ یَّقِفَ عَلٰی بِهٖ ویبتدی بِقَوْلِهٖ وَهَمَّ بِهَا قاری کو چاہیے کہ بہٖ پر وقف کرے اور هَمَّ بِهَا سے آیت شروع کرے اور یہ ہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس مقام پر زلیخا کی تو تیاریاں

بیان فرمائیں وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ کہ اُس نے آپ کو ہر طرح راغب کرنیکی کوشش بھی کی اور بلایا بھی دروازہ بھی بند کر دیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری نفرت وعصمت کا بھی ذکر فرمایا قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ خدا کی پناہ وہ میرا مربی ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں۔ ایسی حرکت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔ اور پھر فرمایا كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ فحشاء سے زنا اور سُوء سے ارادہ زنا مراد ہے۔ معلوم ہُوا کہ رب نے ارادہ زنا سے بھی اُن کو محفوظ رکھا۔ آخر کار زلیخا نے بھی یہ ہی کہا کہ اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ کہ مَیں نے ہی انہیں رغبت کی کوشش کی تھی۔ وہ تو سچے ہیں۔ بلکہ شیر خوار بچّے سے بھی اُن کی پاکدامنی اور زلیخا کی خطاکاری کی گواہی دلوا دی۔ کہ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا عزیز مصر نے بھی یہ ہی کہا يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ اے زلیخا تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطاکار ہو دیکھو شیر خوار بچے عزیز مصر خود زلیخا بلکہ خود رب تعالیٰ نے اُن کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زلیخا کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کر لیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے۔ اور یہ گواہیاں غلط ہو جاتیں۔ ہاں صرف یہ ہوتا کہ زلیخا نے جرم کی ابتدا کی مگر بعد میں آپ بھی شریک ہو گئے۔ نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو اُن کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیر مدارک میں ہے وَلِاَنَّهٗ لَوْ وُجِدَ مِنْهُ ذٰلِكَ لَذُكِرَتْ تَوْبَتُهٗ وَاِسْتِغْفَارُهٗ۔

غرضکہ اس آیت کے یہ معنیٰ کرنا بہت بہتر ہیں کہ وہ بھی ارادہ کر لیتے۔ اگر رب کی برہان نہ دیکھتے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا لَوْلَا کا جواب اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (کبیر آیت وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ) دوسری تفسیر یہ ہے کہ بِهٖ پر وقف نہ کرو بلکہ یہانتک ایک ہی جملہ مانو۔ اور آیت کے معنیٰ یہ ہوں کہ بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور اُنھوں نے زلیخا کا ھَمّ کر لیا۔ لیکن اب ان دونوں ھَمّوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ هَمَّتْ بِهٖ میں ھَمّ کے معنیٰ ارادہ زنا ہیں اور ھَمَّ بِهَا میں اس کے معنیٰ ہیں قلب کی غیر اختیاری رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے تو یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا۔ اور اُن کے دل میں رغبت غیر اختیاری پیدا ہوئی۔ جو کہ نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اُس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اُس کے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا۔ صرف ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اگر دونوں ھَمّوں کے

ایک ہی معنیٰ ہوتے۔ تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا بلکہ وَلَقَدْ هَمَّا تثنیہ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کر لیا۔ دیکھو مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ کہ یہاں پہلے مکر کے معنیٰ ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے قَالَ الْاِمَامُ فخر الدّین اِنَّ يُوْسُفَ علیه السلام كَانَ بَرِيْئًا مِّنَ الْعَمَلِ الْبَاطِلِ وَالْهَمِّ الْمُحَرَّمِ خیال رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو زنا کی تہمت نہ لگائی بلکہ ارادہ زنا کی۔ کہا قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے۔ اُسکی سزا جیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی۔ کہ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ بدکاری کا ارادہ اِسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار بچہ نے بھی کی۔ اور اسکی تردید خود عزیز مصر نے قمیص مبارک پھٹی ہوئی دیکھ کر کی۔ کہا اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اور اُسکی تردید مصری عورتوں نے بھی کی۔ اور اُسکی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کرکے اپنا جرم قبول کر لیا اب اگر هَمَّ بِهَا کے یہ معنیٰ ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی۔ اور ان سب حضرات کی تردید۔ اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے۔ یہ تقریر بہت خیال میں رہے انشاء اللہ کام آئے گی۔

(۸) موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا۔ اور فرمایا هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہ یہ شیطانی کام ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا۔ جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب۔ آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قبطی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھوڑانا تھا۔ جب قبطی نے نہ چھوڑا۔ آپ نے ہٹانے کے لئے چپت لگادی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کر سکا مر گیا۔ تو یہ قتل خطاء ہوا اور انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے۔ نیز یہ واقعہ عطائے نبوت سے پہلے کا ہے۔ روح البیان میں ہے كَانَ هٰذَا قَبْلَ النُّبُوَّةِ نیز وہ قبطی کافر حربی تھا جس کا قتل جرم نہیں۔ آپ نے تو ایک ہی قبطی کو مارا۔ کچھ دنوں بعد تو سارے ہی قبطی غرق کر دیئے گئے۔ رہا اس عمل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسر نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے۔ کہ خلافِ اولیٰ کام کو بھی اپنی خطا سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا۔ جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاکت ہوتا فَغَفَرَ لَهٗ اور ظَلَمْتُ نَفْسِيْ سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں۔

(۹) رب تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى معلوم ہوا

کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی ؛

جواب ۔ یہاں جو کوئی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے رب فرماتا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے ۔ یہاں ضال کے معنی وارفتہ محبت الٰہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے ۔ یعنی رب نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار اور وارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا ۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ یا اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یہاں ضلّ بمعنی وارفتگی محبت ہیں ۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا ۔ کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے لگے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اے محبوب ۔ ہدایت دینے والا بلند و بالا درخت رب نے تمہیں کو پایا کہ جو عرش عرش ہر جگہ سے نظر آئے لہٰذا تمہارے ذریعہ سب کو ہدایت دے دی یعنی ھدیٰ کا مفعول عام لوگ ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی اُسکے بہت سے معنیٰ کئے گئے ہیں ؛

(۱۰) رب فرماتا ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ یعنی تاکہ رب تعالےٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے ۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے ۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے لیئے دعائے مغفرت کرتے تھے ۔ اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی ؟

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں ۔ ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہوں سے محفوظ رکھے ۔ روح البیان میں ہے المراد بالمغفرۃ الحفظ والعصمۃ ازلًا وابدًا ۔ فیکون المعنی یَسْتَحْفِظُكَ وَيَعْصِمُكَ مِنَ الذنب المتقدم والمتاخر دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت کی پہلے کی خطائیں مراد ہیں ۔ تیسرے یہ کہ ذنبک میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی اُمّت کے گناہ جیسا کہ لَكَ فرمانے سے معلوم ہوا ۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری اُمت کے گناہ معاف کئے ۔ اگر آپ کے گناہ مراد ہوتے تو لَكَ سے کیا فائدہ ہوتا (روح البیان و خازن) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا الآیۃ ۔ کبھی گناہ کی نسبت گنہگار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف ۔ جیسے مقدمہ کبھی مجرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں ۔ یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے ۔ یعنی آپ کے ذمہ دارے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں ؛

(۱۱) حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنَاکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔ جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قبضہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں۔ رب فرماتا ہے لَوْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اُس کا پہلا پجاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا اُس کی پُوجا کرنا۔ ایسے ہی یہاں نہ رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا اُن کی طرف مائل ہونا ممکن + دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوم اور ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ اُن کی طرف کسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے۔ کیونکہ اُن کے مکر و فریب بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہٰذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ جھکنے کے قریب بھی نہ ہوئے + اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی۔ دیکھو خازن، مدارک، روح البیان + تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الٰہی + اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اُس کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے یعنی اگر ہم آپ کو معصوم بھی نہ بناتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں، اُن کی طرف جھکتے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے۔ اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارک پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں + اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے اِنَّمَا سَمَّاہُ قَلِیْلًا لِاَنَّ رُوْحَانِیَّۃَ النَّبِیِّ کَانَتْ فِیْ اَصْلِ الْخِلْقَۃِ غَالِبًا عَلَی الْبَشَرِیَّۃِ اِذْ لَمْ یَکُنْ حِیْنَئِذٍ لِرُوْحِہٖ شَیْءٌ یَحْجُبُہٗ عَنِ اللہِ تَعَالٰی فَالْمَعْنٰی لَوْلَا التَّثْبِیْتُ وَقُوَّۃُ النُّبُوَّۃِ وَنُوْرُ الْھِدَایَۃِ وَاَثَرُ نَظَرِ الْعِنَایَۃِ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ +

(۱۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے + معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیدائشی عارف باللہ نہیں۔ آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی +

جواب۔ اِس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت یعنی اٹکل اور قیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ الآیۃ یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے نہ کہ محض اٹکل وقیاس + دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہو رہا۔ بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اُس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی نبی تھے خود فرماتے ہیں کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ ہم اُس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے + تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اِس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے اَیِ الْاِیْمَانُ بِتَفَاصِیْلِ مَا فِیْ تَضَاعِیْفِ الْکُتُبِ پھر فرماتے ہیں لِاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَفْضَلُ مِنْ یَحْیٰی وَعِیْسٰی وَقَدْ اُوْتِیَ کُلَّ الْحِکْمَۃِ وَالْعِلْمِ صَبِیًّا یعنی نبی علیہ السلام یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ اور اُنہیں تو علم و حکمت بچپن ہی میں عطا ہو گئی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ بچپن شریف میں علم سے خالی رہے ہوں ؛

(۱۳) رب فرماتا ہے فَاَزَلَّہُمَا الشَّیْطٰنُ آدم و حوا علیہم السلام کو شیطان نے پھسلا دیا معلوم ہُوا کہ شیطان کا داؤ انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان اُن تک نہیں پہنچ سکتا ؛

جواب۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان اُنہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ اُن سے عمداً گناہ کبیرہ کرا سکتا ہے۔ اُس نے خود کہا تھا لَاُغْوِیَنَّہُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْہُمُ الْمُخْلَصِیْنَ اور یہاں ہے فَاَزَلَّہُمَا الشَّیْطٰنُ گمراہی اور چیز ہے اور پھسلانا اور چیز ؛

(۱۴) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے حالانکہ اُنہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے۔ بے قصور بھائی کو ستانا آزاد بھائی کو بیچکر اُس کی قیمت کھانا، اپنے والد سے جھوٹ بول کر اُنہیں چالیس سال تک رُلانا غرضکہ جرموں کی انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہوئے۔ معلوم ہُوا کہ نبی کا معصوم ہونا شرط ؛

جواب۔ جمہور علماء نے اُنہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے اُن کی

نبوت کا وہم کیا ہے اسی لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیائے کرام کا نبوت سے پہلے بدعقیدگی سے پاک ہونا اجماعی مسئلہ اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریح آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں ہاں رب نے یہ فرمایا ہے یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آلِ یعقوب سے اُن کی صلبی ساری اولاد مراد۔ رب نے مسلمانوں سے فرمایا وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ۔ بعضوں نے کہا ہے۔ کہ رب فرماتا ہے وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اسباط یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحب وحی تھے۔ مگر یہ بھی کمزور سی بات ہے کیونکہ نہ تو اُنْزِلَ میں بلاواسطہ وحی آنے کا بیان ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط اُن کے بیٹوں ہی کا لقب ہے۔ رب فرماتا ہے قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ الآیۃ یہاں اُنْزِلَ اِلَيْنَا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے اور واقعی اُن میں انبیاء آتے رہے۔ رب فرماتا ہے وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا تفسیر روح المعانی میں اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کی تفسیر میں ہے۔ فالذی علیہ الاکثرون سلفاً وخلفاً انہم لم یکونوا انبیاء اصلاً فلم ینقل من الصحابۃ انہ قال بنبوتہم اسی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد اولیاء اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل دیکھا کیونکہ وہ صحابی نبی تھے۔ حضور فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم نیز اُن کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کیلئے تھے۔ پھر انہوں نے اُن سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کر لی اور ان دونوں حضرات نے اُن کے لئے دعائے مغفرت کی۔ لہذا یہ مغفور ہوئے۔ اُن کی شان میں گستاخی کرنا سخت محرومی کی علامت ہے۔ قابیل نے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ السلام سے معافی بھی حاصل نہ کر سکا لہذا وہ بے ایمان رہا اور یہ ایماندار ہوئے۔

(۱۵) قرآن کریم سے ثابت ہے کہ زلیخا نے ارادہ زنا کیا جو کہ سخت جرم ہے۔ اور تم کہہ چکے ہو۔ کہ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوتی۔ تو زلیخا یوسف علیہ السلام کی بیوی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار

تھی۔ لہٰذا یا تو مانو کہ ان کا نکاح نہیں ہوا یا یہ قاعدہ غلط ہے۔

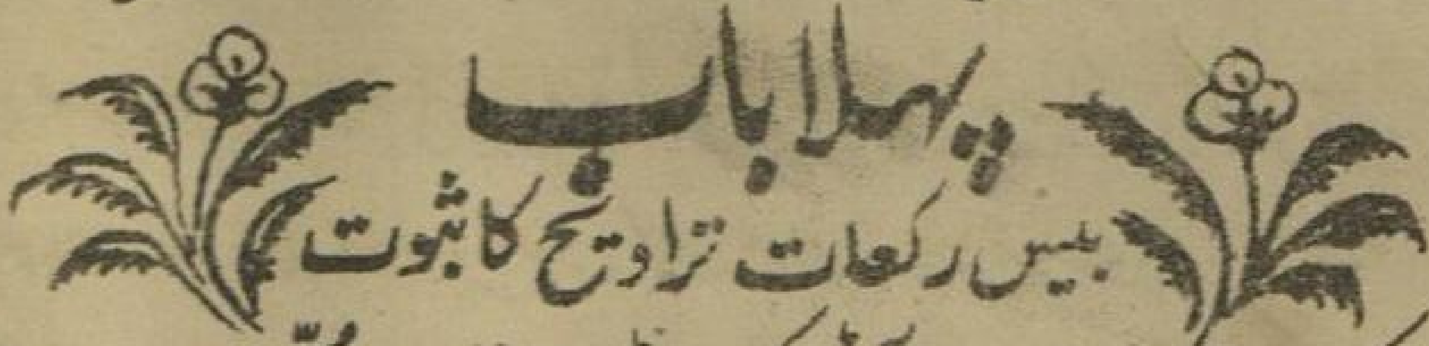
نوٹ:۔ گجرات کے بعض جاہل دیوبندیوں نے حضرت زلیخا کے زوجۂ یوسف علیہ السلام ہونے کا انکار کیا۔ اور ان کی شان میں سخت گندے الفاظ بکے۔ اُنہیں یہ اعتراض ہے۔

جواب۔ حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی زوجہ اور قابل احترام بیوی ہیں ان کا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنا عام تفاسیر سے ثابت ہے۔ انہیں سے یوسف علیہ السلام کے دو فرزند پیدا ہوئے۔ افرائیم اور میشا۔ تفسیر خازن، تفسیر کبیر، مدارک، معالم التنزیل وغیرہ میں اِس کی تصریح ہے۔ آپ نہ تو فاحشہ تھیں نہ آپ سے زنا جیسا گناہ کبھی صادر ہوا۔ یوسف علیہ السلام سے ارادہ جماع بیخودی، عشق کی حالت میں ہو گیا۔ جمالِ یوسفی نے اُنہیں وارفتہ و دیوانہ بنا دیا۔ اس والہانہ حالت میں یہ ارادہ کر بیٹھیں جب مصری عورتوں نے اسی جمال سے بیخود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ تو اگر حضرت زلیخا نے اس حُسن پر فریفتہ ہو کر دامنِ صبر چاک کر دیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ بھی کر لی + یہ بھی خیال رہے کہ زلیخا نے صرف یوسف علیہ السلام سے ہی رغبت کی نہ کسی دوسرے سے اور رب نے اُنہیں ہر طرح محفوظ رکھا + ہم نے انبیاء کی بیویوں کو زنا اور فحش سے محفوظ مانا ہے نہ کہ معصوم + حضرت زلیخا نے یہ گناہ کر کے توبہ کر لی۔ کہ عرض کیا اَلْاٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ زلیخا نے اپنی خطا کا اقرار کیا۔ اور اقرار جرم توبہ ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے زلیخا کی خطا کا ذکر تو فرما دیا مگر اُن پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ اُن کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب اُن کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت بُرا ہے۔ اُن سے زنا یا فحش کبھی صادر نہیں ہوا۔ نہ معلوم دیوبندیوں کی کس شیطان نے عقل ماردی۔ کہ ان کا حملہ ہمیشہ انبیائے کرام کے عزت و آبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت ہیں اُن کی توہین اُس باکمال پیغمبر کی توہین ہے۔ رب تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔

خاتمہ:۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیاء کا رب ہے اور انبیائے کرام اُس کے پیارے بندے وہ جس طرح چاہے اُن کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیازمندی اور بندگی کا اظہار کریں۔ ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ اُن کی لغزشوں کو بیان کرتے پھریں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر لیں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو اُن کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا

دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں بظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زرخرید ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسی داغ کو ان کے دامن سے مٹانے کے لئے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی۔ پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر غلہ خریدا۔ دوسرے سال زیور وجواہرات دیگر تیسرے سال جانور اور چوپائے دیگر چوتھے سال اپنے غلام باندیاں دیگر پانچویں سال اپنے مکانات وزمین دیگر چھٹے سال اپنی اولاد دیگر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے ان پر احسان فرمایا کہ سب کو آزاد کیا اور ان کا سارا مال متاع جانور جائیداد وغیرہ واپس فرما دی۔ دیکھو تفسیر خازن ومدارک وروح البیان وغیرہ۔ یہ کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کیلئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جا سکتا ہے + حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورۂ عَبَسَ پڑھتا تھا آپ کو پتہ لگا تو اُسے قتل کرا دیا۔ دیکھو روح البیان تفسیر سورۂ عَبَسَ + اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری کتاب شانِ الرحمٰن میں دیکھو۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے۔ رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس بکنے کی جرأت پیدا کر دی وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا ومولٰنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

لمعات المصابیح علیٰ رکعات التراویح



پہلا باب

بیس رکعات تراویح کا ثبوت

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلافِ سُنّت ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب واحادیث صحیحہ واقوالِ علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں (۱) قرآن پاک میں سورتیں بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ صورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ جملہ جس کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں

کیونکہ سورت کے معنیٰ احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنیٰ ہیں نشانی۔ سورۃ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوتی ہے جیسے شہر کو شہر پناہ (سور البلد) اور آیت قدرت الٰہی کی نشانی ہے۔ اس لئے ان کے یہ نام ہوئے مگر رکوع کے معنے ہیں جھکنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قرأۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اس حصہ کا نام رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام کہ اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴۰ رکوع ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ختم کے دن بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھ لی جاتی تھیں اس لئے قرآن کریم کے ۵۵۰ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہئے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح بیس رکعت چاہئیں۔ کیا کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے؟

(۲) تراویح جمع ترویحہ کی ہے جس کے معنیٰ ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویحہ ہے۔ اسی لئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے۔ یعنی راحتوں کا مجموعہ۔ اور تراویح جمع ہے۔ جمع کم سے کم تین پر بولی جاتی ہے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو تو اس کے درمیان میں ایک ہی ترویحہ آتا۔ پھر اس نام تراویح نہ ہوتا۔ تین ترویحوں کے لئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہئیں۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویحہ ہو اور وتر سے پہلے کوئی ترویحہ نہیں ہوتا تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے۔

(۳) ہر دن میں بیس رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار ظہر میں چار عصر میں، تین مغرب میں اور چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعات کی تکمیل کے لئے بیس رکعت تراویح اور مقرر فرما دیں۔ جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے۔ غیر مقلد شاید نماز پنجگانہ میں بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہونگے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو اُن بیس رکعت سے کیا نسبت۔

(۴) احادیث۔ خیال رہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت پابندی سے ادا نہ فرمائی۔ صرف دو دن ادا کیں اور بعد میں فرمادیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جس سے میری اُمت کو دشواری ہوگی۔ لہٰذا تم لوگ اپنے گھر میں ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض تو

کہتے ہیں کہ یہ نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اہتمام سے ادا کرائی گئی۔ اسی لئے صحابہ کرام سحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوئے۔ زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور باقاعدہ جماعت کا انتظام کیا لہٰذا صحیح یہ ہے کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر اس کی پابندی جماعت بیس رکعات سنت فاروقی۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحتاً کہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہٰذا صحابہ کرام کا بیس پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ لہٰذا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں۔ غیر مقلدوں کو چاہیئے کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہوں۔ انشاء اللہ نہ کرسکیں گے۔ ہماری احادیث ملاحظہ ہوں:-

(۱) حضرت عمر رضی اللہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا۔ اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قال کنا نقوم فی عھد عمر بعشرین رکعۃ رواہ البیھقی فی المعرفۃ باسناد صحیح

(۲) ابن منیع میں حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی فصلی بھم عشرین رکعۃ۔

(۳) بیہقی میں ہے عن ابی الحسنات ان علی ابن ابی طالب امر رجلاً یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔

(۴) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں اور بیہقی و عبد ابن حمید و بغوی نے روایت کی عن ابن عباس ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۵) بیہقی میں ہے وعن شیرمۃ ابن شکل وکان من اصحاب علی انہ کان یومھم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعات۔

(۶) اسی بیہقی میں ہے وعن ابی عبد الرحمٰن السلمی ان علیًّا دعی القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی الناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بھم۔

(۷) اسی بیہقی نے باسناد صحیح نقل فرمایا عن السائب ابن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ اس کی تحقیق کے لئے صحیح البخاری باب لم یقرانی التزویج دیکھو۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اور عہد فاروقی میں تو اس بیس رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی ابی ابن کعب و عمر سائب ابن یزید وغیرہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ ہی معمول تھا۔

اقوال علماء اُمّت (۱) ترمذی شریف ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شہر رمضان میں ہے واکثر اہل العلم علی ماروی عن علی و عمر و غیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی ھکذا ادرکت ببلد بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ یعنی اکثر اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی بیس رکعت یہ ہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے اور امام شافعی نے فرمایا ہم نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہ ہی عمل پایا کہ مسلمان بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔

(۲) فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے روی محمد ابن نصر من طریق عطاء قال ادرکتہم یصلون عشرین رکعۃً وثلث رکعات الوتر وفی للباب۔ اثار کثیرۃ اخرجہا ابن ابی شیبۃ وغیرہ و قال ابن قدمہ وھذا کالاجماع اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت پر گویا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا۔

(۳) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۰۷ میں ہے وروی الحارث ابن عبد الرحمٰن ابن ابی ذباب عن السائب ابن یزید قال کان القیام علی عہد عمر بثلث وعشرین رکعۃ قال ابن عبد اللہ ھذا محمول علی ان الثلث للوتر اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بیس تراویح اور تین وتر پر عمل تھا۔

(۴) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے کان عبد اللہ ابن مسعود یصلی نافی شہر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ۔

(۵) اسی عمدۃ القاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے قال ابن عبد البر وھو قول جمہور

العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقہاء وھو الصحیح عن ابی ابن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ یعنی ابن عبد البر نے فرمایا کہ بیس رکعت تراویح عام علماء کا قول ہے اسی کے اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہ ہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے۔ اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں ۔

(۶) ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فصار اجماعاً لما روی البیھقی باسناد صحیح انھم کانوا یقیمون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی صحابہ کرام حضرت عمرو عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس تراویح پڑھتے تھے لہٰذا اس پر اجماع ہو گیا ۔

(۷) مولوی عبد الحی صاحب نے اپنے فتاوی جلد اول صفحہ ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کا قول نقل فرمایا اجماع الصحبۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ یعنی صحابہ کرام کا بیس تراویح پر اجماع ہے

(۸) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۷ میں ہے واما القائلون بہ من التابعین فشتبر ابن شکل وابن ابی ملیکۃ والحارث الھمدانی وعطاء ابن ابی رباح وابو البختری وسعید ابن ابی الحسن البصری اخو الحسن وعبد الرحمٰن ابن ابی بکرہ وعمران العبدے

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین وفقہاء محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے نہ کسی نے آٹھ تراویح پڑھیں نہ اس کا حکم دیا ۔

لطیفہ غیر مقلد دراصل اپنی خواہش نفس کے مقلد ہیں اس لئے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا جاتا ہے۔ جس میں نفس کو آرام ملے وہ ہی کا ان کا مذہب - ہم ان کے آرام دہ مسائل دکھاتے ہیں۔ مسلمان دیکھیں اور عبرت پکڑیں :-

(۱) دو مٹکے پانی کبھی گندا نہیں ہوتا لہٰذا کنواں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا پانی پئے جاؤ ۔

(۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو۔ روافض کی طرح کون بار بار اترے اور پڑھے۔ ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے ۔

(۳) عورتوں کے زیور پر زکوٰۃ نہیں۔ ہاں جناب کیوں ہو اس میں خرچ جو ہوتا ہے ۔

(۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو۔ ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے ۔

(۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو۔ کیوں نہ ہو جلد نماز سے چھٹکارا اچھا ۔

(۶) ایک بارگی تین طلاق دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے۔ کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے۔ غرضکہ جس میں آرام وہ یاروں کا دین ایمان ؛

لطیفہ مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی ہوتی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کردی لہٰذا اب اس سے تین طلاق ہی واقع ہونی چاہئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین نے اڑے کہ ایکدم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے۔ ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنادیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی ؛ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہدیتے تھے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق اور آخر میں دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ جیسے کوئی کہے میں کل جاؤنگا کل کل۔ میں روٹی کھاؤنگا روٹی روٹی ؛ اب بھی اگر کوئی اس نیت سے یہ الفاظ بولے تو عنداللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے۔ چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا۔ تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا ؛ اس مسئلہ کی نہایت ہی نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے۔ کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں ؛

دوسرا باب

بیس تراویح پر اعتراضات وجوابات

(۱) مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر ؛

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو ان سے ۱۱ کی روایت ہے اور محمد ابن نصر مروزی نے انہی محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبدالرزاق نے انہی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے ۲۱ رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر ؛ ایک ہی راوی کی بیانات میں اس قدر تضاد

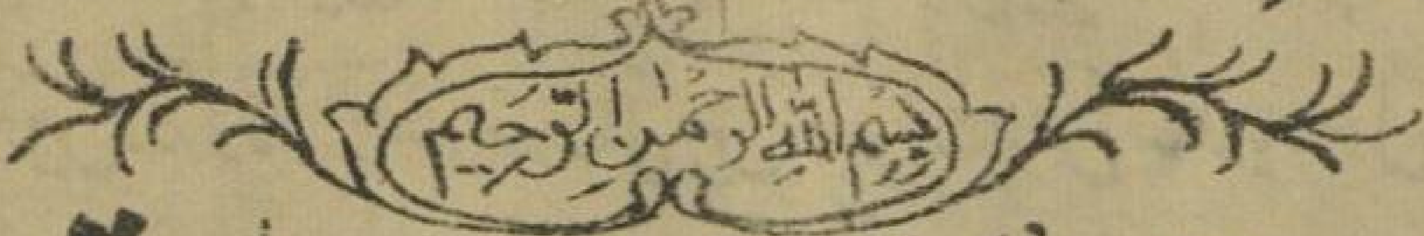
اور اختلاف ہے۔ اس کو اضطراب کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام روایات غیر معتبر ہیں۔ اس سے استدلال غلط ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے۔ تو اس سے تراویح آٹھ رکعت ثابت ہوئیں مگر وتر تین رکعت کہئے۔ آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور آدھا غیر مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ تراویح کا حکم دیا گیا، پھر بارہ کا، پھر آخر میں بیس پر قرار ہوا۔ کیونکہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے وکان القاری یقرأ سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات واذا قام بہا فی ثنتی عشرۃ رکعۃ رای الناس انہ قد خفف یعنی قاری آٹھ رکعت میں سورۃ بقر پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے ثم ثبت العشرون فی زمن عمر و فی الموطا روایۃ باحدی عشرۃ وجمع بینہما انہ وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث یعنی ان روایات کو یوں جمع کیا گیا۔ کہ اولاً تو آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر بیس پر قرار ہوا۔ یہ بیس رکعت ہی منقول ہیں۔ چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ علیہ السلام ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے بیس رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں۔ تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر بیس پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا۔ کیونکہ بیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ اور آٹھ میں بیس نہیں آتیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں۔ سنت فاروقی ہیں لہٰذا بیس رکعت پڑھا کرو۔

(۲) بخاری شریف میں ہے کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے تھے۔ آپ نے جواب دیا۔ ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشر رکعات معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہ پڑھیں اور باقی وتر بیس رکعت پڑھنا بدعت سیئہ ہے۔

جواب۔ اس کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت

سے زیادہ نہ پڑھیں. جس سے معلوم ہُوا کہ یہ وُہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کیونکہ تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے. نیز ترمذی میں اسی حدیث کے لئے باب باندھا باب ماجاء فی وصف صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل معلوم ہُوا کہ یہ صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح + نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ مَیں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سوجاتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا. اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا جس سے معلوم ہُوا کہ یہ رکعتیں سو کے اُٹھ کر ادا فرماتے تھے اور وتر بھی اُس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے. تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہُوا کہ آپ نے ہم کو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو کر مع تہجد وتر پڑھتے ہیں. جواب دیا کہ چونکہ ہمیں جاگنے پر پورا بھروسہ ہے. جسے بھروسہ نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد + مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ .. ۱ہ میں ہے "تحقیق آنست کہ صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد بود یازدہ رکعت کہ دائم در تہجد مے گذارد" دوسرے یہ کہ اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے تو حضرت عمر و دیگر اصحاب کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ نے اُن کی مخالفت کیوں نہ کی. اُن پر کیا فتویٰ لگاؤ گے. نیز آج سارے غیر مقلد پورے ماہ رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں. بتاؤ ان کی یہ ہمیشگی بدعت سیئہ ہے یا نہیں ؟ اگر حضور علیہ السلام نے آٹھ تراویح پڑھیں. تو صرف دو تین روز ہی پڑھیں. تم اُس کی ہمیشگی کر کے کون ہوئے ؟ نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہُوا کہ مکہ والوں کا بیس تراویح پر اتفاق ہے. اور مدینہ والوں کا اکتالیس پر ان میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت کا عامل نہیں. بتاؤ یہ سارے لوگ بدعتی اور فاسق ہوئے یا نہیں ؟ اگر ہوئے تو اُن سے حدیث لینا کیسا ؟ فاسق کی روایت معتبر نہیں. نیز بتاؤ کہ کیا کسی ملک میں مسلمانوں نے آٹھ رکعات تراویح پڑھیں. تیسرے یہ کہ اسی حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی. تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ رکعت ثابت ہونگی. پھر آپ فقط ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو ؟ آرام کے لئے + حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کہیں نہیں ملتی. کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعات سے خاموشی ہے. اور جن احادیث میں گیارہ کا ذکر ہے وہاں تراویح کی تصریح نہیں بلکہ اس سے تہجد مراد ہے. ایسی روایت پیش کرو جس میں آٹھ تراویح کی تصریح ہو. ایسی انشاء اللہ نہ ملے گی +

چونکہ سلطنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نے مستقل رسالہ لکھ دیا۔ اس لئے ضمیمہ میں یہ مضمون شامل نہ کیا گیا۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ؀



رسالہ تلاق الادلہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دے دے۔ تو اگرچہ اُس نے بُرا کیا۔ مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی نہ کہ ایک۔ اور یہ عورت بغیر حلالہ اُس مرد کو حلال نہ ہو گی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہو گی۔ اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہو گا۔ اس لئے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات وجوابات ؀

مقدمہ

بہتر یہ ہے۔ کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر کوئی بحالتِ حیض طلاق دے دے یا تینوں طلاقیں ایکدم دے دے۔ تو اگرچہ اُس نے بُرا کیا۔ مگر جو طلاق دیگا وہ ہی واقع ہو گی ؀

ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں :-

نمبر(۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو۔ اور خلوت نہ ہوئی ہو ایکدم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف پہلی ایک طلاق واقع ہو گی۔ اور اخیری دو واقع نہ ہونگی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہو گئی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لئے نکاح یا عدت چاہیئے۔ ہاں اگر اُس عورت سے یوں کہے۔ کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی۔ کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب) ؀

نمبر(۲) اگر شوہر اپنی اُس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اس طرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق

ہے طلاق طلاق۔ اور اخیری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے نہ علیحدہ طلاقوں کی تب بھی دیانۃً طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو پانی پانی۔ کھانا کھالو کھانا کھانا۔ میں کل گیا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے ؛

نمبر (۳)۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے بیک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں۔ یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ بہرحال طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی اور یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد اور سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہر بین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں پارہ دوم زیر آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ الآیۃ ہے وَالْمَعْنٰی فَاِنْ ثَبَتَتْ طَلَاقُهَا ثَلٰثًا فِیْ مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ الآیۃ كَمَا اِذْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا اَوْ اَلْبَتَّةَ وَهٰذَا هُوَ الْمُجْمَعُ عَلَيْهِ یعنی علماء اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایکدم عورت بہرحال حرام ہو جائے گی + نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے وَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِیْ مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا فَقَالَ الشَّافِعِیُّ وَمَالِكٌ وَاَبُوْحَنِيْفَةَ وَاَحْمَدُ وَجَمَاهِيْرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ يَقَعُ الثَّلٰثُ وَقَالَ طَاؤُسٌ وَبَعْضُ اَهْلِ الظَّاهِرِ لَا يَقَعُ بِذٰلِكَ اِلَّا وَاحِدَةٌ یعنی جو کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور سلف و خلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ حجاج ابن ارطات اور ابن مقاتل اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں۔ کہ اس سے ایک طلاق بھی نہ پڑے گی۔ دیکھو نووی یہ ہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف سے ضعیف قول ہو وہ ہی ان کا دین ایمان ہے۔ اس لئے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ ہی عقیدہ رکھا ہے۔ کہ ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوگی + تفسیر صاوی پارہ دوم زیر آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ الآیۃ ہے وَاَمَّا الْقَوْلُ بِاَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلٰثَ فِیْ مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ لَا يَقَعُ اِلَّا

طَلْقَةً يَعْرِفُ اِلَّا لِابْنِ تَيْمِيَّةَ وَرَدَّ عَلَيْهِ اَئِمَّةُ مَذْهَبِهِ حَتّٰى قَالَ الْعُلَمَاءُ اَنَّهُ الضَّالُ الْمُضِلُّ وَنِسْبَتُهَا اِلَى الْاِمَامِ اَشْهَبَ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْمَالِكِيَّةِ بَاطِلَةٌ یعنی یہ کہنا کہ ایک دم دی ہوئی تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوتی ہے یہ سواء ابن تیمیہ حنبلی کے اور کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور ابن تیمیہ کی خود اس کے مذہب کے اماموں نے تردید کر دی علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام اشہب مالکی کی طرف غلط ہے بہر حال پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ لئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفیس تحقیق اپنی تفسیر نعیمی جلد دوم زیر آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ الاٰیۃ میں کر دی ہے۔ مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آ رہے ہیں۔ اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں میں بیان کیا جائیگا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ؂

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے تین طہر میں تین۔ ایکدم چند طلاقیں دینا سخت برا ہے۔ لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ برا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی۔ جیسے طلاق بحالت حیض کہ اگرچہ برا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

نمبر(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ پھر فرماتا ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ الاٰیۃ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مَرَّتَانِ کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ طلاقیں دینا شرط نہیں۔ جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایکدم دے یا الگ الگ۔ حکم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا اِلٰى طَلْقَةٍ ثَالِثَةٍ سَوَاءٌ وَقَعَ الْاِثْنَتَانِ فِيْ مَرَّةٍ

اَوْ مَرَّتَیْنِ وَالْمَعْنٰی فَاِنْ ثَبَتَ طَلَاقُهَا ثَلٰثًا فِیْ مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایکدم دے یا الگ الگ۔ عورت حلال نہ رہے گی۔ آگے فرماتے ہیں کَمَا اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا اَوْ اَلْبَتَّةَ وَهٰذَا هُوَ الْمُجْمَعُ عَلَیْهِ یعنی اگر کوئی شخص یوں کہدے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی۔ اس پر اُمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے۔ اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

نمبر(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایکدم تین طلاقیں دے دے تو وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے۔ اگر تین طلاقیں ایکدم دے دیگا تو رجوع نہ کر سکے گا۔ اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایکدم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں۔ بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوتی تو یہ ظالم کیسے ہوتا؟ نووی شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے وَاحْتَجَّ الْجُمْهُوْرُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ الخ قَالُوْا مَعْنَاهُ اَنَّ الْمُطَلِّقَ قَدْ یُحْدِثُ لَهٗ نَدَمٌ فَلَا یُمْكِنُهٗ تَدَارُكُهٗ لِوُقُوْعِ الْبَیْنُوْنَةِ۔ فَلَوْ كَانَتِ الثَّلٰثُ لَمْ تَقَعْ لَمْ یَقَعْ طَلَاقُهٗ هٰذَا اِلَّا رَجْعِیًّا فَلَا یَنْدَمُ ترجمہ وہی ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے۔ نمبر(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلۃ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خشعیۃ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی۔ کہ وہ امام حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں۔ تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے۔ کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سُنا ہوتا۔ کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایکدم تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت بغیر حلالہ اُسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا۔ حدیث کے اخیر میں الفاظ یہ ہیں لَوْلَا اَنِّیْ سَمِعْتُ جَدِّیْ وَحَدَّثَنِیْ اَبِیْ اِنَّهٗ سَمِعَ جَدِّیْ یَقُوْلُ اَیُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلٰثًا عِنْدَ الْاَقْرَاءِ اَوْ ثَلٰثًا مُبْهَمَةً لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد نمبر۷ صفحہ ۳۳۶)۔

نمبر(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے قَالَ جَاءَ

رَجُلٌ اِلٰی عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقَالَ طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِی اَلْفًا قَالَ ثَلٰثٌ تُحَرِّمُھَا عَلَیْکَ وَاَقْسِمْ سَائِرُھُنَّ بَیْنَ نِسَاءِکَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵) یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا کہ تین طلاقوں نے اُسے تجھ پر حرام کر دیا۔ باقی طلاقیں اپنی اور بیویوں کو بانٹ دے۔ یعنی وہ لغو ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُس سائل نے یہ ہزار طلاقیں ہزار مہینوں میں تو نہ دی ہونگی۔ ورنہ ۸۲ سال ۲ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایکدم ہی دی تھیں۔ اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں جائز رکھیں ؎

نمبر(۵)۔ بیہقی میں ہے عَنْ جَعْفَرِ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَا تَحِلُّ لَہٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵) یعنی امام جعفر صادق اپنے جد امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دے تو بیوی بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اس کی تائید بیہقی کی اُس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی یعلیٰ سے مروی ہے۔ کہ عن علی رضی اللہ عنہ فِیْمَنْ طَلَّقَ اِمْرَءَتَہٗ ثَلٰثًا قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بِھَا۔ قَالَ لَا تَحِلُّ لَہٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ ؎

نمبر(۶)۔ بیہقی نے محمد ابن ایاز ابن بکیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایکدم تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اُس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابوہریرہؓ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جبتک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں بچا کھچا تھا تو نے اکٹھا ہی دے دیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں فَسَئَلَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ وَعَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَا نَرٰی اَنْ تَنْکِحَھَا حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَکَ قَالَ اِنَّمَا کَانَ طَلَاقِیْ اِیَّاھَا وَاحِدَۃً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّکَ اَرْسَلْتَ مِنْ یَدِکَ مَا کَانَ لَکَ مِنْ فَضْلٍ (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۵) ؎

نمبر(۷)۔ اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے بروایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا تین لے لو اور ستانوے چھوڑ دو۔

عبارت یہ ہے اِنَّ رَجُلاً قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِی مِأَةً قَالَ تَاخُذُ ثَلٰثًا وَتَدَعُ سَبْعًا وَتِسْعِیْنَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)۔

نمبر ۸۔ بیہقی میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین لے لو۔ اور نوسو ستانوے چھوڑ دو عبارت یہ ہے اِنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِی اَلْفًا فَقَالَ تَاخُذُ ثَلٰثًا وَتَدَعُ تِسْعَ مِائَةٍ وَسَبْعَةً وَتِسْعِیْنَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)۔

نمبر ۹۔ بیہقی میں بروایت سعید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اُس شخص سے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی۔ عبارت یہ ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ لِرَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاءَتَهٗ ثَلٰثًا حُرِّمَتْ عَلَیْكَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)

نمبر ۱۰۔ بیہقی میں بروایت عمرو ابن دینار ہے۔ کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اُس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اُس سے کہدو کہ تجھے برج جوزہ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال رہے کہ برج جوزہ کے سر پر تین ستارے ہیں۔ عبارت یہ ہے عَنْ عَمْرِو ابْنِ دِیْنَارٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاءَتَهٗ عَدَدَ النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنَّمَا یَكْفِیْكَ رَأْسَ الْجَوْزَاءِ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)۔

نمبر ۱۱۔ ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب مَنْ طَلَّقَ ثَلٰثًا فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ میں ہے۔ کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایک دم دے دیں۔ ان تینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا۔ عبارت یہ ہے قَالَتْ طَلَّقَنِیْ زَوْجِیْ ثَلٰثًا وَّ هُوَ خَارِجٌ اِلَی الْیَمَنِ فَاَجَازَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

نمبر ۱۲۔ حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے عبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے اُنہوں نے فرمایا میرے دادا رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ پھر وہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا۔ چنانچہ ابن ماجہ

اور ابوداؤد میں ہے عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَلِیِّ ابْنِ یَزِیْدِ ابْنِ رُکَانَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّہٗ طَلَّقَ اِمْرَأَتَہُ الْبَتَّۃَ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَئَلَہٗ فَقَالَ مَا اَرَدْتَ بِھَا قَالَ وَاحِدَۃً قَالَ اٰللّٰہُ مَا اَرَدْتَ بِھَا اِلَّا وَاحِدَۃً قَالَ اٰللّٰہُ مَا اَرَدْتُ بِھَا اِلَّا وَاحِدَۃً قَالَ فَرَدَّھَا اِلَیْہِ (ابن ماجہ باب طلاق البتۃ و ابوداؤد باب البتہ)۔

اگر ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے۔ انھوں نے کہا تھا اَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی اس لئے اسے ایک قرار دیا گیا۔ یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ مَا اَشْرَفَ ھٰذَا الْحَدِیْثُ۔ یہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے۔ ابوداؤد نے فرمایا ہے ھٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ جُرَیْجٍ۔ یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریح زیادہ صحیح ہے

نمبر ۱۳۔ موطا امام مالک وشافعی وابوداؤد وبیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عباس ہے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دے دے اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دے گی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تائید فرمائی۔ عبارت یہ ہے عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ اَیَّاسٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا ھُرَیْرَۃَ وَعَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عَمْرٍو ابْنَ الْعَاصِ سُئِلُوْا عَنِ الْبِکْرِ یُطَلِّقُھَا زَوْجُھَا ثَلٰثًا قَالَ لَا تَحِلُّ لَہٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ وَرَوٰی مٰلِکٌ عَنْ یَحْیٰی ابْنِ سَعِیْدٍ عَنْ بُکَیْرٍ ابْنِ اَشَجَّ عَنْ مُعَاوِیَۃَ ابْنِ اَبِیْ عَیَّاشٍ اَنَّہٗ شَھِدَ ھٰذِہِ الْقِصَّۃَ (ابوداؤد باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیق الثلث)۔

نمبر ۱۴۔ بیہقی نے بسام صریفی سے روایت کی۔ کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔

نمبر ۱۵۔ اسی بیہقی نے مسلمہ ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایکدم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح المعانی پارہ دوم)۔

نمبر ۱۶۔ مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ

ہیں یہ قانون بنادیا گیا۔ کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی بعبارت یہ ہے فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِیْ اَمْرٍ کَانَتْ لَہُمْ فِیْہِ اَنَاۃٌ فَلَوْ اَمْضَیْنَاہُ عَلَیْہِمْ فَاَمْضَاہُ عَلَیْہِمْ ÷ نمبر ۱۷۔ اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع نہیں کر سکتے ÷

نمبر ۱۸۔ جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دے تین اور پڑے ایک۔ مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیئے ÷

نمبر ۱۹۔ فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا۔ ایکدم تین طلاقیں دینا بے شک سخت منع ہے۔ لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے۔ تو واقع کیوں نہ ہوں۔ دیکھو چوری کی چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو ذبیحہ بے شک حلال ہے۔ بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی دے دے تو واقع ہو جائے گی ÷

نمبر ۲۰۔ اسقاط میں مسبب۔ سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ جلد سوم کتاب الوکالت میں ہے لِاَنَّ الْحُکْمَ فِیْہَا لَا یَقْبَلُ الْفَصْلَ عَنِ السَّبَبِ لِاَنَّہٗ اِسْقَاطٌ فَیَتَلَاشٰی یعنی اسقاط میں حکم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہوتا طلاق بولنا سبب ہے اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم۔ اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے ناممکن ہے کہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک ÷

نمبر ۲۱۔ جمہور علماء خصوصاً چاروں امام ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے کہ ایکدم تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہونگی۔ اس کی مخالفت امت مسلمہ کی مخالفت ہے۔ جو گمراہی ہے۔ غرضکہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث اجماع صحابہ اقوال علماء محدثین ومفسرین دلائل عقلیہ سب ہی سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل و نقل کی مخالفت ہے ÷

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے۔ بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم ان کی وکالت میں بیان

کرتے ہیں:۔ پہلا اعتراض۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ کچھ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ۔ مَرَّتٰنِ اور فَاِنْ کی فٓ سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ ایکدم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوئیں۔ اور مَرَّتَان علیحدگی بتا رہا ہے؛

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے۔ کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ الطلاق میں الف لام عہدی ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حلالہ اُسے عورت حلال نہیں تفسیر احمدی وصاوی وجلالین میں ہے اَلطَّلَاقُ اَیْ اَلتَّطْلِیْقُ الَّذِیْ یُرَاجِعُ بَعْدَهٗ مَرَّتٰنِ اَیْ اِثْنَتَیْنِ۔ دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ مَرَّتَان سے طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے۔ تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے۔ اس میں بھی طلاقوں کی لفظًا علیحدگی ہے۔ اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں۔ اس میں عددی علیحدگی کیونکہ علیحدگی کے بغیر عدد کیسے بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک مہینہ ایک ہی بار دیکھ لیا کرو۔ تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ بیشک ایکدم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایکدم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں۔ اس سے آیت ساکت ہے؛

دوسرا اعتراض۔ مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایکدم تین طلاقیں ایک ہوں گی۔ عبارت یہ ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابو الصہباء نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں

عبارت یہ ہے اِنَّ اَبَا الصَّھْبَاءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْلَمُ اَنَّمَا کَانَتِ الثَّلٰثُ تُجْعَلُ وَاحِدَۃً عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّ ثَلٰثًا مِّنْ اِمَارَۃِ عُمَرَ فَقَالَ اِبْنِ عَبَّاسٍ نَعَمْ اِن حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں ؛

نوٹ۔ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے ؛

جواب۔ اِس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا عبداللہ ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا۔ اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے۔ نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنا دینا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہونگی اور اس پر عملدرآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا باوازِ بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ یا ماؤل۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کا طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے۔ تو اول طلاق ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق باب نُسِخَ المُرَاجعہ بَعْدَ التَّطْلِیْقَاتِ الثَّلٰثِ میں ہے کہ ابو صہبا نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اُس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ بَلٰی کَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ اِمْرَأَتَہٗ ثَلٰثًا قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بِھَا جَعَلُوْھَا وَاحِدَۃً الخ اِس حدیث میں صراحتاً معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہی مطلب ہے۔ اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اِس طرح دیتے تھے۔ کہ تجھے طلاق ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھلی دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا۔ کہ وہ تین طلاقیں ہی دینے لگے لہٰذا صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا

نووی شریف میں ہے فَالْاَصَحُّ اَنَّ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ کَانَ فِی الْاَمْرِ الْاَوَّلِ اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ وَلَمْ یَنْوُا تَاکِیْدًا وَلَا اِسْتِئْنَافًا یُحْکَمُ بِوُقُوْعِ طَلْقَةٍ لِقِلَّةِ اِرَادَتِهِمُ الْاِسْتِئْنَافَ بِذٰلِکَ فَحُمِلَ عَلَی الْغَالِبِ الَّذِیْ هُوَ اِرَادَةُ التَّاکِیْدِ فَلَمَّا کَانَ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَکَثُرَ اِسْتِعْمَالُ النَّاسِ بِهٰذِهِ الصِّیْغَةِ وَغَلَبَ مِنْهُمْ اِرَادَةُ الْاِسْتِئْنَافِ بِهَا حُمِلَتْ عِنْدَ الْاِطْلَاقِ عَلَی الثَّلٰثِ عَمَلًا بِالْغَالِبِ السَّابِقِ اِلَی الْفَهْمِ مِنْهَا فِیْ ذٰلِکَ الْعَصْرِ یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اوّل طلاق سے طلاق کی نیّت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے۔ اس لئے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایکدم تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی کہ اس وقت غالب حال یہ ہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیّت کرنے لگے۔ اس لئے تین جاری کر دی گئیں۔ صورتِ مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مؤلفۃ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا کہ مصرف زکوٰۃ صرف سات ہیں مولفۃ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی اس لئے ایسے کافروں کو زکوٰۃ دے کر مائل کیا جاتا تھا۔ عہدِ فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کمزوری لٰہذا ان کو زکوٰۃ دینا بند کر دیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلا۔ نسخ نہیں کیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اُسے زکوٰۃ لینے کا حکم دیا گیا اب غنی ہو گیا تو زکوٰۃ دینے کا حکم ہو گیا۔ کپڑا ناپاک تھا اس سے نماز ناجائز قرار دی۔ اب پاک ہو گیا اس سے نماز جائز ہو گئی۔ ہندوستان میں آجکل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیّت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجیب بات ہے۔ کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے۔ اللہ غیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

تیسرا اعتراض۔ ابوداؤد جلد اوّل اور درمنثور جلد اول صفحہ ۲۷۹ وعبدالرزاق وبیہقی نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی اُمّ رکانہ کو طلاق دی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کر لو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں

دی ہیں - فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کرو۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ابوداؤد وغیرہ کی عبارت یہ ہے طَلَّقَ عَبْدُ یَزِیْدَ اَبُوْ رُكَانَةَ اُمَّ رُكَانَةَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاجِعْ اِمْرَاَتَكَ فَقَالَ اِنِّیْ طَلَّقْتُهَا ثَلٰثًا قَالَ قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا وَتَلَا یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ الآیۃ (بیہقی سنن کبرٰے جلد ۷ صفحہ ۳۳۹ و ابوداؤد باب نسخ المراجعۃ صفحہ ۲۹۹) اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش آتی۔ معلوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی۔ اور دو کو رد کر دیا گیا خیال رہے کہ خود ابورکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی طلاق ایک ہی مانی گئی ؎

جواب۔ افسوس کہ معترض نے ابوداؤد اور بیہقی کی آدھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابوداؤد و بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجیر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی۔ کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہٰذا حضور نے اُن کی بیوی کو اُن کی طرف واپس کر دیا یہ حدیث دیگر احادیث سے زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ اُن کا بیٹا اور اُس کے گھر والے اُس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں۔ کہ طلاقیں تین دیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی۔ عبارت یہ ہے وَحَدِیْثُ نَافِعِ ابْنِ عُجَیْرٍ وَ عبد اللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانۃ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رکانۃ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ البتۃ فَرَدَّهَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَصَحُّ لِاَنَّهُمْ ولد الرَّجُلِ وَاَهْلُهٗ اَعْلَمُ بِهٖ اَنَّ رکانۃ اِنَّمَا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ البتۃ فَجَعَلَهَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً (سنن کبریٰ بیہقی و ابوداؤد یہ ہی مقام) ؎ خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایت سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس کی ایک روایت تو یہ ہے کہ ابورکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں اور انہیں عبداللہ ابن عباس سے آٹھ روائتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے۔ بتاؤ کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روائتیں۔ بیہقی کی روایت یہ ہے وَهٰذَا الْاِسْنَادُ لَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ مَعَ ثَمَانِیَةٍ وردعن عَبَّاسٍ فُتْیَاهُ بِخِلَافِهٖ

ذَالِكَ وَمَعَ رِوَايَتِ اَوْلَادِ رُكَانَةَ اَنَّ طَلَاقَ رُكَانَةَ كَانَ وَاحِدَةً وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابو رکانہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابو رکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتّہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ اور تین کا بھی۔ شائد تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتّہ تین طلاق کو کہتے ہیں۔ اس لئے بجائے بتّہ کے تین کی روایت بالمعنیٰ کر گیا جس میں اس نے سخت غلطی کی۔ عبارت یہ ہے وَاَمَّا الرِّوَايَةُ الَّتِيْ رَوَاهَا الْمُخَالِفُوْنَ اَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ ثَلٰثًا فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فِيْ رِوَايَةٍ ضَعِيْفَةٍ عَنْ قَوْمٍ مَجْهُوْلِيْنَ وَاِنَّمَا الصَّحِيْحُ مِنْهَا مَا قَدَّمْنَاهُ اَنَّهُ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَلَفْظُ الْبَتَّةِ مُحْتَمِلٌ لِلْوَاحِدَةِ وَلِلثَّلٰثِ وَلَعَلَّ صَاحِبَ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ الضَّعِيْفَةِ اِعْتَقَدَ اَنَّ لَفْظَ الْبَتَّةِ فِيْ رَوَاهُ بِالْمَعْنَى الَّذِيْ فَهِمَهُ وَغَلِطَ فِيْ ذَالِكَ ٭

چوتھا اعتراض۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بحالتِ حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قرار دیا۔ اور اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا ٭

جواب۔ یہ غلط ہے۔ حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت طہر دینی چاہیئے۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض ہے عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيْقَةً وَّاحِدَةً فَاَمَرَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرَاجِعَ ثُمَّ يُمْسِكَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ۔ نیز نووی شریف شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں فرمایا وَاَمَّا حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ فَالرِّوَايَاتُ الصَّحِيْحَةُ الَّتِيْ ذَكَرَهَا مُسْلِمٌ وَغَيْرُهُ اَنَّهُ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً ان کے متعلق تین کی روایات بالکل ضعیف ہے ٭

پانچواں اعتراض۔ تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۷۴ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کی تفسیر میں ہے مَعْنَاهُ اَنَّ

تَطْلِيقُ الشَّرْعِيَّةِ يَجِبُ اَنْ تَكُوْنَ تَطْلِيقَةً عَلَى التَّفْرِيقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَالْاِرْسَالِ وَهٰذَا التَّفْسِيْرُ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ اَلْجَمْعُ بَيْنَ الثَّلٰثِ حَرَامٌ یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کے دینا واجب ہے یہ ہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنھوں نے کہا ہے۔ کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے اس سے معلوم ہوا۔ کہ ایکدم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں ؛

جواب۔ اس کا کون منکر ہے بیشک طلاقیں الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حماقت سے تین طلاقیں اکٹھی دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں۔ تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ تین واقع نہ ہونگی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور اس پر شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ضرور ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب ہو جائیگا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سببیت پر نہیں پڑتا ؛

چھٹا اعتراض۔ تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۴۷ میں ہے وَهُوَ اخْتِيَارُ كَثِيْرٍ مِّنْ عُلَمَاءِ الدِّيْنِ اَنَّهٗ لَوْ طَلَّقَهَا اِثْنَتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا لَا يَقَعُ اِلَّا الْوَاحِدَةُ یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے۔ کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیدے۔ تو اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔ معلوم ہوا۔ کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں ؛

جواب۔ معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے۔ آؤ ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اس کے وہابی پیروکار ہیں انہیں کا یہ مذہب ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں اور ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ گر لکھا ہے۔ نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے وَالْقَوْلُ الثَّانِيْ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّهٗ وَاِنْ كَانَ مُحَرَّمًا اِلَّا اَنَّهٗ يَقَعُ یعنی دوسرا قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔ کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہے۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے جاکر تفسیر کبیر نے فرمایا۔ کہ ائمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے۔ کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال نہیں۔ دیکھو تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵ ؛

ساتواں اعتراض۔ عقل بھی چاہتی ہے۔ کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں۔ کیونکہ جن

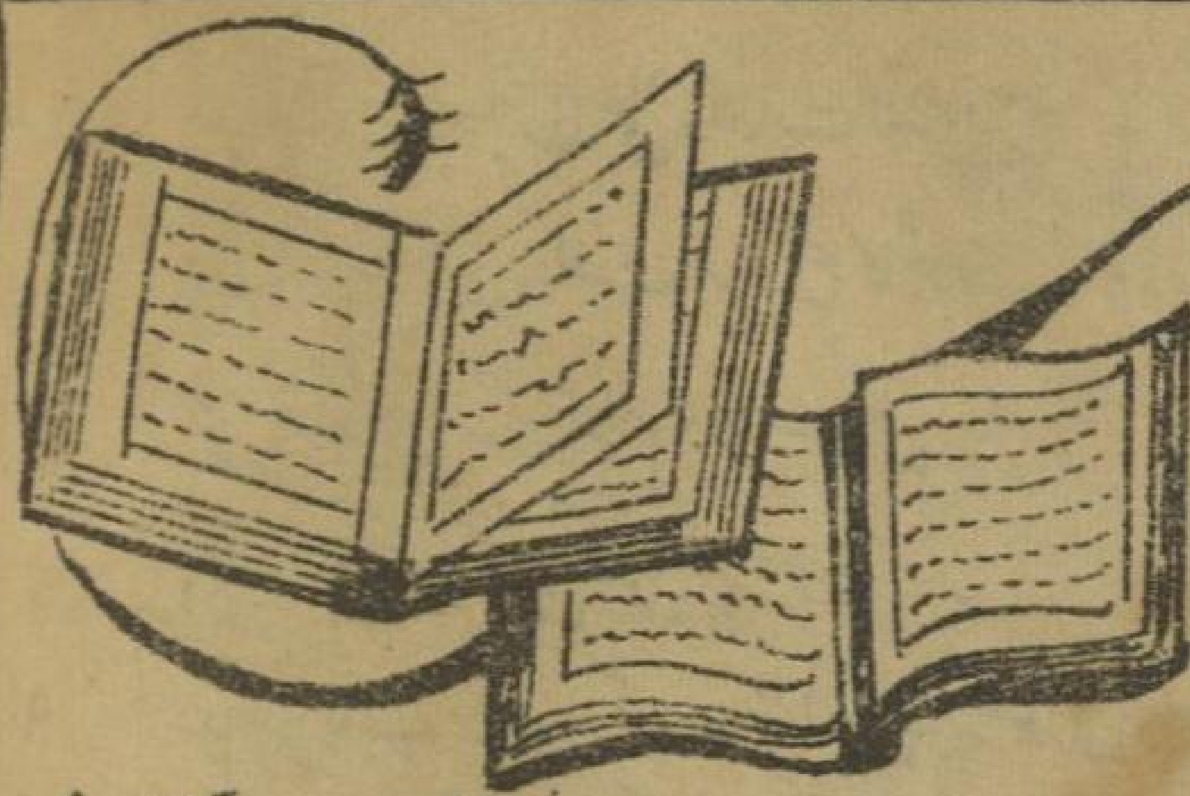
جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے۔ ان کو اکٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے۔ اور حج میں جمروں پہ الگ الگ سات کنکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں قسم ایک لفظ سے کھائے۔ تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں کنکر ایکدم پھینک دے تو وہ ایک ہی رمی مانی جائے گی اور چھ کنکر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے بلکہ ایک ہی مانا جائیگا۔ لہٰذا چاہیے کہ اگر کوئی ایکدم تین طلاقیں دیدے تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین ؛

جواب۔ الحمدللہ آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس۔ جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے نہ کہ محض فعل۔ لہٰذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے جبکہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائمقام ہے یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیئے۔ بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔ نیز رمی جمروں میں سات فعل چاہئیں۔ ایکدم سات کنکر پھینک دینے میں مفعول سات ہوئے۔ مگر فعل ایک۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں اس کی پیروی چاہیئے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایکبار اَلْفَ مَرَّةٍ کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہٰذا ان کے احکام بھی مختلف قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے۔ طلاق کونسا ثواب کا کام ہے تاکہ اس میں زیادہ محنت کا زیادہ ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بنا تن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی لہٰذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ احمد یار خاں غفرلہ ولابیہ مرشدہ بدایونی مقیم گجرات پاک

مورخہ ۷ مئی ۱۹۵۵ء

فہرست جاء الحق وزہق الباطل

ضمیمہ جاء الحق



خدا شوق دے تو اچھی کتابیں پڑھئے

بعض تصانیف اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ بریلوی

الامن والعلا ۰-۸-۲
ابرّ المقال
المطب الوجیز
الخطبات الرضویہ
انہار الانوار
اعجب الامداد
انوار البشارۃ
ایتان الارواح
الزمزمۃ القمریّہ
السوء العقاب
الادلہ الطاعنہ
الیاقوتۃ الواسطہ
الحجۃ الفاتحہ
الهدایۃ المبارکہ
ابناء المصطفیٰ
الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ
الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم

بذل الجوائز
بدر الانوار فی آداب الآثار
برکات الامداد
تفاسیر الاحکام
حدائق بخشش حصہ اول ۰-۰-۱
حصہ دوم ۱۲ر حصہ سوم ۴-۱
لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ
تجلی الیقین
نہج السلامۃ
صلاۃ الصفا
ردّ الرّفضہ
شفاء الوالہ
وشاح الجید
حضور علیہ السلام کے مختار کل ہونے کا ثبوت ۸-۲
مزارات کو بوسہ دینا ۰-۳-۰
چاندی سونے کا استعمال ۲ر
نماز غوثیہ کا بیان ۷ آنے

بندوں کے حقوق ۲ر ردِّ قادیانی ۴ر
حج وزیارت کے احکام ۶ر
روحوں کا گھروں میں آنا ار
قصیدہ غوثیہ کی شرح ۵ر
تعیّن فاتحہ کا ثبوت ۲ر
تصوّر شیخ ۴ر شیعہ کا ردّ ۴ر
فرشتوں کی پیدائش ۲ر ردّ وہابیہ ۱۰ر
علم غیب اور ندائے یا رسول اللہ ۶ر
سجدہ تعظیمی حرام ہونیکے کا بیان ا روپیہ
اولیاء اللہ سے مدد مانگنا ۴ر
نماز روزہ کے احکام ۳ر
توحید کا بیان ۸ر
فتاویٰ افریقہ ۰-۸-۱
فتاویٰ رضویہ مجلد ۰-۰-۱۷
العروس العطار ۰-۰-۲
آئینہ قیامت ۰-۰-۱
حسام الحرمین ۰-۸-۲
حضور علیہ السلام کے فضائل ۱۱ر
تصویر کے حرام ہونے کا بیان ۵ر
عید کے دن معانقہ کا ثبوت ۴ر

ملنے کا پتہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور

راجپوت پرنٹنگ پریس ... بازار لاہور